# مسکرائی بہار

آمنہ اقبال احمد



اسکے زخم مندمل ہو گئے تھے۔ وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی تھی۔ مگر کمزوری اب بھی باقی تھی۔
دھیرے دھیرے چلتی وہ اپنے کمرے سے نکل کر پاس والے کمرے میں گئی، پھر دوسرے میں پھر تیسرے میں، پھر یوں ہی آگے بڑھتی رہی۔
یہ مکان بڑے بڑے سنگین پتھروں کا بنا ہوا تھا۔ موٹی موٹی دیواریں اونچی چھتیں اور روشندان اسکی قدامت کا پتہ دے رہے تھے۔ چوڑے کوریڈور کے آخری سرے پر چھوٹے چھوٹے چوکھٹوں والی مضبوط پتھروں میں دھنسی ہوئی کھڑکی تھی، ساتھ ہی نیچے پرانے وقتوں کا بڑا سا پیانو اور تپائی لگی تھی ___ پاس سے ہی ایک طرف اوپر جاتی پتھروں کی ہی سیڑھیاں تھیں جو مکان کے دو منزلہ ہونے کا پتہ دیتی تھیں۔
کوریڈور کے دوسرے سرے پر سامنے کی طرف کھلتا بہت بڑا مضبوط چوبی دروازہ تھا۔ دروازے کے بھاری پٹ منقش اور چمکتے پیتل کے نقش و نگار سے مزین تھے۔ چھت سے مناسب فاصلوں پر قدیم وزنی قابل دید فانوس لٹک رہے تھے۔ جابجا پیتل کے بڑے بڑے گلدانوں میں موسم کے تازہ پھول مہک رہے تھے۔
کوریڈور اور تمام کمرے خوبصورت ایرانی قالینوں اور قدیم طرز کے فرنیچر سے آراستہ تھے۔
تمام گھر کی بے داغ صفائی اور دیدنی آرائش اپنے مالک کے ذوق کا پتہ دیتی تھی!
وہ بھاری دروازہ کھول کر آہستہ سے باہر نکل آئی۔
پتھروں کے اونچے اونچے ستونوں پر ایستادہ چوڑا محرابی برآمدہ مکان کو گولائی میں لئے تھا۔
دھیرے دھیرے چلتی وہ دائیں طرف آ گئی۔ یہاں پر ایک پتلا سا Covered راستہ چند قدم پر کچن سٹورز وغیرہ کو مین مکان سے ملاتا تھا۔
وہ واپس مڑی۔ گولائی میں برآمدے کیساتھ چلتی بائیں جانب آ گئی۔ سامنے ہی ایک

بھاری بھرکم کتا اپنی کوٹھڑی کے آگے بیٹھا خونخوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بھونکا۔ اسکا دل بیٹھ سا گیا۔

یہیں گیرج تھے، سرونٹ کوارٹرز تھے۔ سب پر اس قدر بھاری پھولدار بیلیں چڑھی تھیں کہ دروازے اور کھڑکیاں بمشکل نظر آتے تھے۔ وہ واپس مڑی۔ سامنے دیکھا۔ بڑے بڑے پتھر، اونچی چہار دیواری، بہت بھاری لوہے کا پرانا سا گیٹ، سبھی جنگلی بیلوں، جنگلی پھولوں اور خودرو گھاس سے ڈھکے ہوئے تھے۔ جیسے مدتوں یہاں کوئی جھانکا ہی نہ تھا۔

وہ متحیر سی برآمدے میں ہی دائیں چلتی کچن کو پیچھے چھوڑ برآمدے کے آخری سرے پر آکر رک گئی۔

پتھروں کا یہ قلعہ نما مکان ایک بہت بڑے سنگلاخ چٹان پر واقع تھا۔ نیچے منہ زور دریا کے پانی کا مخصوص مسلسل شور اور مکان کی پچھلی سنگین چٹان سے سر ٹکراتی موجیں!

اسے جیسے چکر سا آنے لگا۔

برآمدے کے ستون سے سر ٹیک کر آنکھیں موندتے ہوئے چند لمحے وہ یوں کھڑی رہی۔

ایسا مکان، ایسی سنسان جگہ، ایسا اسرار سا اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔

''کیا بات ہے بیٹی''۔ یہاں کا ہاؤس کیپر تھا۔ بہت اچھا رحمدل۔ ''آؤ تمہیں اندر لے چلوں۔ تم ابھی کمزور ہو۔ زیادہ چلنا پھرنا تمہارے لئے ٹھیک نہیں''۔

''چکر آ گیا تھا بابا''۔ اپنے حالات پر اسکی آنکھیں بھر آئیں۔

''روتے نہیں بیٹا''۔ بابا اسے سہارا دیکر اندر لانے لگے۔ ''ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ اس چھوٹی سی عمر میں اتنا بڑا صدمہ۔ خدا تمہیں برداشت کرنے کی ہمت دے بیٹا''۔

اسکے کمرے میں لاکر انہوں نے اسے اسکے بستر میں لیٹنے میں مدد دی۔

''ابھی تک آگ نہیں جلائی کرمو نے؟'' انہیں اچھا نہ لگا۔ خانساماں کو صبح سویرے ہی آگ جلا دینی چاہیے تھی۔ ''دیکھتا نہیں کس قدر سردی ہو رہی ہے''۔

وہ آرام دھیرے سے مسکرا دی۔ بابا کی اور کرمو کی آپس میں نوک جھونک چلتی رہتی تھی۔

انگیٹھی میں، لمبی بڑی بڑی لکڑیوں پر بوتل سے مٹی کا تیل چھڑک کر انہوں نے دیا سلائی



دکھا دی۔ یہ بڑے بڑے شعلے اٹھنے لگے۔ اور منٹوں میں کمرہ گرم اور کوزی لگنے لگا۔

''تم آرام کرو بیٹی۔ ابھی ڈاکٹر آئیگا۔ آخری انجکشن لگے گا اور بس۔ پھر تم ٹھیک ٹھاک ہو گی۔ ہاں۔۔۔ آج شام کو چھوٹے مالک بھی پہنچ رہے ہیں۔ اس پار سے پبلک کال آفس والا صبح پیغام دے کر گیا ہے''۔

بابا اس پر نرم و گداز کمبل مزید درست کر کے چلدیئے۔

وہ ہوش میں آئی تھی، آنکھ کھلی تھی۔ تو بابا، کرمو اور ایک ڈاکٹر تینوں اسکے ارد گرد کھڑے تھے۔

''میں کہاں ہوں؟'' اس نے بمشکل پوچھا تھا اور۔۔۔

تبھی اسے احساس ہوا تھا وہ تو زخموں سے چور تھی۔ جگہ جگہ پٹیاں اور خون کے دھبے لگے تھے۔

''آپ بہت محفوظ جگہ پر ہیں۔ زخم بھی سب اوپر ہیں کوئی اندرونی ڈیمج نہیں ہوا''۔ ادھیڑ عمر ڈاکٹر نے اسے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔

''میں گری تھی؟''۔ وہ حیرانگی سے پوچھنے لگی۔

پھر۔۔۔ اسے جیسے خود ہی یاد آیا۔ وہ، ممی اور پاپا چھٹیوں میں بائے ائیر ملک سے باہر جا رہے تھے۔ جہاز کچھ ڈانواں ڈول ہوا تھا۔ پھر شور سا اٹھا تھا۔ لوگوں کی چیخ و پکار بھی اس شور میں شامل تھی۔ اور۔۔۔

پھر اسے کوئی ہوش نہیں رہا تھا۔

''آپکا ائیر کریش ہوا تھا''۔

''میرے پاپا، ممی۔۔۔ سب کہاں۔۔۔ ہیں''۔ وہ بدحواس سی ہو کر اٹھنے لگی۔

''اٹھیں نہیں بیٹا۔ آپ ابھی چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہیں''۔ ڈاکٹر نے اسے منع کیا۔

پھر ڈاکٹر چلا گیا۔

اور شاید ڈاکٹر کے سمجھانے کے مطابق۔ بوڑھے بابا اسے آہستہ آہستہ اس خبر کیلئے تیار کرنے لگے کہ۔

اسکے پاپا اور ممی کریش کی نذر ہو گئے تھے۔ اور۔۔۔

دلآرام جانے کیسے بچ کر دریا کے پانی کیساتھ بہتی یہاں تک آ پہنچی تھی۔ دن ابھی ڈھلا نہیں تھا۔ بابا اور کرمو اسے نیچے کنارے سے اٹھا کر اندر لائے تھے۔ پھر بابا اس کے پاس ٹھہرا تھا اور کرمو کشتی میں اس پار شہر سے چھوٹے مالک کو فون پر اطلاع کرتے ہوئے ڈاکٹر کو بھی ساتھ لیتا آیا تھا۔ ڈاکٹر چھوٹے مالک کا فیملی ڈاکٹر تھا۔

اس نے دلآرام کی اچھی مرہم پٹی کی دوائیں دیں۔ اور پھر روزانہ ایک انجکشن دینے آتا گیا۔ چھوٹے مالک نے ڈاکٹر کے ذریعے بابا اور کرمو سے رابطہ قائم کئے رکھا تھا۔ کہ ایسی مصیبت زدہ لڑکی کی جتنی خدمت ہو سکے کی جائے۔ خود وہ کسی ضروری کام کی وجہ سے جلد نہ آسکے تھے۔

پاپا اور ممی کی جدائی سے دلآرام پر کیا گزری؟ یہ تو سترہ سالہ معصوم دلآرام کا دل جانتا تھا یا پھر اس کا خدا۔

جب تک جاگتی تھی روتی رہتی تھی۔ نیند آجاتی تھی تو کچھ آرام آجاتا تھا۔

بابا اور کرمو اسکی بہت دلجوئی کرتے مگر ساتھ ہی یہ بھی سمجھتے تھے کہ یہ غم اتنا معمولی نہ تھا کہ اتنی جلدی وہ اپنے اوپر قابو پالیتی!

دن گزرنے لگے۔ اسکے زخم مندمل ہو گئے۔ آنسو اتنے بہہ گئے تھے کہ سوکھنے کو آگئے تھے۔

اسکے آگے پیچھے کوئی سگے رشتہ دار یا خیر خواہ نہ تھے۔ ایک سوتیلی ماں تھی اور ایک اسکا بھائی نواز جو گھر میں مالکوں کی طرح دندناتا پھرتا تھا۔ اب وہ انہی لوگوں کے رحم و کرم پر تھی۔

تبھی ——— دروازے پر دستک ہوئی۔

سوچوں میں اسے خیال ہی نہ رہا تھا۔ دن کا ایک بج رہا تھا۔ اور یقیناً کرمو اسکا لنچ لیکر آیا تھا۔ ساتھ ہی حسب معمول بابا بھی تھے۔ جیسے انہیں پسند نہ ہو کہ کرمو اکیلا اسکے کمرے میں آئے جائے۔

اور ——— دونوں ہی اندر آگئے۔

وہ ہولے سے مسکرا دی۔ بابا کو اسکا کتنا خیال تھا!

انگیٹھی کے قریب میز پر دونوں نے کھانا لگا دیا۔

"چھوٹے مالک تو لڑکی کے ذکر سے بدکتے ہیں"۔ کرمو، بابا سے کھسر پھسر کرنے لگا۔ جسے وہ صاف سن رہی تھی۔



"ہوش کرو۔ بی بی سن لیں گی۔ تمہیں پتہ ہے ان پر کیا بیتی ہے"۔

"اسی لئے تو کہتا ہوں آج شام چھوٹے مالک آئیں تو جانے کیا سلوک کریں"۔ وہ پھر بولا۔

"تم فکر مت کرو۔ وہ جانیں اور انکا کام۔ اور پھر وہ خود بھی تو فون کر کے بی بی کا حال پوچھتے رہتے ہیں"۔

"ہاں یہ بھی ہے"۔ وہ عقلمندوں کی طرح بولا۔

"آؤ بیٹا کھانا کھا لو۔ یہ یخنی پینا مت بھولنا۔ مجھے پتہ ہے تمہیں اچھی نہیں لگتی بہانے بہانے چھوڑ دیتی ہو"۔ وہ مسکرائے۔

اور بمعہ کرمو کے باہر چلے گئے۔

وہ آہستہ سے اٹھی۔ آگ کے قریب لگے صوفے پر بیٹھی اور اپنے سامنے لگے کھانے میں سے کھانے لگی۔ انکا مینیو کافی لمبا چوڑا ہوتا تھا۔ کوئی لنچ بغیر پھل کے کوئی ڈنر بغیر میٹھے کے نہیں ہوتا تھا۔ ہر چیز بہت افراط سے ہوتی تھی جو بقول بابا کچھ پار والے شہر سے آتی تھی اور باقی چھوٹے مالک اپنے ساتھ لاتے تھے۔

'چھوٹے مالک تو لڑکی کے ذکر سے بدکتے ہیں'۔ اچانک اسے کرمو کی کھسر پھسر یاد آئی۔

کیوں؟ وہ سوچے بنا نہ رہ سکی۔

اور ——— وہ اس اجاڑ اور ویران جگہ میں جہاں مسلسل پانی کا شور اور جھاڑیوں اور بڑے بڑے پتھروں کے سوا کچھ نہ تھا کیا کرتا تھا؟ یہ سوال تو شروع دن سے بار بار اسکے ذہن میں اٹھتا تھا۔ بہر حال ———

کھانے کے بعد وہ سو کر اٹھی۔ تو طبیعت کچھ ہلکی لگ رہی تھی۔ شام کی چائے سے پہلے وہ نہائی۔ موو کلر گرم کپڑوں کے ساتھ نرم و گرم سفید سویٹر پہنا، بیج لیدر کے شوز اور کپڑوں اور شوز سے میچ کرتا پرعذ شال کندھے پر لیا۔ اور بابا کی دی ہوئی کنگھی سے کمر تک لمبے گھنے ڈارک براؤن بالوں میں بمشکل کنگھی کرتے ہوئے وہ کمرے میں ہی انگیٹھی کے پاس لگے صوفے پر بیٹھ گئی۔

وہیں بیٹھے بیٹھے وہ کھڑکی کے اس پار دیکھنے لگی۔ دور شہر میں جھلمل جھلمل روشنیاں ہونے لگی تھیں۔ دریا میں چلتی اکا دکا کشتیوں کی بتیاں جل اٹھی تھیں۔ اور قریب سے ایک روشن موٹر بوٹ

شور مچاتی گزر رہی تھی۔

اٹھ کر وہ ادھ کھلی کھڑکی کے پاس آئی۔

شام کے دھندلکے اتر آئے تھے۔ سردی بڑھنے لگی تھی۔ اور چٹان پر بنا یہ بھوت بنگلہ بہت پراسرار لگ رہا تھا!

اس نے کھڑکی بند کر دی۔ پردے برابر کر دیئے۔

تبھی ــــ بابا آ گئے۔

انگیٹھی پر رکھا مٹی کے تیل کا لیمپ روشن کیا۔ آگ جلائی۔

''بیٹی ابھی تھوڑی دیر میں چھوٹے مالک پہنچ جائینگے۔ بوٹ ائیر پورٹ پر لینے گئی ہے۔ ڈرائیور بھی ابھی آیا تھا جیپ لیکر گیا ہے۔ پانی کے بعد گھر تک کچی سڑک ہے نا''۔

''جی بابا''۔

''میرا مطلب ہے چھوٹے مالک آ جائینگے تو تم اکیلی نہیں رہو گی پھر''۔

وہ چلد یئے۔

'چھوٹے مالک تو لڑکی کے ذکر سے بدکتے ہیں'۔ اسے کرمو کی بات یاد آئی۔

اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کندھے اچکائے۔

پتہ نہیں کیوں؟ اسکے نوکروں کی باتوں، اس یک وتنہا جگہ، اور اس پراسرار سے مکان میں رہنے والے اس آدمی سے اسکے دل میں خواہ مخواہ ایک دہشت سی بیٹھ گئی تھی۔ اس پر کرمو کا یہ کہنا کہ وہ لڑکی کے ذکر سے بدکتا ہے اسے اور بھی ڈرا سا رہا تھا۔ ایک بے نام سا خوف بیٹھ گیا تھا اسکے دل میں اس آدمی سے۔

جانے کیسے ملے گا؟ کیا کہے گا؟ کیا رویہ ہو گا؟

کچھ دیر بعد واقعی ہلچل سی پیدا ہوئی۔ شور سا، ہنگامہ سا!

ابدر کتا زور سے دھاڑا۔ نوکروں کی باتوں کی آوازیں آنے لگیں۔

وہ اٹھ کر کمرے کی سامنے والی کھڑکی سے جھانکنے لگی۔

بھاری بھرکم گیٹ کھل گیا تھا اور جیپ مکان کے مالک کو لئے گول برآمدے کیساتھ ساتھ



چلتی کوریڈور کے آگے رک گئی۔

لالٹینوں کی مدھم روشنی میں اس نے دیکھا۔ ڈرائیور نے جلدی سے سامنے سے گھوم کر آتے ہوئے اس کیلئے دروازہ کھولا تھا۔

لمبے قد اور چوڑے شانوں والا ایک شخص اوورکوٹ پہنے کالر اوپر اٹھائے برآمدے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ نوکروں کی ریلے اور روشنی کی کمی کی وجہ سے وہ ٹھیک سے اسکا چہرہ نہ دیکھ پائی۔ ہاں یہ ضرور معلوم ہوا کہ وہ بہت بارعب، با اختیار اور کمانڈنگ شخصیت رکھتا تھا۔

بہرحال جیپ کی پچھلی طرف سے تین مسلح گارڈز برآمد ہوئے۔ اور یوں سب اپنی اپنی طرف چلد یئے۔

وہ کھڑکی سے ہٹ آئی۔ یوں ہی بے مقصد کمرے میں ادھر سے ادھر تک پھرنے لگی۔

''ٹھک... ٹھک... ٹھک''۔ دروازے پر دستک ہوئی۔

''یس''۔ کھڑکی میں سے باہر اندھیروں کے اس پار شہر کی ٹم ٹم کرتی روشنیوں کو تکتی وہ چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

کرمو تھا، نظریں جھکائے مؤدب طریق سے اندر داخل ہوا۔

''چھوٹے مالک ڈنر پر آپکا انتظار کر رہے ہیں''۔

اسکا ننھا دل دھڑک سا اٹھا۔

''اچھا''۔

کرمو واپس مڑا۔ باہر نکل کر انتظار کرنے لگا۔

جھجکتے قدموں سے وہ باہر نکل آئی۔

کرمو اسے ڈائننگ ہال تک پہنچا کر واپس چل دیا۔

وہ دھک دھک کرتے دل کیساتھ اندر داخل ہوئی۔

میز پر کینڈلز کی مدھم روشنی ہو رہی تھی۔

وہ پرلے سرے کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اسکے قدموں کی آہٹ پر اپنی نشست

سے تعظیماً اٹھ کھڑا ہوا۔

"گڈ ایوننگ میم"۔ سر قدرے خم کرتے ہوئے اس نے کہا اور ——

نظریں دلآرام کی طرف اٹھ گئیں۔

چند ثانیے کو جیسے اسکی آنکھیں جھپکنا بھول گئیں۔ رنگ نچھڑ سا گیا، سارے کا سارا نڈھال سا ہو گیا!

"ہیلو"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"آپ —— بیٹھیں پلیز!" اپنے قریب کی دائیں کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ بمشکل بولا۔

وہ پریشان سی کرسی پر بیٹھ گئی۔

وہ بھی بیٹھ گیا۔ چپ چاپ، ساکت!

دلآرام نے دیکھا وہ اٹھتیس تیس سال کا ایک بہت ہینڈسم آدمی تھا۔ سیاہ قیمتی ڈنر سوٹ میں بہت شاندار لگ رہا تھا۔ اسکے قیمتی سگریٹ کی مہک میں مدغم ہوتا اسکا مدھر پرفیوم اسکی سحر انگیز شخصیت کو مزید پرکشش بنا رہا تھا۔

اسے دیکھ کر وہ کیوں ساکت سا ہو گیا تھا؟

اسے نظریں اٹھا کر دیکھنے سے قبل تو وہ بالکل نارمل لگ رہا تھا۔ بہت مہذب طریقے سے اسے ڈیل کیا تھا۔

وہ یہ سب اس سے توقع نہیں کر رہی تھی۔ وہ تو اسے کوئی کرخت سا، بدتمیز سا، نیم پاگل سا شخص سمجھتی تھی۔ جو لڑکی کے ذکر سے بدکتا تھا۔ جسے آبادی سے دور اس ویرانے میں دریا کے منہ زور سے پانی کے شور میں سکون ملتا تھا اور جو اس جھاڑ جھنکاڑ ویران اجاڑ بھوت بنگلے میں خوش تھا!

اس نے دیکھا وہ اب بھی کسی سوچ میں گم تھا۔

پرکشش نقوش سایوں کی زد میں آ گئے تھے، چوڑے خوبصورت ماتھے پر شکنیں ابھر آئی تھیں اور —— سیاہ ذہین آنکھوں میں کرب اتر آیا تھا۔

دلآرام نے میز پر ایک نظر ڈالی۔ یہاں سے وہاں تک انواع و اقسام کے کھانے لگے



ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اور وہ —— بے نیاز!

پھر جانے کیسے وہ سوچوں سے چونکا۔ کوشش کر کے ماحول کو خوشگوار بنانے کی خاطر مسکرایا۔

"مجھے دلاور خان کہتے ہیں"۔ اس سے نظریں ملاتے ہوئے وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

اور ... دلآرام کی جان میں جان آ گئی۔

"میرا نام دلآرام ہے"۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"آپ شروع کریں نا"۔ اس نے شکار کا گوشت اسکی طرف بڑھایا۔

دلآرام نے چھوٹا سا پیس پلیٹ میں لیا اور دھیرے دھیرے کھانے لگی۔ مگر ——

جب بھی اسکی نظریں اوپر اٹھتیں۔ وہ اسے اپنی طرف بغور دیکھتا پاتی۔

وہ کچھ ان ایزی سا محسوس کر رہی تھی پر ——

کم از کم یہ تو احساس ہو چلا تھا کہ وہ ایک نارمل شخص تھا، بہت ڈیشنگ پرسنیلٹی تھی اور پورے ماحول پر جیسے اسکی شخصیت کا دبدبہ تھا۔

اسے دیکھ کر ساکت کیوں ہوا تھا؟ بولنا کیوں بھول گیا تھا؟ اسے بغور تکتا کیوں تھا؟ یہ اسکی سمجھ سے باہر تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپکو ایسے حالات میں مل رہا ہوں کہ آپ بہت دکھی ہیں، پریشان ہیں اور ہراساں بھی۔ I wish کہ ہم کسی خوشگوار موقع پر ملتے۔ بہرحال جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے..."

دلاور خان نے دیکھا اسکی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

"نہیں پلیز! آپکو دکھی کرنا میرا ہرگز مطلب نہیں تھا۔ بلکہ اس طرح کھانے کی میز پر مجھے آپ سے ایسی گفتگو کرنی بھی نہیں چاہیے تھی۔ مگر کیا کیا جائے"۔ وہ جیسے نہ چاہتے ہوئے بھی اسکی خاطر مسکرایا۔ "کہ ہماری ملاقات ہی کھانے پر ہوئی ہے"۔

"آپ لوگوں نے میرا بہت خیال رکھا ہے۔ میں بہت تھینک فل ہوں آپ سب کی"۔

"یہ تو ہمارا فرض تھا۔ بلکہ مجھے پوچھنا چاہیے کہ آپکو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"جی بالکل نہیں"۔ اس نے سیاہ جھالریں پلکیں اوپر اٹھائیں۔

وہ پھر اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ بدحواس سی ہونے لگی۔

"مجھے ہر قسم کا آرام ملا ہے یہاں"۔ وہ ممنونیت سے مزید بولی۔

"آپکا سن کر میں جلدی آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر میرے باباجان کے چند ضروری کام تھے۔ جنہیں انہی دنوں نمٹانا ضروری تھا۔ ویسے میں تقریباً روزانہ فون کر کے آپکی حالت دریافت کرتا تھا۔ ڈاکٹر سے بھی میرا رابطہ تھا"۔

"So nice of you."۔ وہ واقعی ممنون نظر آ رہی تھی۔

"میں آپکا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتی"۔ اس نے مزید کہا۔

وہ مسکرا دیا۔ دھیرے سے۔

"اب آپ اپنی عمر سے بڑی باتیں کر رہی ہیں"۔ وہ خوشگواری سے بولا کہ ——

اب ماحول خوشگوار ہو جانا چاہیئے تھا۔

وہ مسکرا دی۔ اسکے دانت بہت خوبصورت تھے۔

آپ یہاں اکیلی بور ہوتی رہی ہوں گی ہاں"۔ وہ بہت دوستانہ انداز میں بولا۔ کہ ——

وہ بہت ہمدردی کی مستحق تھی۔ بے اندازہ دکھی تھی۔

"نہیں"۔ وہ آہستہ سے بولی۔ آنکھیں نم سی ہونے لگیں۔

"کل اس پار شہر جا کر میں آپ کیلئے میگزینز اور کتابیں وغیرہ لے آؤنگا۔ ریڈنگ میں آپ Busy رہیں گی۔ ہاں گھر میں کارڈز بھی تو تھے"۔ پھر وہ مسکرایا۔ "مگر آپ کس کیساتھ کھیلتیں۔ کل سے ہم مل کر کھیلیں گے۔ آپکا وقت اچھا کٹے گا"۔

"جی یقیناً"۔ اسکی نظریں پلیٹ پر جمی تھیں۔

"لگ رہا تھا! پر —— دکھی سا تھا۔ پتہ نہیں کیوں؟

آپ نے کھانا بالکل نہیں کھایا"۔ دلاور خان بولا۔

اس نے جھکا سر اٹھایا۔ نظریں اسکی پلیٹ پر گئیں۔ وہ بھی تو نہیں کھا رہا تھا۔

"آپ... آپ نے بھی نہیں کھایا"۔ جانے کیسے اس کے منہ سے نکل گیا۔

اور —— وہ بے اختیار ہنس دیا —— اور پھر جیسے یکدم ہی ہنسی روک لی۔ ایک گہری سانس



لی۔

"چلیں میں کھاتا ہوں آپ بھی کھائیں"۔

"جی اچھا"۔

وہ اس قدر Obediently بولی تھی۔ کہ کوئی اور موقعہ ہوتا تو وہ قہقہہ لگاتا زور سے۔

مگر اس وقت وہ بہت پژمردہ سا، بہت زخمی سا محسوس کر رہا تھا۔ کوشش کر کر کے اسکی خاطر ماحول کو خوشگوار بنانے کیلئے کبھی مسکرا دیتا کبھی ہنس دیتا۔ کہ ——

وہ اسکی مہمان تھی۔ اور میزبان اپنا فرض بخوبی جانتا تھا۔

دونوں کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔

تبھی —— باوردی بیرا اندر آیا۔

تو بیرا اتنے دن اپنے کوارٹر میں رخصت پر تھا!

اس نے دونوں کو باری باری سویٹ ڈشز پیش کیئے۔

دلآرام نے تھوڑا سا فروٹ ٹرائفل لے لیا۔

"سنا ہے آپ سوپ بھی نہیں لے رہیں"۔ وہ اپنے بول میں سے کیرامل پڈنگ کھاتے کھاتے بولا۔

"ک۔ کس نے بتایا آپکو"۔ اسکی جیسے چوری پکڑی گئی۔

وہ مسکرا دیا۔ آہستہ سے۔

"آپکے سامنے تو پڑا ہے بغیر چھوئے"۔

"اوہ"۔ اسکے چہرے پر لالی سی دوڑ گئی۔ لمبی خمیدہ پلکیں جھک گئیں۔ "یہ نہیں لیا روز تو..."

"وہی روز والی بات کر رہا ہوں۔ بابا نے بتایا ہے آپ سوپ نہیں لیتیں"۔

اور —— وہ مزید سرخ ہو گئی۔ پلکیں مزید جھک گئیں۔

وہ بہت خوبصورت تھی۔ لمبا قد، بہت سمارٹ فگر، گلابی گلابی رنگت، بیضوی چہرہ، خوبصورت نقوش، گرے اِش بلو بڑی بڑی آنکھیں، سیاہ بھوئیں سیاہ پلکیں اور کمر کو چھوتے گھنے ڈارک براؤن سٹیپس میں کٹے ہوئے بال!

حیا کی لالی حسین چہرے پر بکھری تو حسن دوبالا ہو گیا۔

وہ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ اسکا سر جھکتا تو اسکے بہت خوبصورت بال بھی اسکے چہرے پر بکھر آتے جنہیں وہ ہاتھ سے پیچھے کرتی تو لگتا پوری چادر پلٹ دی تھی۔

دونوں نے کھانا ختم کر لیا تھا۔

"آپکو رات کو ڈر تو نہیں لگتا؟" وہ اوپر، آس پاس نظریں دوڑاتے ہوئے بولا۔

واقعی یہ جگہ اتنی کم عمر اور اتنی نازک سی لڑکی کیلئے کسی الف لیلوی مکان سے کم نہیں تھا۔

"جی لگتا ہے"۔

"پھر؟ کیا کیا اتنے دن؟"

"بابا کوریڈور میں سو جایا کرتے تھے"۔

"اوہ۔۔۔ بابا واقعی بہت اچھے انسان ہیں"۔ وہ بابا کا معترف نظر آ رہا تھا۔

"اب آپ آ گئے ہیں مجھے ڈر نہیں لگے گا"۔ وہ سادگی سے بولی۔

وہ مسکرا دیا۔

کتنی معصومیت تھی اسکی باتوں میں۔ اسکے چہرے پر اسکی ہر حرکت میں!

"اب چلیں"۔ اس نے پہل کی۔

کہ دونوں کھانا ختم کر چکے تھے۔ اور اسے معلوم تھا وہ خود سے اٹھنے کی ہمت نہ کر پا رہی تھی۔

"جی"۔ وہ اٹھنے لگی۔

"میرا بیڈروم اوپر ہے۔ آپکے بیڈروم کے عین اوپر۔ آپ بے فکر ہو کر سو جائیں"۔

"بابا کو کہتی ہوں وہ اپنے کوارٹر چلے جائیں"۔ وہ جلدی سے بولی۔

اور دلاور خان نے اپنی ہنسی ہونٹوں میں ہی دبالی۔

وہ اتنی سادہ اتنی معصوم تھی۔ کہ یہ خیال کئے بغیر کہ پورے مکان میں رات بھر وہ دونوں اکیلے ہونگے۔ پہلے نہ سہی اب تو حفاظت کے خیال سے اسے بابا کو کوریڈور میں سلانا چاہیئے تھا!

بہرحال۔

"جیسے آپکی مرضی"۔ اسے اپنی فکر تو نہ تھی۔ ہاں ملازموں کا خیال ضرور تھا۔ وہ غلط نہ سوچ



لیں۔ "لیکن اگر بابا کوریڈور میں ہی رہیں تو آپ اور بھی بے خوف ہو کر سو سکیں گی"۔ اس نے بات اس طریقے سے کی کہ اسکا مان بھی مجروح نہ ہو۔

"ٹھیک ہے"۔

دونوں ساتھ ساتھ دروازے کی طرف بڑھے۔

وہ اپنے بیڈروم کی طرف جانے لگی تو وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔

"گڈ نائیٹ"۔ دلاور خان نے کہا۔

"گڈ نائیٹ"۔ وہ بھی بولی۔

اور۔۔۔ آجکی رات وہ واقعی بھرپور نیند سوئی۔

صبح اسکی آنکھ معمول سے ذرا دیر سے کھلی۔

اس نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھوئے، بالوں میں کنگھی کی، کپڑوں کی کریز ہاتھوں سے درست کی۔ کہ اسکے پاس اور کپڑے تھے ہی کہاں؟ جن کپڑوں میں ان لوگوں کو ملی تھی یہ وہی کپڑے تھے۔ اور اسکے علاوہ ایک جوڑا کپڑے بابا نے پار شہر سے سلوا کر دیئے تھے۔ ان دو جوڑوں سے وہ گزارا چلا رہی تھی۔

معاً دروازے پر دستک ہوئی۔

''یس''۔

بیرا تھا۔ اسے ناشتے پر بلانے آیا تھا۔

''آتی ہوں''۔اس نے کہا۔

اور ___ آہستہ قدم چلتے وہ ڈائننگ ہال میں آگئی۔

وہ اپنی مخصوص سیٹ پر بیٹھا تھا۔ رات کے کپڑوں پر ہاف لینتھ گاؤن لئے آج بھی کل کی طرح شاندار لگ رہا تھا۔

''گڈ مورننگ میم''۔آج وہ فریش اور خوشگوار موڈ میں لگ رہا تھا۔

''ہیلو''۔وہ دھیرے سے بولی۔

''بیٹھیں پلیز!''۔

''تھینک یو''۔وہ آہستہ سے کل والی دلاور خان کے دائیں طرف کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''رات کیسی گزری؟''اس نے نیپکن اٹھا کر اسکے آگے کپڑوں پر پھیلایا۔

''بہت اچھی''۔

''اور اب ناشتہ شروع کرو، ہاں''۔وہ اسے چھوٹی سی لگی۔ لفظ 'آپ' اس کیلئے کافی وزنی



لگنے لگا۔

وہ آہستہ آہستہ مالٹے کا فریش جوس پینے لگی۔

دلاور خان نے بھی اپنا گلاس اٹھا لیا۔

جوس پیتے ہوئے اس کی نظر گاہے گاہے دلآرام پر پڑ جاتی۔

اسے اس وقت بھی اس چھوٹی سی لڑکی پر ترس آنے لگا۔ اس نے سوچا وہ اسکے دکھ بانٹنے کی ہر ممکن کوشش کریگا۔

خالی گلاس میز پر رکھتے ہوئے اس نے خوبصورت پلیٹر میں سے سیب اٹھایا اور چھیلنے لگا۔

میز پر جوس، پھل، ابلے اور فرائیڈ انڈے، آملیٹ، سیریلز، دودھ اور دہی، سبھی کچھ رکھا تھا۔

''میں یہ سیب اور ایک ابلا انڈا کھاؤں گا اور ہاں ایک کپ چائے بھی۔ باقی سب تمہارے لئے ہے''۔اس نے مسکراہٹ روکی۔ ''اور یہ سب تم نے ختم کرنے ہیں''۔

''یہ سب''۔وہ اس قدر گھبرا گئی کہ ___

وہ مزید اپنی مسکراہٹ روک نہ سکا۔

''کھانے سے بھی ڈر لگتا ہے''۔

اور ___ وہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

جانے کیا ہوا؟

دلاور خان کا ہنستا مسکراتا چہرہ سایوں کی زد میں آگیا۔ دلنشیں آنکھیں دھندلا سی گئیں اور پرکشش ہونٹوں کی مسکراہٹ مفقود ہو گئی۔

اسے وہی رات والا دورہ پڑا تھا۔ کیوں تھا ایسا؟

دلاور خان نے نظریں اپنی پلیٹ پر جما دیں۔

''ناشتے کے بعد تیار ہو جانا۔ دریا پار چلیں گے۔ تمہارے لئے کپڑے بھی لینے ہیں اور شوز وغیرہ بھی''۔اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''جی اچھا''۔کہ وہ جانتی تھی اب وہ انہی لوگوں کے رحم و کرم پر تھی۔

''تم ___ کونسی کلاس میں پڑھتی ہو''۔وہ جیسے کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ اسکی آواز میں اس

کیلئے تشویش تھی۔

''میں نے ایف اے کا امتحان دیا تھا...'' کہتے کہتے ہی اسکی آنکھیں نم ہوگئیں۔

''تم تو بہت چھوٹی ہو''۔ دلاور خان نے جھکا سر اٹھایا۔

اسکی بھیگیں آنکھیں دیکھیں تو ہر بات بھول گیا۔

''No, Please!''۔ غیر ارادی طور اس نے اپنا ہاتھ اُسکے ہاتھ پر رکھا۔

دو موتی لڑھک کر دلآرام کے خوبصورت گالوں پر آرہے۔

''نہیں نہیں''۔ دلاور خان نے انگلیوں سے اسکے آنسو پونچھے۔ ''ہمت سے کام لو۔ اسی کو زندگی کہتے ہیں''۔

اس وقت پھر وہ بمشکل اپنے آپ پر قابو رکھ سکی۔

دلاور خان پریشان تھا۔ کہ وہ اسکے حالات کیسے معلوم کریگا؟ اسکے Where abouts کا، اسکے والدین کے متعلق۔ وہ تو صرف اشارہ دینے پر ہی رونے لگ پڑتی تھی۔

لیکن پھر ــــ اس نے سوچا۔ اسکا دکھ تھا ہی اتنا بھاری، اتنا بھیانک۔ اسکی معصوم جان تھی جواب تک برداشت کر رہی تھی۔ ایسے حالات تو بڑے بڑوں کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔

دلاور خان نے چائے کا آخری گھونٹ لیا۔ کپ میز پر رکھا۔

''میں چینج کر کے آتا ہوں۔ پھر باہر نکلتے ہیں۔ تم یقیناً اب تک باہر نہیں نکلی ہوگی۔ گیٹ سے باہر سرسوں کے خوبصورت کھیت ہیں۔ پتلی پگڈنڈیاں دور دور تک گئی ہیں۔ تمہاری طبیعت ذرا بہل جائیگی۔ اور اسکے بعد چلیں گے بوٹ میں تمہارے لئے چیزیں لینے ٹھیک''۔

''جی''۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ کتنا کچھ کر رہا تھا اس کیلئے! وہ ممنون نظر آنے لگی۔

وہ اٹھ کر اوپر اپنے بیڈروم کی طرف چلا اور ــــ

وہ جلدی جلدی ناشتہ کرنے لگی۔

اسکی کیا تیاری تھی؟ نہ دوسرے کپڑے نہ جوتے، بلکہ جو کچھ تھا وہ بھی غنیمت تھا۔

وہ اپنے بیڈروم کے دروازے میں کھڑی تھی۔



تبھی سیڑھیوں پر آہٹ ہوئی۔ دلاور خان تھا۔

اسکا ٹیسٹ بہت عمدہ تھا۔ ڈارک گرے قیمتی سوٹ کی وضع قطع سے پتہ چلتا تھا اسے اپنی مردانہ وجاہت کا بخوبی احساس تھا۔

''چلو تم''۔

اور دونوں باہر آگئے۔ ساتھ ساتھ چلتے وہ بڑے سنگلاخ گیٹ کے پاس آگئے۔

ایک ملازم نے لپک کر آتے ہوئے گیٹ کا ایک پٹ بمشکل کھولا۔

وہ دونوں باہر آنکلے۔

گیٹ کے آگے ہی وہ کچی سڑک تھی جس پر کل شام دلاور خان جیپ میں آیا تھا اور ــــ

اسکے بعد تاحد نظر سرسوں کے کھیت تھے۔ یہاں سے وہاں تک۔ سب پیلا پیلا نظر آرہا تھا۔ پتلی پگڈنڈیاں واقعی خوبصورت لگ رہی تھیں۔

وہ دونوں ایک پگڈنڈی پر ہولئے۔

دور تک چلتے گئے۔ ایک بڑا سا پتھر نظر آیا تو دونوں اس پر بیٹھ گئے۔

''ممی مجھ سے بہت بڑی تھیں مگر بہت دوستی تھی ہم دونوں میں''۔ وہ دھیرے سے بولی۔

اور ــــ گرے بلو جھیلوں میں بھونچال آگیا۔

آج جیسے مدتوں بعد باہر نکلی تھی۔ ممی کی یاد آگئی۔ بھولی ہی کب تھی وہ انہیں!

''اوہ''۔ وہ بھی افسردہ ہوگیا۔ ''تمہارے فادر کا نام کیا تھا؟'' موقعہ غنیمت تھا بات خود اس نے ہی چھیڑی تھی اس نے جلدی سے پوچھ لیا۔

''آصف خان۔ سرجن ڈاکٹر تھے''۔ اس نے دل مضبوط کر کے گھٹی گھٹی آواز میں اپنے پاپا کا نام، جاب اور جہاں وہ لوگ رہتے تھے بتا دیا۔

بنیادی طور پر وہ لوگ زمیندار تھے۔ اسکے پاپا کو پہلی شادی کے سال بھر بعد ہی ہومسپٹل میں ایک نرس پسند آگئی اور نکاح کر کے اسے گھر لے آئے۔ اسکا سلوک ممی اور دلآرام کیساتھ اچھا نہیں تھا۔ وہ انہیں اتنی بڑی کوٹھی میں برداشت نہ کرسکی تو وہ ماں بیٹی کوٹھی کے پیچھے اینکسی میں شفٹ ہوگئیں۔ وقت گزرتا رہا۔ ایک بار پاپا کو دل کا دورہ پڑا۔ اور اس دورے نے انہیں یکسر بدل کر رکھ

دیا۔اب وہ ممی اور دلآرام پر توجہ دینے لگے۔اپنی زیادتی کی تلافی کرنے لگے۔دوسری شادی پر پچھتاوا ہونے لگا۔کہتے تھے دوسری بیوی بہت بدزبان اور بدتمیز تھی۔زندگی حرام کر رکھی تھی انکی...

''چھوٹی امی یہ بھی چاہتی تھیں کہ اپنے بھائی نواز سے میری شادی کرادیں تاکہ وہ لوگ ہر چیز کے مالک بن جائیں۔مگر پاپا نے اپنی Will لکھ کر اپنے وکیل سجانی انکل کے پاس رکھوادی۔ یہ کسی کو خبر نہیں سوائے میرے اور ممی کے...

اسکی آواز گھٹ کر رہ گئی۔مزید نہ بتا سکی۔

گھٹنوں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

دلاور خان اداس سا اسے تکتا رہا۔مگر اچھا تھا وہ رو لیتی، دل کی بھڑاس نکال لیتی۔یوں گھٹ گھٹ کر رہنا اس کیلئے ٹھیک بھی نہیں تھا۔

وہ دیر تک روتی رہی۔بلک بلک کر روتی رہی۔

اور دلاور خان بے بس سا اسے تکتا رہا۔

کتنے دکھ ہیں دنیا میں۔ایک سے ایک بڑھ کر۔اس چھوٹی سی لڑکی پر تو جیسے غم کے پہاڑ آٹوٹے تھے۔اس نے سوچا۔

روتے روتے اسکی ہچکی بندھ گئی۔

اور ـــــ بے اختیار دلاور خان کا ہاتھ آگے بڑھا۔اسکے بے حساب اور بکھرے بال سنوارنے لگا۔

''بس۔بس بہت رو لیا۔اب اور نہیں رونا۔پلیز! میں واپس جاؤنگا تو تمہارا گھر تلاش کرلونگا یہ کوئی مشکل کام نہیں...''

اس نے سر اٹھایا۔سرخ متورم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''اب وہاں میرا کون ہے''۔وہ پھر سے رونے لگی۔پہلے سے بھی زیادہ۔''مجھے اینکسی میں اکیلے ڈر لگے گا۔اور پتہ نہیں چھوٹی امی اب کیا سلوک کریں اب تو میں اکیلی بھی ہوں...''

اوہ پروردگار! کن کن آزمائشوں سے گزرتے ہیں تیرے بندے!

اس نے بے اختیار اسکا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔



''ہم ہیں نا تمہارے۔تم کہیں نہیں جاؤ گی ہمارے پاس رہوگی''۔وہ انگلیوں سے اسکے آنسو پونچھنے لگا۔

''آپ سچ کہتے ہیں؟''۔جس بات کی فکر اسے دن رات کھائے جارہی تھی کیا اتنی آسانی سے حل نکل آئیگا اسکا؟

''ہاں۔میں سچ کہتا ہوں''۔

''پرومس؟''وہ اب بھی اپنی سحر انگیز آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔جیسے یقین نہیں آرہا تھا بات کا۔جیسے تصدیق چاہتی تھی اپنے تحفظ کی!

''پرومس''۔

''اوہ۔آپ بہت اچھے ہیں۔بہت اچھے لوگ ہیں۔''وہ ہچکی لیتے ہوئے اب بھی اسے دیکھ رہی تھی۔

اور ـــــ دلاور خان چونکا۔اسکی جادوئی نظریں ـــــ جال سا بن رہی تھیں!

''تم بھی تو اچھی ہو۔بہت اچھی''۔اس نے آہستہ سے اُسے اپنے سے علیحدہ کیا۔

وہ اب بھی اپنے محسن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''شوپنگ کیلیئے چلوگی''۔پتہ نہیں کیوں اسکے دیکھنے سے وہ بوکھلا سا رہا تھا۔

''میں کیسے جاسکتی ہوں۔میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں''۔خوبصورت آنکھیں پھر بھر آئیں۔

دلاور خان کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''میرے پاس ہے نا''۔

''اچھا''۔

اسکی باتوں میں کوئی بناوٹ نہیں تھی۔بے ساختگی تھی بہت۔

وہ مسکرادیا۔ہولے سے۔

''بائے داوے مس۔یہ آنکھیں تمہاری اپنی ہیں؟''آنکھوں کا گرے بلو کومبینیشن اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

اور وہ ـــــ بھیگی بھیگی آنکھیں لئے مسکرادی۔

گرے بلو جھیلوں میں سرخ ڈورے بہت واضح تھے۔

"نہیں۔ لینز ز لگائے ہیں"۔ اسکا بھی حوصلہ بڑھا۔ انگلیوں کی پوروں سے آنسو پونچھتے ہوئے مسکرادی۔

"کیا؟"

دلاور خان کا رنگ یکدم سفید پڑ گیا۔ اور آواز میں رعشہ سا آ گیا۔

"کیا ہوا آپکو؟" وہ حیرت سے بولی۔

"کچھ نہیں"۔

"یہ آنکھیں میری اپنی ہیں۔ بھلا ساری زندگی بھی کوئی لینز ز لگائے رکھ سکتا ہے"۔ وہ سمجھ گئی بات اسکی آنکھوں سے ہی متعلق تھی۔

"اوہ"۔ اس نے جیسے نجات کی سانس لی۔

پھر ــــ مسکرادیا۔ نادم سا۔

کتنی کمزوری دکھائی تھی اس نے!

"آؤ چلیں"۔ اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھاتے ہوئے وہ اپنے لہجے کو خوشگوار بناتے ہوئے بولا۔

"چلیں"۔ اس نے چپ چاپ اسکا ہاتھ تھام لیا۔

اندر آ کر وہ دونوں جیپ میں بیٹھے۔ گھر سے باہر نکل کر قدرے آگے بڑھے اور ایک موڑ کاٹتے ہوئے ساحل کی طرف روانہ ہو گئے۔

بوٹ میں وہ پہلی بار بیٹھی تھی۔ بہت اچھا لگ رہا تھا اسے۔ دلاور خان کا کیپٹن بوٹ چلا رہا تھا۔ اور وہ اوپر سے نیچے پورے بوٹ میں گھوم پھر کر ــــ ایک طرف ریلنگ کے سہارے کھڑی ہو گئی۔

"اچھا لگ رہا ہے؟" دلاور خان تھا۔ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ دیئے اسکے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

"بہت"۔ وہ مسکرادی۔

اور دلاور خان نے ایک گہری سانس لی۔ اس دکھی چھوٹی سی لڑکی کا دکھ وہ اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا۔



"چوکلیٹ کھاؤ گی"۔ جیب میں سے قیمتی برینڈ کے چوکلیٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے وہ نرمی سے بولا۔

"ہاں۔ مجھے اچھے لگتے ہیں"۔ ہاتھ بڑھا کر لیتے لیتے اسکی آنکھیں ایک بار پھر نم ہونے لگیں۔

کتنی سادگی تھی اس میں۔ معصومیت تھی۔ اور بھیگی آنکھیں...

اس نے سر جھٹکا۔ اس پر آئی افتاد اسے بھی پریشان کر رہی تھی شاید!

"آپ بھی لیں نا"۔ آدھا ریپر اتارتے ہوئے اس نے دلاور خان کو آفر کیا۔

"تم کھاؤ"۔

"لیں نا پلیز!"

اور وہ انکار نہ کر سکا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ شہر پہنچ گئے۔ یہاں تو ایک دنیا آباد تھی۔ ائیر پورٹ تھا، کلب تھا، تھیئٹر تھا، بنک، شوپنگ سنٹرز اور پر رونق آبادی!

وہ دلآرام کو ایک خوبصورت ڈیپارٹمینٹل سٹور میں لے گیا۔

"Now go ahead." جو مرضی چاہے لیتی جاؤ..."

"کیا مطلب؟" رقم وہ خرچ کرتا۔ مرضی وہ کرتی؟

اس نے گہری سانس لی۔

"مجھے پتہ تھا۔ یہ بھی مجھے ہی کرنا پڑیگا۔ آؤ"۔ اس نے اسے ہاتھ سے تھاما اور ــــ آگے بڑھنے لگا۔

پھر درجنوں کے حساب سے اس کیلئے ہر چیز خرید لی۔

خوبصورت ڈریسز، سویٹرز، جیکٹس، شوز۔ پھر ہیئر برش، میگزینز، کتابیں اور جانے کیا کیا۔

وہ منع کرتی رہی۔ اور وہ برابر خریدتا رہا۔

"اور اب آؤ۔ تھوڑی دیر سامنے کے کیبنز میں بیٹھتے ہیں۔ کوفی پئیں گے..."

دونوں شوپنگ کے بیگز اٹھائے سامنے پارک میں بنے کیبنز میں سے ایک میں جا بیٹھے۔

وہ حیران تھی اتنا بڑا آدمی جو شاید اپنے شوز کے تسمے تک خود نہ باندھتا ہوگا، جس کے آگے پیچھے اتنے

ملازم اور گارڈز پھرتے تھے۔ کیسے اس کیساتھ شوپنگ بیگز اٹھائے پھر رہا تھا۔ بہر حال —

اسے دیکھتے ہی ویٹر آ گیا۔

"گڈ مورننگ سر"۔ جیسے وہ دلاور خان کو پہلے سے اچھی طرح جانتا تھا، مؤدب طریق سے بولا۔

"مورننگ"۔

"سر کیا پیش کروں؟"

"دو کوفی"۔

"سوری"۔ وہ دھیرے سے بول پڑی۔ "میں کوفی نہیں پیتی"۔

"تو؟"

"آئس کریم"۔

"میرے لئے کوفی اور میم صاحب کیلئے آئس کریم لے آؤ"۔

"او کے سر"۔ ویٹر چل دیا۔

"کوفی کیوں نہیں پیتیں؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

دلآرام نے جھکی پلکیں اوپر اٹھائیں۔ گرے بلو آنکھوں میں ہر طرف کا سبزہ مل کر عجیب دلکشی پیدا کر رہا تھا۔

"وہ... پتہ نہیں کیوں کوفی مجھے بڑوں کی چیز لگتی ہے... میرے پاپا پیا کرتے تھے"۔

"اوہ"۔ وہ مسکرایا۔ "تم واقعی بہت چھوٹی ہو... اور اس ٹھنڈ میں آئس کریم..."

"مجھے اچھی لگتی ہے"۔

"یہ بھی بچوں کی نشانی ہے"۔

"میں بچی نہیں ہوں"۔

اسے ہنسی آ گئی۔

"بچوں سے کم بھی نہیں ہو"۔

اس نے ایک خشمگیں نظر اس پر ڈالی اور بس!

ایک جہان آباد تھا اس نظر میں۔ رنگوں کا، حسن کا، جذبوں کا!



دلاور خان نے نظریں سامنے جما دیں!

پارک میں بہت رونق تھی۔ بچے بڑے سبھی انجوائے کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر وہ یوں ہی باہر دیکھتا رہا۔ پھر دوبارہ اندر کی طرف متوجہ ہوا۔

چند پل دلآرام کے جھکے سر کو دیکھتا رہا۔

"تھوڑی بہت بچی ضرور ہو"۔ پتہ نہیں کیوں وہ پھر بولا۔ انجانے میں جیسے چھیڑ رہا تھا اسے۔

"نہیں ہوں"۔ وہ جیسے ناراض ہونے کو تھی۔

"سوری۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ وہ دیکھو تمہاری آئس کریم آ رہی ہے"۔

ویٹر دلاور خان کیلئے بلیک کوفی اور دلآرام کیلئے آئس کریم لے آیا۔

وہ کڑوی کوفی حلق سے اتارنے لگا اور۔

دلآرام مزے لے لیکر آئس کریم کھانے لگی۔

اس نے جلد ہی کوفی ختم کر کے مگ میز پر رکھا اور دلآرام کے آئس کریم ختم کرنے کا انتظار کرنے لگا۔

"اور؟" اسے آئسکریم ختم کرتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"نو۔ تھینک یو"۔

ویٹر آیا۔ اُس نے پے منٹ کر دی۔

"اب؟ گھومو گی یا گھر چلیں"۔

"آپ تھک گئے ہوں گے چلتے ہیں گھر"۔

"میں نہیں تھکا۔ یہ دن میں نے خاص طور پہ تمہارے لئے رکھا تھا"۔

"اوہ۔ سو سو نائس آف یو"۔ وہ ممنونیت سے بولی۔ "لیکن... گھر چلتے ہیں اب"۔

"چلو"۔

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ دلاور خان نے ویٹر سے سامان بوٹ میں رکھوایا۔ اور بوٹ چل پڑی۔

ساحل پر پہنچے تو جیپ اور ڈرائیور کھڑے تھے۔ دونوں بمعہ سامان کے بیٹھ گئے اور تھوڑی

ہی دیر میں گھر پہنچ گئے۔ گیٹ جب تک کھلتا اس نے ایک نظر اس مکان پر ڈالی جسے وہ ہوش وحواس میں آج پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ گھنے درخت، جھاڑیاں، بیلیں، مضبوط مگر بہت پرانا آہنی گیٹ اور اندر کی تعمیر واقعی بھوت بنگلہ!

یہاں رہنے کا، اسے خریدنے کا کیا راز ہوسکتا تھا؟ اس نے دھیرے سے کندھے اچکائے۔

اسکی سمجھ سے باہر تھا!

گیٹ کھلا تو ڈرائیور نے گاڑی کوریڈور کے آگے روک لی۔

دونوں اندر گئے۔ اور اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیئے۔

دلاور خان اپنی ضروری فائل وغیرہ کی جانچ پڑتال کرتا رہا اور دلآرام نے گرم گرم پانی سے نہا کر ابھی ابھی لائے ڈریسز میں سے سکارلٹ ریڈ ڈریس پہن لیا۔ اسکے ساتھ مونگیا رنگ کا سویٹر اور مونگیا رنگ کے ہی لیدر شوز پہنے۔ کپڑوں کیساتھ ملتا جلتا مونگیا پھولدار دوپٹہ لیا۔ بالوں میں برش کیا اور لکڑیوں کی جلتی آگ کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔

آج دنوں بعد اس نے اچھے کپڑے پہنے تھے ورنہ تو وہی کریش کے دن والے ایمرلڈ گرین کپڑے یا پھر بابا کے دیئے ہوئے جوڑے سے کام چلا رہی تھی۔

اسکا دھیان دلاور خان کی طرف گیا۔

کتنا اچھا تھا، مہربان اور ہر بات کا خیال رکھنے والا۔

'چھوٹے مالک تو لڑکی کے ذکر سے بدکتے ہیں' اسے کرمو کی بات یاد آئی۔ مگر ——

اسکے ساتھ تو وہ بہت اچھا تھا۔ پر —— ایک بات تھی۔

پہلی ملاقات میں جب وہ اس سے ڈنر پر ملی تھی۔ دلآرام کو دیکھ کر۔

کچھ دیر کو جیسے اسکی پلکیں جھپکنا بھول گئی تھیں، رنگ نچڑ سا گیا تھا، سارے کا سارا نڈھال سا ہو گیا تھا۔

کتنی دیر تک وہ چپ چاپ، خاموش اور ساکت بیٹھا رہا تھا۔

پھر صبح بریک فاسٹ پر۔

'یہ سب تم نے ختم کرنے ہیں' دلاور خان نے ڈھیر سارے ناشتے کی طرف اشارہ کیا تھا۔



'یہ سب؟' وہ گھبرا گئی تھی۔ کہ اسکے لب و لہجے میں تحکم سا بھی ہوتا تھا۔

وہ اپنی مسکراہٹ روک نہ سکا تھا۔

'کھانے سے بھی ڈر لگتا ہے'

اور —— وہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

جانے کیا ہوا تھا؟ دلاور خان کا ہنستا مسکراتا چہرہ سایوں کی زد میں آ گیا تھا، دلنشیں آنکھیں دھندلا سی گئی تھیں اور پرکشش ہونٹوں کی مسکراہٹ مفقود ہو گئی تھی۔

اسے وہی رات ڈنر والا دورہ پڑا تھا۔ کیوں تھا ایسا؟ وہ تب بھی جان نہ پائی تھی۔

اور —— آج باہر کھیتوں میں۔

'ہائے داوے مس یہ آنکھیں تمہاری اپنی ہیں؟'

'نہیں لینز لگائے ہیں' اسکا بھی حوصلہ بڑھ گیا تھا، مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

'کیا؟'

دلاور خان کا رنگ یکدم سفید پڑ گیا تھا۔ اور آواز میں رعشہ سا آ گیا تھا۔

'کیا ہوا آپکو؟' وہ حیرت سے بولی تھی۔

'کچھ نہیں' اس نے کہا تھا۔

'یہ آنکھیں میری اپنی ہیں۔ بھلا ساری زندگی بھی کوئی لینز لگائے رکھ سکتا ہے' وہ سمجھ گئی تھی بات اسکی آنکھوں سے متعلق تھی۔

'اوہ' اس نے جیسے نجات کی سانس لی تھی۔

کوئی بات تھی ضرور۔ جو اسے دیکھ کر یا اسکی آنکھوں کو دیکھ کر وہ پریشان ہو جاتا تھا۔ یا شاید ایک لڑکی کو دیکھ کر وہ بقول کرمو بدکتا تھا۔ کچھ نہ کچھ تھا ضرور!

وہ بار بار اسے چھوٹی یا دوسرے لفظوں میں معصوم سمجھتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں؟ اور اسی وجہ سے شاید بار بار اسکی باتوں پر چونک اٹھتا تھا۔

وہ آبادی سے اتنی دور —— اس جھاڑ جھنکار ویران و سنسان بھوت بنگلے میں کیوں رہتا تھا؟

اور جو اندر سے اس قدر صاف شفاف اور باہر سے جیسے جنگلی گھاس اور خودرو بیلوں نے ڈھانپ

رکھا تھا۔

وہ کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر سب بے سود۔ وہ یہ معمہ حل نہ کر سکی۔ اٹھ کر اپنے بستر میں گھسی۔ اور جو سوئی ___ تو شام کو ہی آنکھ کھلی۔

پانچ بج چکے تھے۔ شام ملگجی ہو رہی تھی۔ مٹیالے سائے اندر کمرے میں بھی پھیل چکے تھے۔

سردی بڑھ گئی تھی۔ اور دریا کی سمت ادھ کھلی کھڑکی ہوا کے یخ بستہ ریلے سے بار بار ہل کر آہٹ پیدا کر رہی تھی۔

اٹھ کر اس نے کھڑکی بند کی۔ باتھ روم گئی۔ منہ ہاتھ دھوئے، بالوں پر برش پھیرا۔

معاً دروازے پر دستک ہوئی۔

"آ جائیں"۔

اسکے عین توقع کے مطابق بابا تھے۔ چائے کی ٹرے ہاتھوں میں لئے اندر آئے۔

"بیٹا تم تو ایسے سوئیں کہ کھانا بھی نہیں کھایا۔" انہوں نے ٹرے انگیٹھی کے قریب میز پر رکھ دی۔

جلدی جلدی لیمپ روشن کیا۔

"ہاں بابا بس نیند میں پتہ ہی نہیں چلا"۔ وہ نادم سی بولی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا آرام تمہارے لئے ضروری ہے"۔

انگیٹھی میں بڑی بڑی لکڑیوں پر مٹی کا تیل چھڑک کر انہوں نے آگ جلائی۔

کمرے میں یکدم جان پڑ گئی۔

"میں کھانا لا رہا تھا مگر چھوٹے مالک بولے چائے کیساتھ کچھ لے جاؤ ورنہ پھر رات کا کھانا نہیں کھا سکیں گی"۔

وہ دلاور خان کی ممنون نظر آنے لگی۔ واقعی ہر بات میں کتنا خیال رکھتا تھا اسکا۔

وہ آگ کے پاس آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

چائے کیساتھ کیک، چیز سینڈوچز اور ہنٹر بیف تھا۔ یہ بھی تو پورا لنچ ہی تھا۔

اس نے چائے کیساتھ صرف ایک سینڈوچ لیا کہ رات ڈنر پر دلاور خان نے اسے زبردستی



کھانا بھی کھلانا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بابا آ کر برتن واپس لے جانے لگے۔

"بی بی چھوٹے مالک آپکو یاد کر رہے ہیں"۔

"کہاں ہیں؟"

"ڈرائینگ روم میں"۔

"اچھا آتی ہوں"۔

وہ ڈرائینگ روم میں آ گئی۔ دلاور خان بڑی سی انگیٹھی میں لکڑیوں کی جلتی آگ کے قریب کھڑا تھا۔

"آئیں محترمہ! اب کارڈز کی بازی ہو جائے"۔ وہ نزدیک ہی میز پر رکھے کارڈز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

اور ___ ساتھ ہی اسے دیکھتے ہی اسے وہی سکتے کا سا دورہ پڑا۔

"کیا ہوا؟"۔ وہ پاس چلی آئی۔

"کچھ نہیں"۔ اس نے سر جھٹکا۔

"بتائیں گے نہیں"۔

"تم بہت خوبصورت ہو نا۔ سر چکرا جاتا ہے"۔ اب کے وہ شرارت سے بولا۔ اور اب کے وہ دورہ اتنا لمبا بھی نہ تھا۔

اور یہ حقیقت تھی کہ ان کپڑوں میں اسکا حسن اور نکھر آیا تھا۔

بہر حال دونوں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھ گئے۔ کل سے اب تک کے اس مختصر عرصے میں وہ دونوں ایک دوسرے کے بے تکلف دوست بن گئے تھے۔

انہوں نے رمی کھیلنا شروع کی۔ ہر تھوڑی دیر بعد دلاور خان اسکے پتوں کو جھانک جاتا۔ اور تو اور ایک بار تو باقاعدہ اسکے ہاتھوں سے پتے پلٹا کر اچھی طرح دیکھنے کے بعد اسکا ہاتھ سیدھا کر دیا۔

"میں نہیں کھیلوں گی۔ آپ چیٹنگ کرتے ہیں"۔

اسکا زوردار قہقہہ گونجا۔

''کب چیٹنگ کی ہے میں نے''۔اس نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

اس کے غور سے دیکھنے پر وہ شرما سی جاتی تھی۔اسکا یہ انداز اسے اچھا لگا۔پتہ نہیں کیوں؟

وہ چپ چاپ پلکیں جھپکانے لگی۔

''ہوں ـــ بتاؤ نا کب چیٹنگ کی ہے میں نے''۔

''چوری اوپر سے سینہ زوری''۔وہ بڑبڑائی۔

خفا خفا نظروں سے اسے دیکھا۔پھولا پھولا چہرہ لئے۔

''اچھا چلو اب چیٹنگ نہیں ہوگی''۔

وہ پھر سے کھیلنے لگی۔مگر حال اب بھی وہی تھا،بار بار اسکے پتے جھانک جاتا،چوری سے بھی سینہ زوری سے بھی۔

''اب کیا کر رہے ہیں''۔

''کچھ نہیں''۔وہ صاف مکر گیا۔

''میں نہیں کھیلتی''۔

''کھیلو گی''۔

''نہیں کھیلوں گی''۔

''کھیلو گی''۔

''واہ۔چوری اوپر سے سینہ زوری''۔اس نے پھر وہی بات دہرائی۔

''کب چوری کی میں نے''۔

نہ چاہتے ہوئے بھی ـــ اسکی دلنشیں آنکھوں میں شوخی اتر آئی،پرکشش لبوں پر شریر مسکراہٹ!

''چوری نہیں تو کیا ہے''۔

''مثلاً؟''ایک بار پھر وہ بغور اسکی آنکھوں میں جھانکا۔

اور ـــ اسکی سیاہ خمیدہ پلکیں جھک گئیں۔خوبصورت چہرے پر لالی سی بکھر گئی۔

اسکی بات میں سادگی نہ تھی۔اس میں معنی تھا۔جو وہ سہار نہ سکی۔

اور ـــ وہ محظوظ ہوئے بنا نہ رہ سکا۔



''ہوں بولو نا''۔اس نے اصرار کیا۔

''وہ...چیٹنگ اور چوری ایک ہی بات ہے نا''۔وہ بمشکل بولی۔

''ایک بات تو نہیں ہے پر خیر ـــ چلو کھیلیں''۔اس نے اسے زیادہ تنگ کرنا مناسب نہ سمجھا۔

''میں نہیں کھیلوں گی''۔لہجہ اب بھی روٹھا روٹھا سا تھا،نظریں جھکی جھکی۔

''اب چیٹنگ نہیں کرونگا پرومس''۔

''پرومس؟''

''پرومس''۔

پھر گیم شروع ہوئی۔

مگر دلاور خان کب باز آرہا تھا۔وہی اسکے پتوں پر نظریں دوڑاتا اور اس حساب سے اپنے پتے برابر کرتا۔

''پھر وہی''۔

''پھر کیا؟''وہ انجان بن گیا۔

''آپ چیٹنگ کر رہے ہیں''۔

''نہیں ـــ میں چوری کر رہا ہوں''۔

''نہیں''۔وہ خوبصورتی سے ہنس دی۔''آپ چیٹنگ کر رہے ہیں''۔

''نہیں''۔وہ دلآویزی سے ہنسا۔''میں چوری کر رہا ہوں''۔

''پتوں کی چیٹنگ ہو سکتی ہے چوری نہیں''۔

''میں نے کب کہا میں پتے چوری کر رہا ہوں''۔

''پھر؟''

''پھر...''اس نے خوبصورتی سے کندھے اچکائے۔بولا کچھ نہیں۔

اور ـــ اسکی باتوں کی ہیر پھیر سے مزید بچنے کیلئے دلآرام نے نظریں کارڈز پر جما دیں۔

دلاور خان دھیرے سے مسکرا دیا۔چھوٹی سی یہ لڑکی ابھی بہت سی باتوں سے انجان تھی!

رات ڈنر پر بھی یہی حال رہا۔ بات بات پر وہ اسے چھیڑ رہا تھا، تنگ کر رہا تھا۔

اپنے تئیں اسکا دھیان بٹانے کو! اس کے درد بانٹنے کو!

''یہ روسٹ پیس تم نے ختم کرنا ہے''۔ اس نے اس کی پلیٹ میں روسٹ کا ایک پیس رکھا۔

''کیسے ختم کرونگی''۔ وہ پھر پریشان ہوگئی۔

''روؤ نہیں بس...''

''میں کب رو رہی ہوں''۔

''دکھاؤ آنکھیں''۔

اور ـــ اس نے جھکی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

اس کی روٹھی روٹھی آنکھوں میں بلا کی اٹریکشن تھی۔

دلاور خان نے نظریں اپنی پلیٹ پر جما دیں۔

''ٹھیک ہیں نہیں رو رہیں''۔ وہ آہستہ سے بولا۔

اور دلآرام گلاس میں اٹھا کر پیپسی کا گھونٹ لینے لگی۔

''تمہارے ہاتھ بھی خوبصورت ہیں''۔ وہ پھر شروع ہوگیا۔

''تھینک یو''۔ وہ بھی اسی لہجے میں بولی۔

''بولتی بھی خوبصورت ہو''۔

''تھینکس اگین''۔

''تمہاری ادائیں بھی خوبصورت ہیں''۔

اور ـــ وہ بے اختیار ہنس دی۔

''اوہ مائے گوڈ! تمہارے دانت ـــ واقعی بہت خوبصورت ہیں''۔

''بس کریں نا''۔

''تم بھی میری تعریف کرو اس میں کیا ہے''۔

''آپ بہت اچھے ہیں''۔

''وہ تو میں ہوں''۔



''بہت اچھی باتیں کرتے ہیں''۔

''سو تو ہے''۔

''بہت تنگ بھی کرتے ہیں''۔

''شاید''۔

''مت تنگ کریں''۔

''اچھا''۔ وہ فوراً مصالحت پر اتر آیا۔

تھوڑی دیر دونوں طرف خاموشی سی چھائی رہی۔ دلاور خان کچھ سوچ رہا تھا جیسے۔

''سنو''۔ وہ دھیرے سے گویا ہوا۔

''جی''۔

''میں کل جا رہا ہوں''۔

یہ فیصلہ اس نے ابھی ابھی ان چند لمحوں میں کیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں؟

''کیا؟''۔ اس کا رنگ بدل سا گیا۔ جیسے اس کے اس اچانک فیصلے کیلئے تیار نہیں تھی۔

''کام ہوتے ہیں نا وہاں''۔

''واپس کب آئینگے''۔ اسکا لہجہ بھی بیٹھ سا گیا تھا۔

''یہ تو کام پر منحصر ہے۔ وہیں جا کر معلوم ہوگا''۔

وہ چپ ہوگئی۔ چند لمحے پہلے کی ساری چہکار جاتی رہی۔

پلکیں اوپر اٹھائیں۔ گہری جھیلیں دھواں دھواں ہو رہی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' جانے کیوں اس کے لہجے میں تجسس سا تھا۔

''کل مت جائیں''۔ اسکی آواز رندھی سی تھی۔ ساتھ ہی وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

دلاور خان نے اسے ہاتھ سے پکڑ لیا۔

''بیٹھو''۔ اس کے لہجے میں تحکم سا تھا۔

وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔

''کھانا پورا کرو''۔

"آپ کل مت جائیں"۔اس نے پھر کہا۔

"کام بھی تو ہیں نا وہاں"۔وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولا۔

"پھر بھی مت جائیں"۔

"کیوں؟" اب پھر وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"میں...اکیلی ہو جاؤں گی پھر سے"۔

"بس اکیلے ہونے کا خوف ہے؟"

"نہیں"۔وہ اپنی الجھن خود نہ سمجھ پا رہی تھی۔

"تو پھر؟"

"پتہ نہیں"۔

"پہلے بتاؤ"۔اسے تنگ کرنے میں اسے مزا آ رہا تھا۔

"بس آپ مت جائیں"۔اسکا دل نہیں کر رہا تھا کہ وہ جائے اور ——

دل کی بات اسے کیسے سمجھائے؟ یہ بات اس نے خود ابھی نہیں سمجھی تھی اسے کیا سمجھاتی!

دلاور خان دھیرے سے مسکرا دیا۔

"اچھا کل نہ جاؤں یا بالکل نہ جاؤں ہاں؟"

"مجھے نہیں پتہ"۔وہ اٹھ کر چلنے لگی۔

"کھانا تو ختم کرو"۔اس نے کہا۔

مگر وہ مڑ کر دیکھے بغیر ہی کمرے سے نکل گئی۔

دلاور خان آہستہ سے مسکرا دیا۔

وہ بھولی تھی، دل کے جذبوں سے انجان تھی لیکن ___ وہ اتنا نا سمجھ نہیں تھا۔اس کے پلکوں کی ہر جنبش سے وہ اس کے دل کی بات سمجھ رہا تھا!

کچھ سوچتے سوچتے وہ کھانا کھانے لگا۔

رات کے بارہ بج رہے تھے۔آگ کے قریب صوفے پر بیٹھی کتاب کے اوراق بے خیالی



میں پلٹاتی جانے کن سوچوں میں گم تھی وہ۔

معاً دروازے پر دستک ہوئی۔

"آ جائیں"۔

دروازہ تھوڑا سا کھلا۔رات کے کپڑوں پر ہاف لینتھ گرم گاؤن پہنے جیبوں میں ہاتھ دیئے دلاور خان کھڑا تھا۔

"میں کل نہیں جا رہا"۔وہیں کھڑے کھڑے اس نے سامنے بیٹھی دلآرام کو مطلع کیا۔

وہ اچانک کھل اٹھی۔

"Many many thanks Sir!"

"And now Good Night."

"گڈ نائیٹ"۔

اور دلاور خان دروازہ بند کرتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

گاؤن اتار کر صوفے کے بازو پر ڈالتے ہوئے وہ بستر میں گھس گیا۔

بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھی کتاب اٹھائی۔اوراق پلٹنے لگا۔

'میں کل جا رہا ہوں'۔ڈنر ٹیبل پر اس نے دلآرام سے کہا تھا۔

'کیوں؟' اس کا رنگ تک پلیچ ہو گیا تھا۔

وہ پہلے ہی سمجھ رہا تھا معصوم سی دلآرام نے اس میں دلچسپی لینا شروع کی تھی۔

پر ___ خود اس نے بھی تو وہیں ڈنر پر ہی اچانک ہی یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

بلا معمول کے مطابق اسے کچھ دن یہاں رہنا چاہیئے تھا۔

اس نے بھی تو ___ یہاں سے چلے جانے میں ہی بہتری سمجھی تھی۔

وہ بھی جیسے ___ بلکہ ایک مرد ہونے کے ناطے اسے تو Boldly ایڈمٹ کرنا چاہیئے تھا

ا۔

اسکی بہت بے ساختگی، بے حد معصومیت اور بے پناہ خوبصورت آنکھوں نے اسے ڈسٹرب

کر رکھا تھا اور ___

وہ یہاں سے راہ فرار بھی اسلئے اختیار کر رہا تھا کہ وہ صاف محسوس کر رہا تھا وہ مزید یہاں رہا تو...

اس نے گہری سانس لی۔ کتاب بند کرتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔ لیمپ آف کیا۔ اور بستر پہ لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔



دلاور خان کو گئے کافی دن ہو گئے تھے۔ بھولی بھالی دلآرام بیقرار سی تھی، بے کل سی۔

اس نے بہت سوچا۔ اپنی بے چینی کا تجزیہ کیا۔ پہلے اسکا خیال تھا کہ اس پر اتنا بڑا صدمہ آپڑا تھا یہ اسکا اثر تھا کہ وہ دلاور خان کے چلے جانے کے بعد اداس اداس محسوس کر رہی تھی۔ پھر سوچا چونکہ اس ویرانے میں کوئی ہمدرد ملا تھا، لق ودق جگہ میں اسکے آجانے سے رونق ہوگئی تھی اسکے چلے جانے سے یہ سب جاتا رہا تھا یہ شاید اسکا ردعمل تھا کہ وہ اپنے آپکو بہت اکیلا، بے چین و بے قرار محسوس کر رہی تھی۔

مگر آج ___ دھیرے دھیرے خود بخود اس کے قدم سیڑھیوں کی طرف بڑھے اور پھر اس کے بیڈروم میں۔

اسکی پہلی نظر کارنس پر لگی اسکی تصویر پر پڑی۔ وہ اس طرف کھنچی چلی گئی۔

بغور اسکی تصویر دیکھنے لگی۔ پرکشش نقوش، دلنشیں آنکھیں اور لبوں پر گھائل کر دینے والی مسکراہٹ!

اپنی زندگی کے ان مختصر سالوں میں اسے پہلی بار احساس ہوا تھا۔

وہ اسے پیارا لگتا تھا، اپنا لگتا تھا!

اور پھر اسے اپنی بے چینی اور بے قراری کا جواب مل گیا۔

مگر ساتھ ہی۔ اسکا دل دھک دھک کرنے لگا۔

یہ سب کیا تھا؟ اور کیا ہوگا؟

اگر اسے کوئی اور لڑکی پسند ہو تو؟ اگر اسکی منگنی وغیرہ ہوئی ہو تو؟ اور اگر یہ وجوہات نہ بھی ہوں اور وہ پھر بھی اسے بدلے میں پیار نہ دے سکتا ہو تو؟

ضروری تو نہیں کہ وہ اسے چاہنے لگی تھی تو وہ بھی اسے پیار کرنے لگا تھا۔

اسی کشمکش میں وہ دھیرے دھیرے چلتی کھڑکی کے پاس آگئی۔ چٹانوں میں ہی اگا ایک قدآور درخت اسکی کھڑکی پر سے اونچا لگتا جیسے آسمان کو چھو رہا تھا۔ اس نے سامنے دیکھا۔ دریا کی سطح کہر میں ڈوبی لگ رہی تھی۔

اسے سخت سردی کا احساس ہوا۔ جھرجھری سی آگئی۔

وہ کھڑکی سے ہٹ آئی۔ ایک نظر اور دلاور خان کی تصویر کو دیکھا۔ وہ اسے اپنے بہت نزدیک لگا، بہت قریب!

سوچوں میں ڈوبی وہ سیڑھیاں اترنے لگی۔

"آؤ بیٹی ناشتہ کرلو"۔ بابا تھے۔ ہاتھوں میں ناشتے کی ٹرے تھامے اسکے کمرے میں جا رہے تھے۔

دلاور خان کے جانے کے بعد وہ پھر سے اپنے کمرے میں کھانا کھانے لگی تھی۔

وہ آگ کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔

اورنج جوس اٹھالیا۔

بابا ابھی وہیں کھڑے تھے۔

"بیٹی خوب کھایا پیا کرو۔ چھوٹے مالک جاتے وقت تاکید کر گئے تھے"۔

"بیٹھیں نا بابا"۔

وہ پاس ہی قالین پر بیٹھ گئے۔

"ناشتہ پورا کرو اچھا"۔

"جی بابا"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف بتایا کرو۔ ویرانہ ہے پر ہر چیز موجود ہے اللہ کا فضل ہے"۔

ویرانے کیساتھ ہی دلآرام کو خیال آیا۔

"بابا۔ آپ کب سے یہاں ہیں؟" ٹوسٹ پر شہد لگاتے لگاتے اس نے پوچھ لیا۔

"کوئی ایک سال ہوگیا چھوٹے مالک کیساتھ آیا ہوں۔ ویسے ہم پشتوں سے مالکوں کے



نمک خوار ہیں"۔

"یہ گھر کب خریدا آپ لوگوں نے؟" اس گھر کے متعلق تو وہ اکثر سوچتی رہتی تھی۔

"بابا خریدا نہیں بنوایا تھا۔ کسی زمانے میں بزرگوں کا یہاں سے گزر ہوا تھا۔ جگہ پسند آگئی۔ بس اس گھر بنوا لیا۔ یہ چھوٹے مالک کے دادا کو ورثے میں ملا تھا۔ پھر بڑے صاحب کو اور یوں چھوٹے مالک کو۔ بڑے صاحب کو یہ جگہ بہت پسند ہے۔ کہتے ہیں اس ویرانے میں سکون ہے۔ مگر چھوٹے مالک کو ان سے بھی بڑھ کر عزیز ہے یہ جگہ...."

وہ دلچسپی سے سن رہی تھی۔

پھر بابا نے خود ہی سب بتانا شروع کیا۔ وہ لوگ کون تھے؟ کہاں کے رہنے والے تھے؟ کیا کرتے تھے وغیرہ۔

تو — بنیادی طور پر جاگیردار تھے یہ لوگ۔ انڈسٹریلسٹ تھے۔ دلاور خان کی آن بان سے بھی لگتا تھا۔ بہرحال —

"بابا۔ اس دن کرمو کہہ رہا تھا دلاور صاحب لڑکی کے ذکر سے بدکتے ہیں...." پتہ نہیں کیسے دنوں سے ذہن میں کھلبلی مچائے یہ بات اسکی زبان پر بھی آگئی۔

"ہاں بیٹی۔ بہت بری ہوئی ان کیساتھ۔ اپنے چھوٹے مالک ابھی پچھلے سال ہی ولایت سے لوٹے ہیں۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنسی پڑھ کر آئے ہیں۔ وہاں اس دوران ان کی ملاقات ایک پاکستانی ماں بیٹی سے ہوئی۔ بس اسکے بعد نازیہ کی ماں کبھی چھوٹے مالک کو ڈنر پر بلاتیں کبھی پکنک پر۔ ملک سے دور مالک اپنے ہموطنوں کی اتنی محبت دیکھ کر خوش تھے۔ جلد ہی نازیہ نے محبت کا اظہار کیا۔ چھوٹے مالک بھی اسکی محبت میں ڈوبتے چلے گئے۔

چھوٹے مالک کے دوست شاہد صاحب بھی وہیں ان کیساتھ پڑھتے تھے۔ یہ سب بعد میں انہوں نے ہی بڑے صاحب کو بتایا۔ کہتے تھے نازیہ وہیں پلی بڑھی تھی۔ ننگے کپڑے، سگریٹ، شراب سب کچھ کرتی تھی۔ چھوٹے مالک سے پہلے جن لڑکوں سے جان پہچان تھی ان سے اب بھی ملتی رہتی تھی۔ چھوٹے مالک اسے یہ سب چھوڑ دینے کو کہتے تھے مگر وہ نہیں مانتی تھی۔ شاہد صاحب نے چھوٹے مالک کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ لڑکی ان کے ٹائپ کی نہیں تھی۔ مگر چھوٹے مالک پر

پتہ نہیں کیا جادو کیا تھا اس نے کہ ان ساری خامیوں کے باوجود اسے چھوڑنے پر قادر نہ تھے۔

اسی اثناء ایک دن چھوٹے مالک کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ کمر پر چوٹ آئی تھی۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ شاید خدانخواستہ ٹانگیں بیکار ہو جائیں گی۔ نازیہ انہیں دیکھنے گئی۔ لیکن ٹانگوں کے بارے میں معلوم ہوا تو واپس مڑ کر ہی نہیں پوچھا۔ ماں باپ تک بھی دوبارہ نہیں گئے۔ چھوٹے مالک کو نازیہ کیلئے بے تاب دیکھ کر شاہد صاحب نے نازیہ کو ان سے ملنے ہسپتال جانے کو کہا۔ تو اس نے صاف کہہ دیا۔ کہ زندگی بہت خوبصورت ہے اور وہ اسے ایک اپاہج کیلئے قربان نہیں کر سکتی۔ اسکا بوائے فرینڈ اب بھی اسکا منتظر ہے۔ اور وہ جلد ہی اس کیساتھ الگ فلیٹ میں جانے والی ہے۔

شاہد صاحب چھوٹے مالک کے سامنے ادھر ادھر کے بہانے بناتے رہے۔ مگر حقیقت بتانے کی ہمت نہیں پار ہے تھے اپنے میں۔ پھر اللہ کا کرم ہوا۔ چھوٹے مالک صحت یاب ہو کر ہسپتال سے اپنے فلیٹ پر آ گئے۔ نازیہ کے گھر گئے۔ اس کی ماں چھوٹے مالک کے مزاج سے واقف تھی۔ ڈرتے ڈرتے بتایا کہ وہ الگ فلیٹ میں چلی گئی ہے۔ مگر وہ فکر نہ کریں وہ جلد ہی اسے منا کر واپس لے آئے گی۔ اس پر چھوٹے مالک نے کہا کہ اگر نازیہ آئی تو وہ اس کی ٹانگیں توڑ دیں گے۔

اس کے باوجود نازیہ ایکبار پھر چھوٹے مالک کے پاس گئی۔ بہت معافیاں مانگیں۔ اسکی ماں بیچ میں پڑ گئی صلح صفائی کرانے۔ وہ کسی طور چھوٹے مالک کو ہاتھ سے نکالنا نہیں چاہتی تھیں۔ لیکن چھوٹے مالک سخت بددل ہو چکے تھے۔ ان کی ایک نہ چلنے دی۔ قطع تعلق کر لیا۔

پڑھائی ختم ہوئی تو واپس آ گئے۔ یہاں آ کر بھی اس سانحے کا اثر برقرار رہا۔ لڑکی ذات سے اعتبار ہی اٹھ گیا چھوٹے مالک کا۔ بدکتے ہیں لڑکی کے ذکر سے آج بھی!

بیگم صاحب حیات نہیں ہیں۔ بڑے صاحب کی بہت خواہش تھی کہ آتے ہی ان کی شادی کسی اچھی سی لڑکی سے کرا دیں مگر ___ کس میں ہمت ہے کہ ان کے سامنے لڑکی کا نام لے...''

بابا نے ٹھنڈی سانس لی۔ چند لمحے خاموش رہے۔

''اب تو جب سے ولایت سے آئے ہیں۔ زیادہ تر یہیں رہتے ہیں۔ کہتے ہیں شہر کے ہنگاموں میں دل گھبراتا ہے۔ ویرانوں میں بسنے لگے ہیں میرے سرکار۔ یہ جنگلی جھاڑیاں اور بیلیں دیکھتی ہو باہر! کہتے ہیں' انہیں ہاتھ مت لگاؤ اگنے دو۔ اچھے لگتے ہیں مجھے ویرانے'۔



اب تو جلدی چلے گئے۔ میرا خیال ہے صرف تمہیں دیکھنے آئے تھے۔ کوئی کام ہو گا ضروری جو چلے گئے ورنہ اتنی جلدی نہیں جاتے۔ ایک چکر میں بیس پچیس دن تو رہتے ہیں۔ بڑے صاحب چاہتے ہیں کہ صاحب ان کیساتھ کاروبار سنبھالیں۔ مگر زیادہ زور نہیں دیتے۔ سمجھتے ہیں چوٹ کھائے ہوئے ہیں۔ وقت لگے گا سنبھلتے سنبھلتے۔ ایک بندہ مخلص ہو اور دوسرا آگے سے دھوکہ دے تو بہت چوٹ لگتی ہے دل پر...''

دلآرام نے ناشتہ کر لیا تھا۔ بابا خالی برتن لیکر چلے گئے۔

کچھ دیر وہ یوں ہی کھڑکی سے اس پار شہر کی دھندلی دھندلی بلڈنگز کو تکتی رہی۔ پھر ___ کل کا ادھورا چھوڑا ناول اٹھا کر بستر میں گھس گئی۔ مزے سے پڑھنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

بابا تھے۔ کرسٹل کی خوبصورت ٹرے میں ڈرائے فروٹ لئے اندر آ گئے۔

''بٹی یہ کھاتی جاؤ اور پڑھتی جاؤ''۔ انہوں نے ٹرے اسکے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

''شکریہ بابا''۔ کتنا خیال ہوتا تھا انہیں اسکا!

''بٹی چھوٹے مالک کا پیغام ملا ہے۔ شام کی فلائیٹ سے پہنچ رہے ہیں...'' انہوں نے اسے یوں بتایا جیسے وہ بھی اس گھر کی ایک فرد تھی۔

''اچھا''۔ وہ اپنی بے پناہ خوشی چھپاتے ہوئے بولی۔

''جیپ جائیگی شام کو لینے''۔ انہوں نے مزید بتایا اور ___

کمرے سے باہر نکل گئے۔

اب اس سے ناول نہیں پڑھا جا رہا تھا۔ یوں ہی صفحے پلٹ رہی تھی۔ وہ حیران تھی یہ کیا کیفیت تھی؟ کوئی انسان اچھا کیسے لگنے لگتا ہے؟ اور پھر اتنا کہ... شاید اسی کو محبت کہتے ہیں!

کتاب بند کر کے اس نے آنکھیں موند لیں۔

کیا وہ بھی اسے پسند کرتا ہوگا؟ کیا اسے بتانا پڑیگا یا وہ خود سمجھ جائیگا؟ خود اسے کیسے کہے گی کہ وہ اسے پسند کرتی ہے۔

نہیں ___ اس نے خود ہی اپنی بات کی تردید کی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ خود اسے

بتاتی۔مگر ۔۔۔

وہ خود کیوں نہیں سمجھ جاتا! وہ الجھی سی گئی۔

اسی ادھیڑ بن میں دوپہر ہوگئی۔ اس نے کھانا کھایا اور سونے کیلئے بستر میں گھس گئی۔ گو بہت بے قراری تھی، بے چینی تھی، بے کلی تھی ۔۔۔ پھر بھی جانے کیسے نیند آ ہی گئی۔

اٹھی تو پانچ بج چکے تھے۔

باہر شام کے مٹیالے سائے پھیل رہے تھے۔ کھڑکی سے باہر دور دریا پار شہر کی بتیاں جھلمل جھلمل کرنے لگی تھیں۔ کوریڈور میں مٹی کے تیل کے فانوس روشن ہو گئے تھے۔

وہ بستر سے اٹھ آئی۔ نہائی۔ اوشن گرین پر گولڈ قمیض دوپٹے والا ڈریس پہنا۔ اسی سے میچ کرتا سویٹر اور شوز پہنے۔ بالوں پر برش کیا۔ اپنی پسندیدہ پرفیوم سپرے کی اور غیر ارادی طور پر دلاور خان کا انتظار کرنے لگی۔

آج تو جانے کیا بات تھی اسکا سامنا کرنے کا سوچتے ہوئے اسے کچھ شرم سی بھی آ رہی تھی۔ کچھ گھبرائی سی بھی تھی۔ کیسے کریگی اسکا سامنا؟

جیپ اسے لینے ائیرپورٹ جانے لگی تو اسکا دل یکبارگی دھڑکا۔

پھر ۔۔۔ وہ پہنچ گیا۔ اس کی جیپ کی لائٹس اندر پڑیں۔ گیٹ کھلا۔

تو اسکا دھک دھک کرتا دل جیسے پنجرہ توڑ کر باہر آنے لگا تھا۔ کھڑکی سے ہٹ کر وہ آگ کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔

تبھی ۔۔۔ کوریڈور میں اسکے بھاری قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

اسکے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

وہ سیدھا اوپر اپنے کمرے میں گیا۔ اسے قدرے چین آیا۔

اوہ ۔۔۔ وہ کتنی گھبرائی ہوئی تھی!

کافی دیر بعد دوبارہ سیڑھیاں اترتے اسکے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ پھر سے بوکھلانے لگی۔

''بابا میرے لئے کوفی اور میم صاحب کیلئے چوکلیٹ بنا کر ان ہی کے کمرے میں لے آئیں''۔



اب کیا ہوگا وہ تو ادھر ہی آ رہا تھا!

وہ صوفے میں سمٹ کر بیٹھ گئی۔ نظریں آگ پر جما دیں۔

''ٹھک ٹھک ٹھک''۔ دروازے پر دستک ہوئی۔

''یس''۔ وہ آہستہ سے بولی۔

اور ۔۔۔ وہ اندر تھا اب۔

سیدھا اسکے پاس چلا آیا۔

دلآرام نے جھٹ چہرہ گھٹنوں پر رکھ دیا۔ وہ کسی طور بھی اسکا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ اسکی اس حرکت کو چاہے کوئی بھی نام دیا جاتا ۔۔۔ بدتمیزی، لیک آف کرٹسی، کچھ بھی!

''گڈ ایوننگ میم''۔ وہ اسکے پاس کھڑا اسکے جھکے سر کو دیکھ رہا تھا۔

اور ۔۔۔ کوئی اور سمجھتا نہ سمجھتا دلاور خان بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ اسلئے ۔۔۔ کہ وہ اتنی معصوم تھی کہ اس سے یہی توقع کی جا سکتی تھی۔

وہ اسکے سامنے قالین پر دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔

''چہرہ تو اوپر اٹھاؤ۔ میں اتنی دور سے آیا ہوں اور تم دیکھنا بھی پسند نہیں کرتیں''۔

یہ اچھا نسخہ تھا۔ جھٹ اس نے چہرہ اوپر اٹھا لیا۔

وہ تو ساری کی ساری سرخ بیر بہوٹی بنی ہوئی تھی۔

''میری طرف دیکھو''۔

اس نے خوبصورت آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

چند پل وہ بغور اسکی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

دلاور خان کی آنکھوں میں کہانیاں تھیں، داستانیں تھیں!

پلکوں کیساتھ ساتھ اسکا سر بھی جھک گیا۔

''اے۔ میرا حال نہیں پوچھوگی''۔

''نہیں''۔ اس نے سر نفی میں ہلایا۔

''پوچھ لو''۔

"نہیں"۔

"پوچھونا"۔

اور—— دلآرام خود کو سنبھالنے لگی۔ اسکا حال پوچھنا چاہیے تھا۔

"کیا حال ہے آپکا؟" وہ بمشکل بولی۔

"حال——" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مقابل کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"میرا حال ٹھیک نہیں ہے"۔ وہ بہت سنجیدگی سے بولا۔

"جی؟" وہ کچھ سمجھی نہیں۔

"پتہ نہیں کیوں۔ کچھ بیقرار سا رہتا ہوں۔ بے چین سا..."

وہ اب بھی نظریں اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بائے داوے۔ تم نے مجھے یاد کیا تھا؟" اسکی سیاہ جھالریں پلکیں یکبارگی جھک گئیں۔

یہ کیسا سوال کیا تھا اس نے؟

وہ خاموش رہی۔ کہتی بھی کیا؟

"ہوں۔ بتاؤنا"۔ وہ اس کے جھکے سر کو اپنائیت سے دیکھ رہا تھا۔

وہ اب بھی چپ تھی۔

"ویسے میں نے تمہیں بہت Miss کیا تھا۔" وہ دھیرے سے بولا۔

اسکی نظریں اوپر اٹھیں۔ چپ چاپ اسے دیکھنے لگی۔

"یاد کیا تھا مجھے؟" اس نے پھر پوچھ لیا۔

اور—— پتہ نہیں کیسے؟ دلآرام نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"کتنا یاد کیا تھا؟"

"مجھے نہیں پتہ"۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"پتہ ہے میں نے کتنا یاد کیا تھا؟"

وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ خوبصورت آنکھوں میں سوال ضرور تھا!

"اتنا —— کہ سنبھال نہیں سکوگی"۔



صبح سے جو وہ سوچ رہی تھی۔ کیا وہ بھی اسے پسند کرتا ہوگا؟

دلاور خان نے اسکی مشکل چند لفظوں میں حل کر دی تھی۔

دلآرام نے دیکھا، نہانے کے بعد وہ نکھرا نکھرا اور فریش لگ رہا تھا۔ چہرے پر خوشی اور طمانیت کی دمک تھی اور—— اسکے مخصوص پرفیوم کی مدھرا روما کمرے میں مہک رہی تھی!

معاً دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس"۔ دلاور خان بولا۔

اور—— دونوں ہاتھوں میں ٹرے تھامے بابا اندر آگئے۔

میز پر دلآرام کے آگے چوکلیٹ اور دلاور خان کے آگے کوفی رکھ دی۔

اور خالی ٹرے لئے واپس چلدیئے۔

کوفی اور چوکلیٹ کیساتھ چکن سینڈوچز اور چیز کیک تھا۔

دونوں نے ایک ایک سینڈوچ لیا۔ اور اپنا اپنا مگ اٹھالیا۔

"میں تمہارے گھر گیا تھا"۔ وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

وہ کچھ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"اندر نہیں گیا تھا۔ تم نے بتایا تھا نا تمہاری سٹیپ مدر اور ماموں ہوتے ہیں وہاں۔ سو یوں ہی وہاں سے گزرا۔ خوش قسمتی سے اسی وقت ایک ادھیڑ عمر عورت تمہارے گھر کے گیٹ سے باہر نکلتی دکھائی دی۔ تم نے ایکبار کہا تھا نا تمہاری ماما شفقت بہت موٹی ہیں، پچاس پچپن کی عمر ہے۔ مجھے لگا وہی تھیں۔

وہ کچھ آگے گئیں تو میں پیچھے ہولیا۔ مجھے ان سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ تمہیں ختم سمجھ کر تمہاری سٹیپ مدر اور ماموں کا ردعمل وغیرہ۔ ایک جگہ گاڑی ان کے قریب آہستہ کرتے ہوئے میں نے کہا 'ماما'۔ وہ فوراً رخ موڑ کر مجھے دیکھنے لگیں۔

'ماما۔ میں انکل آصف خان کے دوست دلدار خان کا بیٹا ہوں'۔ میں نے احتیاطاً کہا۔

وہ بہت خوش ہوئیں۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔

'ماما آپ میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھیں۔ مجھے آپ سے انکل اور ان کے خاندان کے

بارے میں کچھ باتیں کرنی ہیں'۔

وہ فوراً بیٹھ گئیں"۔

دلاور خان نے خالی مگ میز پر رکھا۔ جیب سے سگریٹ نکالا۔

"May I smoke Ma'am?" لائیٹر سے سلگانے سے پہلے اس نے دلآرام سے اجازت ضروری سمجھی۔

"جی"۔ وہ آہستہ سے بولی۔ گو وہ کبھی بھی سگریٹ کے Favour میں نہیں تھی۔

"Thank you." اس نے سگریٹ سلگایا۔

"تمہیں سگریٹ اچھا لگتا ہے"۔ کچھ سوچتے سوچتے اس نے پوچھا۔

"نہیں"۔

"پھر؟ تم نے کیوں مجھے اجازت دی"۔ اس نے فوراً سگریٹ اپنے کوفی کے مگ میں بجھا دیا۔

"آپکو اچھا لگتا ہے نا"۔

"تم منع کر دیتیں مجھے"۔

"میں... میں کیسے منع کرتی"۔

کتنی Submissive تھی! کتنی اچھی تھی!

چند لمحے جیسے وہ کچھ سوچنے لگا۔ کچھ یاد کرنے لگا۔

وہ موازنہ کرنے لگا اسکا اس لڑکی سے جو کبھی اس کی زندگی میں آئی تھی۔ اور جسے اب وہ بہت دور چھوڑ آیا تھا۔

اسے سگریٹ پسند تھا۔ چین سموکر تھی وہ۔ ایک لڑکی ہونے کے ناطے وہ منع کرتا تو اسے دقیانوسی کہتی۔

اس نے آہستہ سے اسکا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

"تم ___ مجھے منع کر دیا کرو... اگر میں کچھ غلط کروں ... مجھے اچھا لگے گا"۔ وہ بہت اپنائیت سے بولا۔



وہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی تھی۔

"منع کرو گی نا"۔

"ہاں"۔ سرخ سرخ سی وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولی۔

اور ___ اس نے دھیرے سے اسکا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے چھو لیا۔

دلآرام کی پلکیں گرنے اٹھنے لگیں۔

دلاور خان مسکرا دیا۔ ہولے سے۔

"اچھا بات تو ادھوری رہ گئی تمہاری ماما کی"۔

"جی"۔ وہ پھر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"ماما میرے ساتھ بیٹھیں۔ تو پہلے تو خوب روئیں۔ تمہارے پیرنٹس کو اور تمہیں یاد کر کر کے روتی رہیں۔ پھر کہنے لگیں۔

'ہمارے صاحب تھوڑا عرصہ قبل بڑی بیگم صاحبہ اور دلآرام بی بی کو سیر کیلئے ولایت لے جانے لگے تو... کوئی بھی نہ بچا بیٹا۔ سب ختم ہو گئے۔ میں بھی بوریا بستر باندھ کر جانے کا سوچ رہی ہوں۔ وہ چہرے رہے نہیں جو 'ماما' 'ماما' کہہ کر تھکتے نہ تھے۔ چھوٹی بیگم صاحب کہتی ہیں۔ 'اے کمبخت، اے بدبخت'۔ میرا نام اب یہ پڑ گیا ہے۔ میں بڑی بیگم صاحب کی چہیتی جو تھی۔

پھر ان کا بھائی نواز بیرسٹر صاحب سبحانی صاحب کے پاس گیا۔ مال جائیداد ہتھیانے مگر خدا کی شان دیکھو۔ صاحب دل کا دورہ پڑنے کے بعد کسی کو کچھ بھی بتائے بغیر اپنی وصیت لکھ چکے تھے۔ یہ کوٹھی بڑی بیگم صاحب کے نام ہے۔ یہیں شہر میں ایک اور کوٹھی ہے وہ چھوٹی بیگم صاحب کے نام کی ہے۔ باقی تین چار کوٹھیاں ہیں۔ میلوں پھیلی زمینیں ہیں۔ بہت بڑی زمینداری ہے۔ یہ سب دلآرام بی بی کے نام ہیں۔ اب چھوٹی بیگم اور ان کے بھائی دن رات وکیلوں کے دروازے کھٹکھٹاتے پھر رہے ہیں۔ اور شاید مالک بن بھی جائیں۔ صاحب کا کوئی وارث باقی جو نہیں رہا..."

ایک بار پھر وہ رو دیں۔

'آپکے صاحب کی وارث زندہ ہے'۔ میں نے کہا۔

"کیا؟ کیا کہہ رہے ہو بیٹا۔ اخبار میں تو سب کی تصویریں بھی چھپی ہیں کہ سب ختم ہو گئے

ہیں...''

'نہیں۔ دلآرام زندہ ہے اور ٹھیک ٹھاک ہے۔ میں نے انہیں بتایا۔' یہاں سے بہت دور، جہاں جہاز گرا تھا۔ وہیں دریا کی لہروں نے ہمارے گھر کے پیچھے چٹان پر ڈال دیا تھا۔ ہمارے ملازموں نے سنبھالا۔ ڈاکٹر نے دیکھ بھال کی۔ میں بھی گیا تھا اب بالکل ٹھیک ہے اور آپکو یاد کرتی ہے۔'

تو بیٹا مجھے لے چلو نا اسکے پاس میرا بوریا بستر بھی۔'

روتی روتی دلآرام ہنس پڑی۔

مجھے بھی انکی بے صبری پر ہنسی بھی آئی تھی۔ ویسے انہیں دیکھ کر خود بخود بھی ہنسی آجاتی ہے۔

''آپ میری ماما پر ہنس رہے ہیں''۔

''میں نہیں ہنستا۔ آجاتی ہے ہنسی۔ ویسے بہت کیوٹ ہیں تمہاری ماما شفقت''۔

دلآرام نے انگلیوں کی پوروں سے آنسو پونچھے۔

''میں نے ان سے کہا۔ فی الحال وہ وہیں رہیں۔ کہیں بھی مت جائیں۔ ان لوگوں پر نظر رکھیں۔ کس کے پاس جاتے ہیں کیا کرتے ہیں۔ میرا مطلب ہے تمہاری جائیداد وغیرہ کے بارے میں...''

'ٹھیک ہے۔' ماما بولیں۔ 'خدا میری بچی کی عمر دراز کرے۔ منہ کالے ہوں ان کے، ورنہ میں پالش سے کالے کردونگی، کیڑے پڑیں... بڑے بڑے تین تین میٹر...'' دلاور خان مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

اور ---- دلآرام کو شبہ گزرا۔ 'پالش' اور 'تین تین میٹر' دلاور خان کی ایجاد تھے۔

''تین تین میٹر سے بڑے نہیں؟''

اور دلاور خان کا زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

''بس یہ آخری بات میری ہے''۔

''اور پالش والی؟''

''یہ ماما نے کہی تھی، غلطی سے شاید''۔



اور دلآرام اسکے سفید جھوٹ پر خوبصورتی سے ہنس دی۔

''اچھا پھر کیا ہوا؟''

''پھر میں نے انہیں کہہ دیا کہ وہ تمہارا ذکر ابھی کسی سے مت کریں اور نہ ہی مجھ سے ملنے کی بات کریں۔ میں نے کہا میں دوبارہ آؤنگا اور آپ مجھے اسی جگہ ملیں...''

انکی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ خوش خوش گاڑی سے اتر گئیں۔

'میں کسی سے ذکر نہیں کرونگی کسی بھی قسم کا۔ بس تم آکر مجھے لے جاؤ یہاں سے کسی طرح۔ اور ہاں ان لوگوں کو بھی چلتا کرو یہاں سے۔' پھر رازداری سے میرے کان کے قریب ہوئیں۔' انکا کچھ ہو سکتا ہے نا؟' دلآرام بی بی کو اپنا سب کچھ مل جائیگا نا...'

'ہاں کیوں نہیں۔ اول تو اسے دیکھتے ہی یہ لوگ ہر چیز سے دستبردار ہو جائینگے۔ اور اگر کچھ گڑبڑ کی بھی تو باقاعدہ قانون موجود ہے۔ آپ فکر مت کریں۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں...'

وہ مطمئن ہو کر چلدیں۔

''آپ بہت اچھے ہیں''۔ دلآرام دھیرے سے بولی۔

''واقعی اچھا ہوں؟''

دلآرام نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

ہاتھ بڑھا کر دلاور خان اسے اپنی سیٹ پر لے آیا۔ آہستہ سے اپنے پہلو سے لگا لیا۔

''I really like you. I realised that when I first met you. But I needed some time to think it over. I had to know you. I had to understand you.'' کیونکہ یہ میرا اپنے آپ سے وعدہ تھا کہ سوچ سمجھ کر ہی کوئی قدم اٹھاؤں گا۔ دھوکہ کھانے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں۔ اسی لئے میں یہاں سے جلدی چلا گیا۔ وقت لینا ضروری تھا۔ اور پھر ---- تمہاری ہر بات ہر حرکت پر میں نے جتنا سوچا۔ اتنا ہی تمہیں Innocent اور Inexperienced پایا۔ اور ---- یہی سب میں چاہتا تھا۔ ایک لڑکی میں...'' اس نے ہولے سے اپنے ہونٹ اسکے ماتھے پر رکھے۔

وہ گم سم بیٹھی تھی۔

"میں خود حیران ہوں۔ میرا تو خیال تھا میں زندگی میں کسی پر محبت کا اعتبار کر ہی نہیں سکوں گا۔ مجھے تو نفرت ہو گئی تھی عورت سے، محبت سے۔ واہیات لگنے لگا تھا سب...

اور ــــ دلآرام کو بابا کی باتیں یاد آ گئیں۔

'لڑکی ذات سے اعتبار ہی اٹھ گیا ہے چھوٹے مالک کا...'

دلاور خان نے گہری سانس لی۔ ایک نظر غور سے اسے دیکھا۔

"تم میں کیا ہے ہاں؟"

اسکی جھکی پلکیں اوپر اٹھیں۔

تمہاری ان آنکھوں نے مجھے Haunt کر رکھا ہے۔ کیا بنے گا میرا ہاں"۔

"آپ بھی مجھے بہت اچھے لگتے ہیں"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"تم صرف میری ہو نا؟"

وہ سمجھ گئی سانپ کا کاٹا رسی سے بھی ڈرتا تھا۔

"بولو نا۔ تم صرف میری ہو"۔

وہ 'صرف میری' پر بار بار زور دے رہا تھا۔ کہ نازیہ صرف اسکی نہیں تھی اسلئے!

"ہوں نا"۔ وہ بہت مشکل سے بولی۔

"I love you." ایکبار پھر اس نے اسے پیار کیا۔

دلآرام آہستہ سے اٹھ کر واپس اپنی جگہ پر آ گئی۔

وہ وہیں بیٹھا تھا۔ مطمئن سا مسرور سا!

"آپ واقعی ماما کو لیکر آئینگے؟" دلآرام نے پوچھا۔

"ہاں۔ اٹھا ہی لے گا انہیں بھی جہاز"۔ اس نے خوشگواری کہا۔

دلآرام ہنس دی۔ دور کہیں بجتے پائیلوں کی سی ہنسی۔

وہ مسحور سا اسے دیکھتا رہا۔

"میں ویسے بھی چاہتا تھا۔ یہاں کوئی عورت ہو تمہارے پاس۔ مگر فی الحال میں نے تمہارا ذکر گھر میں نہیں کیا اور پھر ماما تمہارے لئے ہر لحاظ سے بہتر ہیں"۔



دلآرام خوش ہو گئی۔ وہ نہیں ہو گا تو وہ اکیلی بھی نہیں ہو گی اور پھر اسکے ماں باپ کیساتھ ساتھ ماما بھی تو انکے گھر کی ایک فرد تھی۔ کوئی تو ہو گا اسکا دکھ سکھ بانٹنے والا۔

"اوکے میم"۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اب چلتا ہوں ذرا اوپر۔ لیٹوں گا تھوڑی دیر۔ رات ڈنر پر ملاقات ہو گی پھر۔ ہوں"۔

وہ خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

ڈنر کے بعد وہ اوپر جانے لگا۔ اور وہ اپنے کمرے میں۔

"رات اکیلے ڈر تو نہیں لگتا؟"

"نہیں۔ بابا تو ہوتے ہیں کوریڈور میں"۔

"وہی تو بات ہے۔ انکی نواسی بیمار تھی گھر گئے ہیں"۔

اس مکان کے بائیں طرف قدرے فاصلے پر خالی زمین خرید کر دلدار خان نے اپنے ملازمین کیلئے چھوٹی سی کالونی بنوائی تھی۔

"کوئی بات نہیں گزارا کر لونگی"۔

"بہت بولڈ ہو"۔

وہ مسکرا دی۔

"آپکی صحبت ہے"۔

"تمہیں تو باتیں کرنی آتی ہیں۔ میں تو سمجھا تھا بس ــــ یوں ہی ہو"۔ وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"گڈ نائیٹ"۔ وہ مسکراتے ہوئے کمرے میں جانے لگی۔

"گڈ نائیٹ"۔ وہ سیڑھیوں پر آگے بڑھا۔

اوپر کمرے میں برابر کسی کے چلنے کی آواز سے وہ جاگ اٹھی۔

آدھی رات تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ دریا کے رخ کھلی کھڑکی کے پردے کھلے تھے۔ ہر سو

پورے چاند کی چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔

دریا میں منعکس ہوتا چاند، دریا کا سیمیں پانی، چٹان، سب صاف نظر آرہے تھے پر ـــ

سب جیسے طلسم زدہ تھے!

وہ کچھ گھبرا سی گئی۔

قدموں کی چاپ تو ظاہر ہے دلاور خان کی تھی مگر ـــ

اٹھتے ہوئے اس نے کھڑکی کے پردے برابر کر دیئے۔ اب اسے کچھ سکون سا ہوا۔ دوبارہ آ کر وہ بستر پر لیٹ گئی۔ کمرے میں مدھم کیے ہوئے لیمپ کی ملگجی سی روشنی ہو رہی تھی۔

قدموں کی چاپ رک گئی تھی۔ دلاور خان شاید سونے لگا تھا۔

تھوڑی دیر میں اسکی بھی آنکھ لگ گئی۔

معاً جیسے بھونچال سا آ گیا تھا۔ وہ دوبارہ اٹھ بیٹھی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے غور کیا۔ اسکی کھڑکی کیساتھ والے قد آور درخت میں سرسراہٹ ہو رہی تھی۔

اٹھتے ہوئے وہ ڈرتے ڈرتے کھڑکی تک گئی۔

پردہ قدرے کھسکایا۔ اب بھونچال رک گیا تھا البتہ درخت کی شاخیں اب بھی ہل رہی تھیں۔

پتہ نہیں کیا تھا؟ پردہ بند کرتے ہوئے وہ واپس بستر پر آ گئی۔

اتنے میں زور سے بلی کے غرانے کی آواز آئی اور ساتھ ہی جیسے درخت میں الجھتی ہوئی وہ اسکی کھڑکی پر آ رہی۔

وہ پھیلی پھیلی نظروں سے کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔ اس دریا اور اس لمبے گھنے درخت سے اسے ویسے بھی وحشت ہوتی تھی۔

آہستہ قدم چلتی وہ کھڑکی کے پاس آ گئی۔ دھیرے سے پردہ سرکایا اور ـــ

اسے دیکھتے ہی کھڑکی سے لگی یہ بڑی بلی زور سے غرائی۔

اور ـــ دلآرام چیختی ہوئی کمرے سے کوریڈور میں آ نکلی۔

"بابا... بابا۔" اسے اس افراتفری میں یہ یاد ہی نہیں رہا تھا کہ آج بابا گھر گئے تھے۔

"کیا بات ہے"۔ رات کے بے ترتیب کپڑوں پر گاؤن لیتے ہوئے دلاور خان اوپر



سیڑھیوں کی لینڈنگ پر آتا نہایت اطمینان سے بولا۔

"وہ... وہ... وہ..." وہ جیسے آگے بولنا ہی بھول گئی۔

دلاور خان نے ہنسی بمشکل روک رکھی تھی۔

"وہ... کیا ہے؟" وہ نیچے آ گیا۔

"وہ... اتنی بڑی بلی... کھڑکی میں"۔ اسکی حسین آنکھیں اب بھی دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

"آؤ دیکھیں کیا ہے"۔ اس نے اس کی کمر تھپتھپائی۔

"میں نہیں جاؤں گی"۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں نا"۔ وہ اسے کسی طرح اندر لے ہی گیا۔

لیمپ کی روشنی تیز کر دی۔ کچھ تو ویرانی کم ہوئی۔ دلاور خان کھڑکی کی طرف گیا۔ پردہ ہٹانے لگا۔

دلآرام نے جلدی سے پیٹھ کر کے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"کیا ہے؟" پردہ ہٹاتے ہوئے اس نے کہا۔

"وہ... وہ بلی"۔ بلی اب درخت پر بیٹھی تھی۔

دلاور خان نے پردہ بند کر دیا۔ اسکے پاس چلا آیا۔

"تم نے تو کہا تھا 'آپکی صحبت ہے' میری یہ صحبت ہے کہ بلی سے بھی ڈرو۔ بچاری فٹ بھر کی بلی..." مسکراتے ہوئے اس نے سر ہلایا۔

"درخت بھی سارا ہل رہا تھا"۔

"اور ـــ دلاور خان زور سے ہنس دیا۔

"کمرے میں آپکے قدموں کی چاپ سے بھی مجھے ڈر لگ رہا تھا"۔

اور ـــ دلاور خان ہنستا چلا گیا۔

دلآرام کو شک سا گزرا۔

"یہ سب... آپ تو نہیں کر رہے تھے"۔

اور۔۔۔ وہ مزید ہنس دیا۔

''لیکن اسکا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ تم اتنا ڈر جاؤ کہ بابا، بابا چیختی ہوئی کمرے سے نکل پڑو''۔

''اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو''۔

''بھئی صرف دو چار قدم اٹھائے تھے پراسرار سے۔ پھر کھڑکی سے ہاتھ نکال کر درخت ہلایا تھا زور سے۔ پھر کچن سے پکڑ کر بلی لڑھکائی تھی درخت میں آہستہ سے۔ تم اس سے بھی ڈرو گی اتنا زیادہ، مجھے کیا پتہ تھا''۔ وہ بات چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ ''چلو شاباش اب سو جاؤ''۔

''اس کمرے میں؟''

''ہاں''۔

''اکیلے؟''

''تو میں اپنا بستر لے آتا ہوں''۔

''بس کریں اب''۔

''تو پھر سو جاؤ نا''۔

''اب تو چاہے دنیا کی ادھر کی ادھر ہو جائے میں نہیں سونے والی''۔

''واہ میری جان''۔ اس نے پاس کھڑی دلآرام کو پیار کر لیا۔

پھر آگے بڑھا۔ انگیٹھی میں رکھی لکڑیوں پر مٹی کا تیل ڈالا۔ دیا سلائی سے آگ جلائی۔

زندگی اور حرارت کا احساس دلاتے شعلے بلند ہونے لگے۔

وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''بیٹھو''۔ اس نے مقابل والے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ آہستہ سے بیٹھ گئی۔

''کس بیوقوف نے کہا مجھے کہ تمہیں ڈراؤ''۔ اس نے پچھتاوے کے انداز میں سر ہلایا۔

پھر ٹانگیں آگ کی سمت سیدھی پھیلاتے ہوئے صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

دلآرام نے دیکھا۔ اسکی قمیض کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ گاؤن کا بیلٹ بھی جلدی میں بس یوں ہی سا باندھا تھا۔ گلے میں سے جھانکتا اسکا چوڑا سینہ اسکی مردانہ وجاہت کا غماز تھا۔



اس نے نظریں دوسری طرف کر لیں۔

دلاور خان جیسے سمجھ گیا۔ موہوم سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لئے بٹن بند کئے اور گاؤن اچھی طرح لپیٹ لیا۔

''اب باتیں کرو میم صاحب۔ صبح تو کسی طرح کرنی ہی ہے''۔ اس نے کروٹ دلآرام کی طرف کر لی۔ سر صوفے کے بازو سے ٹکا دیا۔

دلآرام اٹھی۔ اپنا تکیہ لائی۔ آہستہ سے اسکا سر اٹھاتے ہوئے اسکے نیچے دے دیا۔ وہ بھی تو اتنا کچھ کر رہا تھا اس کیلئے!

''تھینکس''۔ اس نے اسکا وہی ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

وہ چپکے سے مخالف والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

دلاور خان نے پھر جیب سے سگریٹ اور لائیٹر نکالے۔

''Cigarette is injurious to health.''۔ اسے دیکھتے دیکھتے وہ آہستہ سے بولی۔

''تمہیں اچھا نہیں لگتا نا''۔

''نہیں''۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''بس اس وقت پینے دو پھر چھوڑ دونگا''۔

''اس وقت بھی کیوں''۔

''وہ ۔۔۔'' اس نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ''بلی سے ڈر لگا ہے نا...'' اس نے مسکین سی شکل بنائی۔

اور۔۔۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

دور جیسے پریوں کے دیس میں جھانجھ بج اٹھے ہوں۔۔۔ وہ مسحور سا اسے دیکھنے لگا۔

''سر میں درد ہونے لگا ہے''۔ وہ پھر بولا۔

''کیوں؟''

''تم نے بے وقت جو جگا دیا ہے''۔

''آپ سوئے ہی کب تھے۔آپ تو رات سے مجھے ڈرانے کے سکیمنگ کر رہے تھے''۔

اسے یاد آ گیا اس نے رات سونے کیلئے اوپر جاتے وقت اس سے پوچھا تھا اسے رات اکیلے ڈر تو نہیں لگتا؟''اگر میں چیختی باہر نہ نکلتی تو پتہ نہیں آگے کیا کرنے والے تھے؟''

اور۔۔۔اسکا جاندار قہقہہ بلند ہوا

دلآرام صوفے پر بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔اسکی خوبصورت آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔

تم سو جاؤ۔میں گارڈ کرتا ہوں''۔اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اسکی بات پر وہ دلآویزی سے ہنس دی۔

''نہیں ٹھیک ہے''۔

اس نے خوبصورتی سے کندھے اچکائے۔

''تمہاری مرضی''۔

اس نے سگریٹ کا کش لگایا اور دھوئیں کے مرغولوں کو دیکھنے لگا۔

''تو مجھے سگریٹ چھوڑنا پڑیگا ہاں''۔

''ہاں''۔

''کب؟''

''کل سے''۔

''اس وقت ہی کیوں نہیں؟''

''وہ۔۔۔''دلآرام نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔''آپکو بلی سے ڈر لگا ہے نا''۔اس نے اسی کی بات دہرائی۔

دلاور خان کو اچھا لگا۔مسکرا دیا دھیرے سے۔

وہ دونوں یوں ہی باتیں کرتے رہے۔چھیڑ چھاڑ کرتے رہے اور۔۔۔ لمحے بیتتے گئے۔

صبح کی سپیدی نمودار ہونے کو تھی۔دلاور خان اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب جاؤں میم۔نماز پڑھوں گا۔قضا ہو جائے گی''۔

''Thank you. So nice of you.''وہ ممنونیت سے بولی۔



اس نے اپنائیت سے اسکا گال تھپتھپایا اور۔۔۔

کمرے سے باہر نکل گیا۔

مطلع آج بھی صاف تھا۔ کوبالٹ بلو آکاش نکھرا نکھرا تھا۔ سفید بادل کا ایک آوارہ ٹکڑا یہاں سے وہاں بھٹک رہا تھا اور۔۔۔ تاحد نظر پھیلی سرسوں نظروں کو بھلی لگ رہی تھی۔

گھر سے باہر کھیتوں کے بیچ ایک چٹان پر دلاور خان کیساتھ بیٹھی دلآرام قدرت کی ان گنت خوبصورتیوں کو دل ہی دل میں سراہ رہی تھی۔

جوگیا رنگ کے کپڑوں، گھنے ڈارک براؤن بالوں کیساتھ گارنٹس کی بڑی بڑی خوبصورت بالیاں پہنے وہ بہت اٹریکٹیو لگ رہی تھی۔

''اے لڑکی!'' دلاور خان نے اس کی محویت کو توڑا۔

''جی''۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

اور۔۔۔ اسکی گرے اش بلو بڑی بڑی آنکھیں اپنے پر مرکوز دیکھ کر۔۔۔ اس نے اپنی دلنشیں آنکھیں جھپک لیں۔ دلآویزی سے مسکرا دیا۔

''یہ۔۔۔ یہ کیسی آنکھیں ہیں''۔ وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

''میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھیں''۔

''کیوں؟''

''یہ تو لینزز ہیں سر''۔

اور۔۔۔ دلاور خان کو نازیہ کے رنگ برنگے لینزز یاد آگئے۔

''خدا نہ کرے لینزز ہوں''۔

''کیوں؟''

''مجھے ہر آرٹیفیشل چیز سے نفرت ہے''۔ وہ اپنے مضبوط ہاتھ کے بیک سے اس کا ملائم گال سہلاتے ہوئے بولا۔



''سر۔۔۔''

پتہ نہیں کیا کہنے والی تھی وہ!

'' 'سر'۔ کیوں کہتی ہو؟''

''اچھا لگتا ہے۔ آئندہ میں آپکو 'سر' کہوں گی''۔ اُسے تو واقعی بہت اچھا لگتا تھا۔

''لوگ ڈارلنگ، سویٹ ہارٹ ہنی اور جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ تم۔۔۔'' اسے پھر نازیہ کا خیال آیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دلآرام کا اور نازیہ کا مقابلہ کرنے لگتا۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے مگر میں 'سر' کہوں گی یا 'صاحب جی' یا پھر چھوٹے مالک''۔

''واہ۔۔۔ کن ناموں سے نوازا ہے''۔ وہ ہنس دیا۔

''بس میں 'سر' کہوں گی۔ اور جب بھی دل چاہے گا۔

'' 'صاحب جی' 'چھوٹے سرکار' بھی کہوں گی''۔

دلاور خان نے پرکشش انداز میں کندھے اچکائے۔

"As you wish."

''آپ بہت اچھے ہیں سر!''

''یور ہائی نس ایک کام تو کرو''۔

اور اسے بدلہ لیتے دیکھ کر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''کیا؟''

''اس پگڈنڈی پر یہاں سے اس درخت تک''۔ اس نے دور ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ ''بھاگنے میں کتنا ٹائم لوگی''۔ اس نے یوں ہی کہہ دیا۔

لحہ بھر کو اس نے سوچا۔

''دو منٹ اس طرف سے دو منٹ اس طرف سے''۔

''چلو۔۔۔ سٹارٹ''۔

اور۔۔۔ دلآرام بھاگ کر درخت تک پہنچ گئی دو منٹ سے کچھ پہلے ہی۔ پھر واپس مڑی۔ تھوڑا ہی بھاگی تھی جانے کہاں سے ایک کتا پیچھے پڑ گیا۔ وہ چیخنے لگی۔

دلاور خان اٹھ کھڑا ہوا۔ایک پتھر اٹھا کر مارتے ہوئے کتے کو مار بھگایا مگر ۔۔۔۔ دلآرام سیدھی اس سے آٹکرائی۔

اس نے اسے بازوؤں میں تھام لیا۔اسکا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور دل تھا کہ دھک دھک کرتا بے قابو ہو رہا تھا۔

''میں نہیں بولتی آپ سے''۔

''کیوں؟''

''آپ نے جان بوجھ کر مجھے بھیجا تھا۔آپکو پتہ تھا کتے کا''۔

''کیسی باتیں کرتی ہو۔میں ایسا کرسکتا ہوں''۔وہ اسکی پیٹھ سہلاتے ہوئے بولا۔

''تو پھر کیوں مجھے بھیجا؟''۔اسکا لہجہ روٹھا روٹھا تھا۔

''Just for funs sake __ nothing else... ''

وہ اب بھی اسے بدگمان نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''بیٹھو''۔خود بھی بیٹھ کر اس نے اسکا سر اپنے گھٹنے پر رکھا۔''میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔بہت پیار کرتا ہوں۔پھر میں تمہیں خطرے کی طرف کیوں بھیجتا...''وہ اسکے مہکتے بال سہلا سہلا کر کہہ رہا تھا۔

اور دلآرام کو واقعی اپنی سوچ پر ندامت ہوئی۔

''I'm sorry Sir!''۔مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہئے تھا۔پلیز!معاف کردیں سر''۔

اور ۔۔۔ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرادیا۔

''تم ۔۔۔ بہت چھوٹی ہو''۔اسکے لب و لہجے میں اس کیلئے پیار ہی پیار تھا۔''پل میں کچھ اور پل میں کچھ''۔

''آپ خفا ہوگئے''۔وہ پریشان سی لگنے لگی۔

''اپنی زندگی سے بھی کوئی خفا ہو سکتا ہے''۔

اسکے گھٹنے کو بازوؤں کے حلقے میں لئے دلآرام نے سر اسکے گھٹنے پر رکھ دیا۔

''پھر مجھ پر کبھی شک مت کرنا''۔



''نہیں کرونگی صاحب جی''۔

''میرا نام دلاور ہے''۔

''مجھے معلوم ہے بہت اچھا بھی لگتا ہے۔جیسے آپ ہیں ویسا ہی آپکا نام ہے مگر... سر!میں آپکو 'سر' کہونگی''۔

''اچھا بابا''۔اسے ہار ماننا ہی پڑی۔

''بائے دا وے ۔۔۔ یہ کتا پتہ نہیں تمہارے پیچھے ہی کیوں پڑ گیا؟تمہیں ہی ڈراتے پھرتے ہیں سب۔کبھی بلی کبھی کتا... ''

''بس کریں اب''۔وہ اب بھی اسکے گھٹنے پر سر رکھے تھی۔''بلی آپ نے بھیجی تھی''۔

''اور کتا؟''

''میں مارونگی''۔اس نے بکھرے بال پیچھے ہٹاتے ہوئے سر اٹھایا۔

''لو مارو''۔دلاور خان نے اسکا نازک سا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا۔

اور ۔۔۔ بجائے مارنے کے اس نے اپنا چہرہ اسکے سینے میں چھپا لیا۔

دلاور خان بے خود سا ہو گیا۔

''اس بار گھر جا کر میں اپنے بابا جان سے کہونگا تم سے میری شادی جلد کرادیں۔میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا''۔

وہ کچھ نہیں بولی۔چپ چاپ اسکے سینے میں چہرہ چھپائے تھی۔

''سن رہی ہو نا''۔

''نہیں''۔اس نے چہرہ وہیں چھپائے سر نفی میں ہلا دیا۔

دلاور خان نے دھیرے سے اسکا چہرہ اوپر اٹھایا۔گلابی گلابی،شرمایا شرمایا۔

''اے لڑکی ۔۔۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں''۔

''کیا؟''

''مجھ سے شادی کروگی؟''

''نہیں''۔اس نے پھر سر نفی میں ہلایا۔

اسے نازیہ یاد آئی۔ یہی بات اس نے نازیہ سے کہی تھی تو اس نے فوراً اسے بوسہ دیتے ہوئے کہا تھا ’لیس آف کورس‘۔

”بس یوں ہی ملتی رہو گی“۔

”ہاں“۔ اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

چند پل وہ اسے اپنائیت سے دیکھتا رہا۔

”نہیں جان ایسا ٹھیک نہیں ہے“۔

”تو پھر کیسا ٹھیک ہے“۔ وہ ذہنی طور پر ابھی شادی کیلئے تیار نہیں تھی۔ کوئی بڑا بھی نہیں تھا جو اسے مشورہ دیتا۔

”شادی۔ شادی ہے اسکا حل“۔

”اچھا ماما آئیں گی تو ان سے بات کرونگی“۔

دلاور کو دکھ سا بھی ہوا۔ ماما کے علاوہ واقعی اب اسکا کوئی اور بزرگ باقی نہیں رہا تھا۔

”ٹھیک ہے تم ان سے مشورہ کرنا اور میں گھر میں بات کرونگا“۔

”اچھا“۔ وہ ایک فرمانبردار بچے کی طرح بولی۔

تھوڑی دیر دلاور خان آس پاس کے حسن کو دیکھتا رہا۔

”کل میں شکار پر جاؤنگا دوستوں کیساتھ۔ تیتر بہت ہوتے ہیں ان دنوں“۔

”دوست کہاں ہیں“۔

”یہاں سے پینتیس چالیس میل پر اور وہیں کچھ فاصلے پر شکار کی جگہ بھی ہے“۔

”کب واپس آئینگے؟“

”رات تک۔ سونا نہیں اچھا“۔

”کیوں؟“ وہ مسکرائی۔

”تمہیں دیکھے بغیر میں سوؤں گا کیسے؟“

اور وہ مسکرا دی۔

”سوچونگی“۔



”میں جگادونگا آکر۔ مجھے بھی ایسا ویسا مت سمجھنا“۔

”اچھا اچھا جاگتی رہونگی“۔

وہ گھبرا گئی۔ وہ واقعی ایسا ویسا نہیں تھا۔ کچھ بھی کرسکتا تھا!

“That's like a good girl.”

”سر!“

”کیا ہے؟“

”میرا دل چاہتا ہے میں یوں آپ کے گھٹنے پر سر رکھے بیٹھی رہوں...“

”اسی لئے تو کہتا ہوں شادی کر لیتے ہیں۔ میں یہاں سے جا کر بابا جان سے بات کرونگا۔ پھر ایک ٹرپ میں تمہیں بھی ساتھ لے جاؤنگا...“

”میں نہیں جاؤنگی“۔ وہ جلدی سے بولی۔

”کیوں؟“

”مجھے شرم آئے گی“

”اس میں شرم کی کون سی بات ہے۔ اور پھر میں ویسے بھی تمہیں محفوظ جگہ پر رکھنا چاہتا ہوں۔ محفوظ یہ بھی ہے۔ مگر وہ محفوظ تر ہے۔ تم بابا جان کے پاس رہو گی تو مجھے فکر نہیں رہے گی۔ اسکے علاوہ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میرے بتانے سے پہلے کوئی اور بابا جان کو تمہارے متعلق بتا دے۔ اور وہ کوئی اور مطلب لیں۔ یہاں بھی میں نہیں چاہونگا کہ نوکر چاکر آپس میں کھسر پھسر شروع کردیں۔ سمجھیں چھوٹی سی چیز!“

”کچھ کچھ“۔ وہ اب بھی وہیں سر رکھے تھی۔

”اب چلیں جانِ من“۔

”کہاں؟“

”اندر۔ گھر“۔

”اوں ہوں۔“

”اچھا چلو میرا ابھی دل ابھی گھر جانے کو نہیں کرتا۔ ایک ملازم ایک طرف سے گزرتا ہے تو

دوسرا دوسری طرف سے۔ اکٹھے بیٹھنا بھی لگتا ہے کوئی چوری کر رہے ہیں۔ چلتے ہیں اس پار"۔ اس نے پر رونق شہر کی طرف اشارہ کیا۔ "لنچ ادھر ہی کرینگے"۔

"یہ ٹھیک ہے"۔ سر اٹھاتے ہوئے وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولی۔ "چلیں"۔

دونوں گھر کی طرف آنے لگے۔

پھر جیپ میں ساحل تک اور ساحل سے اپنی بوٹ میں دونوں اس پار پہنچ گئے۔

سارا وقت گھومتے پھرتے رہے۔ شوپنگ کی۔ پھر لنچ کیا۔ دوپہر وہیں پارک میں ایک درخت کے سائے میں گزار دی۔ اور تھکے تھکائے سے گھر لوٹ آئے۔



آج اسکی آنکھ جلدی کھل گئی۔ ہاتھ منہ دھوئے، کپڑے بدلے۔ کمرے میں آئی تو بابا میز پر ناشتہ لگا چکے تھے۔

بڑی بڑی لکڑیوں کی آگ کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے جوس کا گلاس اٹھالیا۔

"چھوٹے سرکار صبح چھ بجے شکار کیلئے روانہ ہوئے ہیں"۔ بابا بولے۔

"اتنی صبح"۔

"ہاں بیٹی۔ کچھ تو جگہ ذرا دور ہے۔ دوسرے شکار اس ٹائم اچھا مل جاتا ہے"۔

"ہوں"۔ وہ آہستہ آہستہ جوس پینے لگی۔

بابا نے کھڑکیوں کے پردے ہٹا دیئے۔ اسکا بستر درست کیا۔

"سردی ہے بی بی پر موسم کھل گیا ہے۔ دن قدرے پھیل گئے ہیں۔ وہ بات نہیں رہی کہ ادھر صبح ہوئی ادھر شام..." بابا ساتھ ساتھ بولتے بھی گئے۔

"ہاں بابا"۔

"اچھا ہے نا بیٹی کام کرنے کیلئے کچھ وقت مل جاتا ہے۔ ورنہ تو صبح سے شام تک کام کر و ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اب تو دوپہر کو چند گھڑی آرام کیلئے بھی مل جاتے ہیں"۔

دریا کا منہ زور پانی کھڑکی کے قریب چٹان سے مسلسل سر ٹکرا رہا تھا۔

"لگتا ہے پہاڑوں پر برف پگھلنا شروع ہوگئی ہے"۔ دریا کا پانی کافی اونچا ہو رہا ہے دو چار روز سے"۔ بابا بولے۔

ٹوسٹ پر شہد لگاتے لگاتے وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آگئی۔

"بابا میں آج باہر دریا کی طرف جاؤں گی۔ میں کبھی نہیں گئی"۔

"بیٹے دریا کنارے تو بہت اچھا لگتا ہے۔ سرونٹ کوارٹروں سے قدرے آگے نکل جاؤ۔

وہاں دریا کی طرف سیڑھیاں بنی ہیں پھر بڑا سا پتھر ہے۔ سیڑھیاں اتر کر تم پتھر پر بیٹھ کر دریا کا نظارہ کرسکتی ہو''۔

اسے بہت اچھا لگا۔

''میں ناشتہ کر کے ابھی جاتی ہوں''۔

اس نے جلدی جلدی ناشتہ کیا۔ جیکٹ اور خوبصورت وولن کیپ پہنی۔

اور ـــ سرونٹ کوارٹرز کی طرف چلدی۔

وہیں بندھا بڑا سا کتا اسے دیکھ کر دم ہلانے لگا تھا۔ غرایا نہیں۔ جیسے جان گیا تھا اب تک اسے۔

وہ آگے بڑھی۔ کچھ اور آگے اور واقعی وہاں پتھروں کی سیڑھیاں عین پانی تک گئی تھیں۔

وہ سیڑھیاں اتر کر اسی پتھر پر جا بیٹھی جسکا ذکر ابھی تھوڑی دیر پہلے بابا نے کیا تھا۔

واقعی بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ٹھاٹیں مارتا دریا۔ یہاں وہاں پتھروں اور پھر انکے گھر کے سنگلاخ چٹان سے سر ٹکراتی شور مچاتی موجیں۔

کبھی کبھی ایک آدھ موٹر بوٹ اور کشتی بھی گزر جاتی۔ کبھی کوئی سٹیمر۔

وہ دیر تک بیٹھی آج گھر کا نیا رخ دیکھ رہی تھی۔

ساتھ ہی سوچوں کا رخ دلاور خان کی طرف پلٹ جاتا ـــ کتنا اچھا تھا، کتنا چاہنے لگی تھی وہ اسے اور۔ اور وہ بھی تو اس سے پیار کرتا تھا، بہت زیادہ!

اٹھ کر وہ آہستہ آہستہ گھر کی طرف آنے لگی۔ آج تو دلاور خان کے بغیر اسے سب خواہ مخواہ ہی سونا سونا لگ رہا تھا۔

آج ایک بار پھر اسکے قدم سیڑھیوں کی جانب بڑھے اور پھر دلاور خان کے کمرے کی طرف۔

آج اسکا کمرہ بھی اسے اپنا اپنا سا لگ رہا تھا۔

چند لمحے وہ یوں ہی کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ پھر اٹھ کر کھڑکی کے پاس لگے اسکے رائیٹنگ ٹیبل کے پاس آگئی۔ بڑے مزے سے ریوالونگ چیئر پر بیٹھی اور ـــ میز پر رکھی اسکی چیزیں دلچسپی سے دیکھنے لگی۔ ایک طرف ریک میں چند کتابیں لگی تھیں۔ ان میں سے ایک کتاب اٹھائی۔ اوراق پلٹنے لگی اور پھر ـــ



جیسے اچھل کر رہ گئی!

کتاب میں ایک لڑکی کی تصویر تھی لیکن ـــ یہ تو خود اسکی تھی۔ دلآرام کی!

اس نے دوبارہ دیکھا۔ اسی کی تو تھی!

پر ـــ دلاور خان کے پاس کہاں سے آگئی تھی؟

پلٹ کر دیکھا۔ سکتے میں آگئی جیسے!

وہاں تو 'نازیہ' لکھا تھا۔

یہ کیسی انہونی سی بات تھی!

دوبارہ پلٹ کر دیکھا۔ بہت غور سے دیکھا۔ تو لگا۔ اسکی آنکھوں کا رنگ ڈارک تھا۔ اس کے باوجود ـــ اس قدر مشابہت پر وہ دنگ تھی!

اور ـــ شاید یہی وجہ تھی کہ دلاور خان دلآرام کو دیکھتے ہی اسے پسند کرنے لگا تھا۔

اسکا مطلب تھا خود دلآرام کی اپنی کوئی پہچان نہ تھی۔ وہ اسلیئے اسے پسند آئی تھی کہ وہ اسکی پہلی گرل فرینڈ کی Replicant تھی۔ بابا نے بتایا تھا ایک لڑکی نے اسے دھوکہ دیا تھا۔ کرمو کہتا تھا وہ لڑکی کے ذکر سے بدکتا تھا۔ مگر ـــ

اس لڑکی سے اسکی محبت میں اتنی طاقت تھی کہ اس کی ہمشکل دیکھتے ہی وہ بدل گیا تھا۔

لڑکیوں کی بے وفائی کے دعوے دھرے رہ گئے۔

دوسرے لفظوں میں دلاور خان کیلیئے اس لڑکی میں اتنی کشش تھی کہ اسکی ہمشکل کو بھی چاہنے لگا تھا۔

اور ـــ اسکا مطلب تھا کہ وہ اس لڑکی کو ابھی تک بھولا نہیں تھا۔ بلکہ دلآرام میں اسکی شبیہہ دیکھتے ہی پھر سے واپس پلٹ گیا تھا۔

تو ـــ وہ دلآرام سے نہیں، اپنی سابقہ گرل فرینڈ سے پیار کرتا تھا!

وہ دلآرام کو نہیں نازیہ کو چاہتا تھا۔

ٹوٹی پھوٹی سی وہ کچھ دیر وہیں میز پر سر رکھے بیٹھی رہی۔

پھر ـــ بمشکل تصویر کتاب میں رکھتے کتاب اپنی جگہ پر رکھی اور ـــ

ریزہ ریزہ دل، چور چور قدموں کو سنبھالتی سیڑھیاں اتر کر اپنے کمرے میں آ گئی بستر میں
گھسی اور ——— بے اختیار رو دی۔

وہ کتنی پاگل تھی۔ کتنی بیوقوف تھی۔ اسکی باتوں پر یقین کر بیٹھی تھی، سچ سمجھنے لگی تھی اسکی
ہر بات۔ پیار، محبت، چاہت تو سب پیچھے رہ گئے تھے وہ تو پوجنے لگی تھی اسے۔

اچھا بیوقوف بنایا تھا اس نے!

اوہ پروردگار! کیا وہ اس قدر سستی تھی۔ بے یار و مددگار ایک لڑکی کیا اس سلوک کی مستحق تھی؟

اس نے اسکی انسلٹ کی تھی۔ بہت توہین کی تھی۔

تبھی ——— اس نے آنسو پونچھے۔ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

وہ اتنی کمزور نہیں تھی۔ پہاڑ جیسے دکھ سہہ چکی تو کیا اپنی بے عزتی کے خلاف قدم نہیں اٹھا
سکتی تھی؟

وہ باتھ روم گئی، منہ دھویا، کپڑے تبدیل کر کے اپنے پہلے دن والے کپڑے پہنے اور باہر آ گئی۔
ادھر ادھر دیکھا۔ بابا نظر نہیں آئے۔ کچن کی طرف جانے لگی تو راستے میں ہی مل گئے۔

''بابا میں اپنے گھر جاؤنگی''۔

''کیا بات ہے بیٹی؟'' اسکی سوجھی سوجھی سرخ آنکھیں دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے۔

''کچھ نہیں۔ بس میں گھر جاؤں گی''۔

''ہاں بیٹی۔ مگر چھوٹے سرکار تو آ جائیں۔ بلکہ وہ شاید خود تمہیں لیکر جائینگے''۔

''نہیں بابا۔ میں جاؤنگی۔ میں نہیں رکوں گی''۔

''کیوں؟ خیریت تو ہے''۔

''ہاں بابا۔ لیکن میں گھر جانا چاہتی ہوں''۔

''بیٹی چھوٹے مالک کے آنے تک انتظار کر لو تو بہتر ہے''۔

''نہیں بابا۔ میں نہیں رک سکتی''۔ اسکا فیصلہ اٹل تھا۔

''بیٹی! چھوٹے سرکار اچھا نہیں سمجھیں گے''۔ وہ بھی تو جوابدہ تھے دلاور خان کے آگے۔

''میں کسی کی پابند نہیں بابا''۔ وہ چڑ کر بولی۔



بابا کچھ سمجھے اور کچھ نہیں۔ لیکن ——— پھر بھی ———

''بیٹی آج رک جاؤ۔ کل پھر انکی موجودگی میں چلی جانا...''۔

بابا مجھے ٹکٹ کیلئے رقم چاہیئے۔ پہنچتے ہی چیک بھیج دونگی'۔ اس نے انکی بات ان سنی کرتے
ہوئے کہا۔

''وہ تو ہو جائیگا مگر...'' وہ اب بھی متذبذب تھے۔ دلاور خان کے قہر و غضب کا سامنا کرنا
کچھ آسان نہ تھا۔

''بابا اور کچھ مت کہیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے''۔

''ٹھیک ہے بیٹی۔ میں رقم لاتا ہوں۔ پھر تمہارے ساتھ چلتا ہوں''۔

وہ اسے یوں اکیلا کیسے جانے دیتے!

ان کیساتھ جانے کا سن کر اسکی ڈھارس بھی بندھی۔ بہت دکھ پہنچا تھا۔ اس لئے خود کو مضبوط
بنا رہی تھی۔ ورنہ اس نے زیادہ ٹریولنگ نہیں کی تھی۔ طرح طرح کے خدشات تو اپنی جگہ تھے!

بابا جلدی ہی آ گئے۔

''بابا۔ میں آپکا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی''۔

''کیسی بات کرتی ہو بیٹی۔ خدا گواہ ہے تم مجھے اپنی بیٹی کی طرح لگتی ہو''۔

جیپ دلاور خان لے گیا تھا ہوتی بھی تو وہ نہ جاتی اس میں۔

بہر حال۔ بابا اسے کچھ فاصلے پر اپنی کالونی لے گئے۔ وہیں سے اسے کسی کی ایک ٹوٹی پھوٹی
ٹیکسی پر بٹھایا اور ساحل تک پہنچ گئے۔ بابا نے بہتیرا کہا دلاور خان کی بوٹ پر جانے کو مگر وہ نہیں مانی ۔
کرایے پر آتی جاتی کشتیوں میں سے ایک پر بابا کو لئے چلدی۔

وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا آج کوئی فلائیٹ نہیں تھی۔ دلآرام نے کل گیارہ بجے دن کیلئے بکنگ
کرائی۔ اور ٹکٹ ساتھ لئے بابا کیساتھ واپس آ گئی۔

باقی کا دن جو اس نے گزارا۔ خدا ہی بہتر جانتا تھا۔

ایک ایک پل اس پر بھاری گزر رہا تھا۔ لمحہ لمحہ اپنی بے عزتی کا احساس زور پکڑ رہا تھا!

بابا کے بہت کہنے پر بھی اس نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ بس بستر میں گھسی رہی۔ درمیان

میں شاید آنکھ لگ گئی تھی۔ جاگی تو باہر شام کے سائے لمبے ہو رہے تھے، سردی بڑھ گئی تھی، کمرے میں اندھیرا چھا چکا تھا۔

وہ اٹھی، باتھ روم جانے لگی تو جسم جیسے ٹوٹ رہا تھا، جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ اس نے منہ ہاتھ دھوئے اور کمرے میں آ گئی۔

بابا جیسے برابر اسکا خیال رکھ رہے تھے۔ سمجھ گئے کہ وہ جاگ گئی ہے۔

"ٹھک ٹھک ٹھک"۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جائیں بابا"۔

اور ــــ بابا شام کی چائے کیساتھ فرنچ رولز اور سینڈوچز لے آئے۔ تا کہ دوپہر کا کھانا بھی تو اس نے نہیں کھایا تھا۔

"بابا میں کچھ نہیں لونگی"۔

بابا نے آگ جلائی۔ لیمپ روشن کیا۔ پردے برابر کیئے۔

"بیٹی کیسی بات کرتی ہو۔ اگر ایسی کوئی بات ہوئی بھی ہے"۔ وہ سمجھ گئے تھے ضرور کچھ ہوا تھا۔ اتنا شدید کہ وہ یہ جگہ چھوڑ کر جانے پر مجبور ہو رہی تھی۔ "تو کیا تم بھوکی، پیاسی رہو گی۔ چہرہ دیکھو چند گھنٹوں میں لگتا ہے دنوں کی بیمار ہو۔ تم ہماری ذمہ داری پر ہو بیٹے۔ تمہارا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے"۔

اور بابا کی ہمدردی پاتے ہی اسکی آنکھیں بھیگ گئیں۔

صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ بے اختیار رو دی۔

"نہیں بیٹا روتے نہیں"۔ پاس آ کر بابا نے اسکے سر پر ہاتھ رکھا۔

اور وہ ــــ مزید رونے لگی۔ پھوٹ پھوٹ کر۔

ساتھ میں یہ احساس مارے دے رہا تھا کہ ابھی اور بھی کچھ دیر دلاور خان کا سامنا کرنا تھا جس کیلئے وہ بالکل غیر ضروری تھی۔ بوجھ تھی اس پر!

بابا کے بہت تسلی دینے پر اس نے آنسو پونچھ لئے مگر انکے بہت اصرار پر بھی یہ نہیں بتایا کہ اسکی یہ حالت کیوں تھی؟

"بیٹی یہ چائے پی لو ورنہ میں ناراض ہو جاؤنگا"۔



اور بابا کا یہ حربہ کامیاب رہا۔

بابا نے اس کیلئے کپ میں چائے ڈالی۔ اور اس نے انکی خاطر آہستہ آہستہ پی لی۔ تبھی اسے احساس ہوا اسکے سلگتے ذہن اور چور چور جسم کیلئے اس وقت چائے کی واقعی ضرورت تھی۔

"کچھ بھی کھا لو۔ صبح کی بھوکی ہو"۔

"بس بابا۔ میں لیٹوں گی میرے جسم میں درد ہو رہا ہے۔ سر میں بھی سخت درد ہے"۔

بابا نے جھٹ سے اسکے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

"دہک رہا ہے یہ تو بیٹی۔ مجھے شبہ تھا تمہیں بخار ہے... میں گولی لاتا ہوں"۔

"نہیں بابا۔ کچھ مت لائیں۔ لیٹنے سے ٹھیک ہو جائیگا"۔

"لیکن تمہارا پیٹ بھی تو خالی ہے۔ کچھ کھاؤ تو گولی دوں"۔

"آرام کروں گی بابا تو ٹھیک ہو جائیگا"۔

بابا لاجواب سے اسے دیکھتے رہے۔

اسکی آنکھیں جل رہی تھیں۔ سخت سردی لگ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بستر پر چلی گئی۔

بابا نے اسے اچھی طرح کمبل اوڑھائے۔ اور برتن لے کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

رات آٹھ بجے بابا نے دستک دی۔ اسکا حال دریافت کیا۔ ڈنر کا پوچھا۔ مگر ــــ

"بابا اس وقت دل نہیں کر رہا"۔

پریشان سے بابا واپس چلے گئے۔

دلاور خان نو بجے ہی آ گیا۔ زیادہ دیر کرتا تو یقیناً دلآرام سو جاتی اور اسے جگانا مناسب نہ تھا۔

ملازم جیپ میں سے شکار اور دوسرا سامان وغیرہ نکال رہے تھے اور وہ سیدھا اندر آ گیا۔

کوریڈور میں سے گزرنے لگا تو ایک پل کو رکا، کچھ سوچا اور پھر دھیرے سے دلآرام کے دروازے پر دستک دی۔ اسکی معصوم صورت دیکھ کر ہی وہ اپنے کمرے میں جانا چاہتا تھا۔

"آ جائیں"۔ اسکا خیال تھا پھر بابا آئے تھے۔

اور ــــ دلاور خان اندر آ گیا۔

سر سے لیکر پاؤں تک دھول میں اٹا، اوورکوٹ اور برجز میں وہ ہمیشہ کی طرح شاندار لگ رہا تھا۔

دلآرام نے نظریں دوسری طرف کرلیں۔

''گڈ ایوننگ میم''۔وہ پاس چلا آیا۔

''ہیلو''۔اس نے آہستہ سے کہا اور ــــ

کمبل اپنے چہرے پر کھینچ لئے۔

وہ حیران سا ہوا۔دلآرام کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح کوئی خوشی نہیں ابھری تھی۔نہ رنگ گلابی ہوا تھا نہ پلکیں جھکی تھیں۔

کہیں اسکی طبیعت تو خراب نہیں تھی۔

''دلآرام''۔اس نے اسکے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر حرارت محسوس کرنا چاہی۔مگر ــــ

دلآرام نے آہستہ سے اسکا ہاتھ ہٹادیا۔

وہ مزید حیران ہوا۔

''دلآرام۔کیا بات ہے''۔

''کچھ نہیں''۔اسکے الفاظ کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری تھے۔

''تمہیں کیا ہوا ہے''۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔چہرہ اب بھی کمبل سے ڈھکا تھا۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے نا''۔وہ مزید بولا۔

وہ اب بھی چپ رہی۔

''میں نے کچھ کیا ہے؟''

وہ اب بھی خاموش تھی۔

اور ــــ وہ تھکے تھکے سے قدم اٹھاتا کچھ سوچتا ہوا باہر نکل کر اپنی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

کیا بات ہوسکتی تھی؟

وہ تو اسے دیکھ کر چھوٹے بچوں کی طرح اپنی خوشی چھپا ہی نہیں سکتی تھی۔آج کیا ہوگیا تھا اسے؟

شاید طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔مگر بات تو کرسکتی تھی۔نظریں اٹھا کر اسے دیکھ تو سکتی تھی!

جانے کیا ہوا تھا؟اس نے کندھے اچکائے۔



مگر وہ ناامید ضرور ہوا تھا۔

جلدی جلدی سب نمٹا کر دوستوں سے اجازت لے کر وہ تیزی سے گھر کی طرف لوٹا تھا۔ کہ وہ سونہ جائے اس کیساتھ کھانا کھائے گپ شپ کرے۔مگر ــــ

پتہ نہیں کیا بات تھی؟وہ کچھ بتاتی بھی تو نہیں تھی۔

وہ باتھ روم گیا۔گرم گرم پانی سے نہایا تو طبیعت بشاش ہوگئی۔شلوار قمیض پر نرم وگرم سویٹر پہنا۔موزے اور چپل پہنے تو اچھا محسوس کرنے لگا۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

''یس''۔

بیرا تھا۔ڈنر لگنے کی اطلاع دینے آیا تھا۔

''اوکے۔آتا ہوں''۔

بیرا واپس چلدیا۔

اور ــــ اسے پھر دلآرام کا خیال آیا۔کیا بات ہوسکتی تھی؟

''ٹھک ٹھک ٹھک''۔ایک بار اور دستک ہوئی۔

''یس''۔

بابا تھے۔اندر آگئے۔پھر قریب آگئے۔

''سرکار۔دلآرام بی بی کل گیارہ بجے کی فلائیٹ سے گھر جارہی ہیں''۔

''کیا مطلب؟''۔وہ متحیر سا بولا۔

''سرکار!صبح سے رورہی ہیں۔کچھ کھا پی نہیں رہیں۔بخار بھی ہے۔بہت پوچھنے پر بھی کچھ نہیں بتاتیں۔میرے بہت سمجھانے کے باوجود شہر گئیں اور کل کیلئے ٹکٹ خرید لیا۔وہ تو آج جارہی تھیں مگر...''بابا جھجکتے جھجکتے بتارہے تھے۔

''شہر گئیں؟آپ کہاں تھے؟''وہ دھاڑا۔

''سرکار میں ساتھ تھا''وہ ڈرتے ڈرتے بولے۔

''آپ بھی ساتھ تھے؟''وہ اور بھی چلایا

"میں کیا کرتا سرکار... اکیلے کیسے جانے دیتا..."

اور ــــ دلاور خان مزید کچھ کہے سنے بنا سیڑھیاں اترنے لگا۔بابا پیچھے پیچھے تھے۔

"بابا۔ڈرائیور کو بھیجیں۔ڈاکٹر لیکر آئے"۔وہ قدرے مدھم پڑ گیا تھا۔

"جو حکم سرکار"۔بابا کی بھی جان میں جان آئی۔اسی وقت سے تو ڈرتے تھے وہ!

دلآرام کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے وہ خود ہی اندر چلا آیا۔

اسکا چہرہ کمبل سے باہر تھا۔اسے دیکھتے ہی دوبارہ اندر چھپا لیا۔

پریشان ہونے کے باوجود اسکے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

پاس جا کر اسکے بستر کے کنارے پر بیٹھ گیا۔زبردستی اسکی نبض چیک کی۔واقعی تیز بخار تھا۔

اسکے احتجاج کے باوجود اس نے اپنے ہونٹ اسکے ماتھے پر رکھ دیئے۔

"مجھے مت چھوئیں"۔اسکے لہجے میں سختی تھی۔

اور ــــ دلاور خان کی نظر اسکے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھے اسکے ٹکٹ پر پڑی۔

اٹھا کر دو ٹکڑے کر کے اسے جلتی آگ میں پھینک دیا۔

"کیوں کیا آپ نے یہ؟" وہ قدرے تیزی سے بولی۔

"میں جو کرتا ہوں اسکی صفائی نہیں دیتا"۔وہ بھی تیزی سے بولا۔"اور اب بتاؤ کیا بات ہے۔مجھے یہ مت کہنا کہ کچھ نہیں ہے۔کچھ ہے ضرور۔اور میں جاننا چاہتا ہوں ابھی"۔

واہ ــــ کیا رعب تھا!

"میں نہیں بتاؤں گی"۔وہ رخ دوسری طرف پھیرتے ہوئے بولی۔

"دیکھو دلآرام! میں پھر کہتا ہوں مجھے سب بتا دو میں جاننا چاہتا ہوں اور جانے بغیر یہاں سے جاؤں گا نہیں چاہے صبح تک بیٹھنا پڑے"۔

یہ کیسا آدمی تھا۔جان ہی نہیں چھوڑتا تھا۔

"آپ مجھے نہیں میری شکل میں نازیہ کو چاہتے ہیں۔آپ نے مجھے اپنے قریب لاکر مجھے نہیں نازیہ کو چاہا ہے۔اور یہ میری انسلٹ کے سوا اور کچھ نہیں"۔

اور ــــ دلاور خان نے ایک گہری سانس لی۔



"میں تمہیں بتاتا ہوں سب۔اور میں جو کہوں گا سچ کہونگا۔اس میں ایک حرف بھی جھوٹ نہیں ہوگا۔سو تم نے میری بات کا یقین کرنا ہے۔

لنڈن میں پڑھائی کے دوران یونیورسٹی کے ایک فنکشن میں ایک لڑکی میرے پاس آئی کہا وہ بھی پاکستانی ہے۔اسکی فیملی اسکی پیدائش سے پہلے یہاں رہ رہی ہے۔اس نے اپنا تعارف کروایا۔بات آئی گئی ہوگئی۔لیکن جلد ہی نازیہ کی ماں بقول اسکے خاص طور سے مجھ سے ملنے میرے فلیٹ پر آئیں۔اور مجھے اپنے گھر انوائیٹ کیا۔

اس طرح سے ہماری جان پہچان کی ابتدا ہوئی۔دنوں میں ہی نازیہ نے انکشاف کیا کہ وہ مجھے پسند کرنے لگی ہے۔میں مانتا ہوں کہ وہ بہت خوبصورت تھی اور اسکی شکل تم سے اس قدر مشابہ تھی کہ تمہیں دیکھ کر میں چکرا سا گیا تھا۔تم نے نوٹ کیا ہوگا شاید کہ شروع شروع میں تمہیں دیکھ کر ساکت سا رہ جاتا تھا۔بات یہ نہیں تھی کہ تم میں مجھے نازیہ نظر آتی تھی۔بلکہ تمہیں دیکھ کر مجھے اسکا خیال آجاتا تھا۔اس نے جو میرے ساتھ دھوکہ کیا تھا۔میں اس تمام واقعے سے فرار چاہتا تھا۔تمہیں دیکھتے ہی وہ سب کچھ مجھے پھر سے اپنی گرفت میں لے لیتے تھے۔

پھر جلدی ہی جانے کیوں میں لاشعوری طور پر بات بات میں تمہارا اور اسکا مقابلہ کرنے لگا۔

وہ حیا جیسی چیز سے ناواقف تھی۔میرے ہوتے ہوئے بھی اپنے پچھلے بوائے فرینڈز سے تعلق قائم رکھے تھی۔بہت ننگے ڈریسز پہنتی تھی، سگریٹ پیتی تھی، ڈرنکس کرتی تھی، اور میں کبھی ان باتوں سے منع کرتا تو الٹا بحث کرنے لگتی۔پھر پڑھائی ختم ہوئی تو میرا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔مجھے کمر میں چوٹ آئی تھی اور ڈاکٹرز کو خدشہ تھا کہ صحت یاب ہونے پر بھی شاید میری ٹانگیں کام نہ کر سکیں۔

نازیہ ہوسپٹل مجھے دیکھنے آئی۔یہ بات پتہ چلی تو میرے پاس آنا بھی گوارا نہ کیا۔اسکے پیرنٹس جو ہر وقت میرے آگے پیچھے ہوتے تھے۔وہ بھی پھر نظر نہیں آئے۔نازیہ الگ فلیٹ میں اپنے ایک بوائے فرینڈ کیساتھ رہنے لگی تھی۔

میں ٹھیک ہوگیا تو اس کے گھر گیا۔ایک بار پھر اسکے پیرنٹس نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔نازیہ کی ماں نے کہا نازیہ الگ فلیٹ میں رہنے لگی ہے۔مگر وہ اسے منالیں گی مجھے فکر کرنے کی ضرورت

نہیں۔ میں نے کہا میں اس بات کیلئے نہیں بلکہ یہ بتانے آیا ہوں کہ اگر وہ میرے پاس آئی تو میں اسکی ٹانگیں توڑ دونگا۔

اسکے باوجود وہ ایک بار پھر میرے فلیٹ پر آنے لگی۔ معافیاں مانگتی رہتی، روتی رہتی۔ مگر میں دونوں ماں بیٹی کی چال سمجھ چکا تھا۔ نازیہ کو مجھ سے زیادہ میرے سٹیٹس اور گلیمر سے محبت تھی۔ میں سب چھوڑ چھاڑ پاکستان چلا آیا۔

مجھے وہ پسند تھی۔ مگر اس پسند کے دوران بھی میں کچھ غیر مطمئن سا رہتا تھا۔ اس سے پیار کرتا تھا مگر اس پیار میں وہ شدت نہ تھی جو بے اختیار پیار ہو جانے پر ہوتی ہے۔ اول تو شاید اسلئے کہ یہ پسند اسکی طرف سے ہوئی تھی۔ دوسرے یہ کہ بقول اس کے وہ مجھے بہت چاہتی تھی لیکن میرے لئے اپنے پچھلے بوائے فرینڈز کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

اس کے بہت ننگے کپڑے، شراب، سگریٹ مجھے بالکل پسند نہیں تھے۔ مگر وہ میری خاطر یہ قربانی دینے کو تیار نہیں تھی۔

یہی سب باتیں مجھے بے چین رکھتی تھیں۔ اگر اسے واقعی مجھ سے محبت تھی۔ تو وہ اپنے آپکو بدلنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی تھی؟ یہی سوال مجھے بیقرار کیے رکھتا تھا! میں اسکے ساتھ گھومتا پھرتا تھا۔ مگر اندر سے خالی خالی سا رہتا تھا۔ کچھ تھا، کچھ کمی تھی کہ میں مکمل طور پر Satisfied نہیں تھا۔

لیکن اسکا یہ مطلب نہیں تھا کہ میرے دل میں کھوٹ تھا۔ نہیں۔ میں Sincere تھا۔ میری پڑھائی ختم ہونے کو ہوئی۔ تو وہ شادی پر زور دینے لگی۔ میں نے بھی اسی میں بہتری سمجھی۔ سوچا بائے گی شادی تو شاید وہ ٹھیک ہو جائے۔ اور شاید میں جو خالی خالی سا محسوس کرتا ہوں۔ بھرپور محبت کرنے لگوں اس سے۔ لیکن —— اس سے پہلے ہی میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ ہر بات میں خدا کی مصلحت ہوتی ہے۔ اسی دوران اسکی اصلیت مجھ پر پوری طرح کھل گئی اور میں ایک زبردست غلطی کرنے سے بچ گیا''۔

وہ قدرے رکا کچھ سوچا۔

''پچھلے دنوں جب میں گھر گیا''۔ وہ پھر کہنے لگا۔ ''تو بہت سوچا بہت غور کیا۔ کہ میں ابھی



ایک لڑکی کی بیوفائی کے Shock سے Recover نہیں ہوا تھا اتنی جلدی دوسری لڑکی کی طرف سے کیسے اٹریکٹ ہوا؟ میں نے خود بھی اس پہلو پر سوچا کہ کہیں تم میں دلچسپی نازیہ سے تمہاری مشابہت تو نہیں تھی۔ دل نے فوراً کہا ایسا نہیں تھا۔

بہت سوچ بچار کے بعد مجھے اندازہ ہوا۔ شکلیں بے شک ایک سی تھی تم دونوں میں تربیتوں کا فرق تھا۔ جہاں ایک آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی تھی وہاں دوسری نظریں ملاتے ہوئے گھبراتی تھی۔ بڑا فرق تھا!

اسی لئے میں —— خود بخود کھینچا چلا آیا تھا تمہاری طرف۔ تمہاری طرف سے کسی کوشش کی ضرورت نہ تھی۔ اور یہی شاید پیار کہلاتا ہے!

پھر میں نے دیکھا تم بالکل Inexperienced تھیں۔ غیر آدمی کے پاس بھی نہیں پھٹکی تھیں۔ اسلئے بہت معصوم تھیں۔ تمہاری باتوں تمہاری حرکتوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ میں تمہاری زندگی میں پہلا مرد ہوں جسے تم پسند کرنے لگی ہو۔ سو...''

اس نے گہری سانس لی۔

دلآرام سب سن رہی تھی۔

اس آدمی میں —— اسکی باتوں میں —— کچھ تھا۔

دلآرام کو اسکی ہر بات پر یقین کرنا پڑا!!

مگر اپنے سارے دن کی کوفت، اذیت اور بے کلی کو اس وقت پھر آنکھوں کے راستے راستہ ملا۔ آنسو امڈ امڈ کر گالوں پر آ رہے۔

دلاور خان نے بڑھتے ہوئے اسکی دونوں آنکھوں پر باری باری پیار کیا۔ انگلیوں سے اسکے آنسو پونچھے۔

''کیا حالت بنا رکھی ہے اپنی۔ بخار بھی چڑھا لیا ہے۔ بابا کہتے تھے تم نے کچھ کھایا پیا بھی نہیں۔ پتہ ہے اس طرح تم اپنے کو نہیں مجھے سزا دے رہی ہو...''

وہ خاموش تھی۔ وقفے وقفے سے ہچکیاں لے رہی تھی۔

''اور —— یہ تم نے یہاں سے چلے جانے کا کیسے سوچ لیا؟ پہلے مجھ سے بات تو کی ہوتی۔''

’’بات تو کی ہوتی‘‘۔ ہچکی لیتے ہوئے وہ پھولے پھولے منہ کیساتھ وہ اسی کے لب ولہجے میں بولی۔

دلاور خان مسکرا دیا۔ وہ واقعی بچوں کی طرح تھی۔

پل میں ناراض، پل میں خوش!

اس نے اسکا ہاتھ اپنائیت سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

’’کتنا تیز بخار ہے‘‘۔

’’آپکی وجہ سے ہے‘‘۔ وہ اب بھی روٹھی روٹھی سی تھی۔

سخت سردی میں بغیر کوئی گرم چیز پہنے شہر تک گئی آئی تھی۔ کہ سویٹر اور جیکٹ دلاور خان کے خریدے ہوئے تھے۔ بخار نہ ہوتا تو کیا ہوتا!

اور دلاور خان نے آہستہ سے سر ہلایا۔

’’ہائے داوے یہ آفت ٹوٹی کیسے؟‘‘

’’آپکے کمرے میں آپکی کتاب میں اسکی تصویر تھی‘‘۔

’’تم میری اجازت کے بغیر میرے کمرے میں کیوں گئیں؟‘‘ وہ سنجیدگی سے بولا۔

دلآرام نے فوراً اسے بغور دیکھا۔ اسکی آنکھیں اسکی آواز کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ شوخی تھی ان میں، شرارت تھی!

تو ___ رعب ڈال رہا تھا اس پر!

’’پھر بھی جاؤنگی‘‘۔

’’او کے یور میجیسٹی! اب آگے بتائیں پھر کیا ہوا؟‘‘

’’آپکی رائیٹنگ ٹیبل پر ایک کتاب میں اسکی تصویر رکھی تھی... میں سمجھی میری تصویر ہے...‘‘

’’ہوا نا دھوکہ‘‘۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

’’آپ اسکے ذکر پر مسکرائے کیوں ہیں‘‘۔

’’اچھا بابا۔ آئیندہ خیال رکھوں گا‘‘۔

’’اچھی لگتی ہے وہ اب بھی‘‘۔ دلآرام نے یوں ہی پوچھ لیا۔



’’نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ماں کے کہنے پر صرف میرے پیسے کے پیچھے تھی۔ مجھ سے اسے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا‘‘۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ اور بابا کی ہمراہی میں ڈاکٹر اندر آ گیا۔

ڈاکٹر نے اسکا ٹمپریچر، بلڈ پریشر وغیرہ چیک کیا۔

’’بخار ہے مگر کوئی فکر کی بات نہیں۔ دوائی لکھ دیتا ہوں۔

انشاءاللہ کل تک ٹھیک ہو جائینگی‘‘۔

دلاور خان ڈاکٹر کے ساتھ باہر تک آیا۔ جیپ چل پڑی۔ تو واپس اندر آ گیا۔

’’بابا کھانا ادھر ہی لے آئیں۔ ہم دونوں کھائیں گے‘‘۔ بابا کوریڈور میں ہی مل گئے۔

’’جیسا حکم سرکار‘‘۔

بابا بہت خوش لگ رہے تھے۔ ایک تو دلآرام کی سارے دن کی ان پر جو ذمہ داری آ پڑی تھی وہ ہلکی ہو گئی۔ دوسرے انکی دوررس نگاہیں شروع دن سے دلاور خان اور دلآرام کی ایک دوسرے میں دلچسپی دیکھ رہی تھیں۔ پتہ نہیں کیا بات تھی دلآرام میں کہ اسکو انہوں نے پہلے دن سے ہی اپنے چھوٹے سرکار کیلئے پسند کر لیا تھا۔

بابا کھانا لے آئے، میز پر دلآرام کے بستر کے قریب لگانا چاہا۔ مگر اس نے منع کر دیا۔

بابا نے کھانا وہیں انگیٹھی کے پاس لگا دیا۔

سبزیاں تھیں اور تیتر۔ جو یقیناً دلاور خان شکار کر کے لایا تھا۔

اس نے نوٹ کیا تھا۔ وہ زیادہ تر سبزیاں کھاتا تھا۔ یا پھر شکار کا گوشت۔ جیسے اسے اپنی صحت اور فزیک کا خاص خیال تھا!

دونوں کھانا کھانے بیٹھ گئے۔

دلاور خان نے سفید شفاف نیپکن کھول کر دلآرام کے آگے بچھا دیا۔

ہر ڈش اسے خود سرو کیا۔

پھر نوالہ بنا کر اپنائیت سے اسکے منہ میں دیا۔

’’کھانا ٹھیک سے کھاؤ۔ دوائیاں بھی لینی ہیں تم نے‘‘۔

وہ پیار بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی اور بس!

"یہ تو تم نے اسکی بہت ڈیسنٹ تصویر دیکھی ہے۔ شکر ہے سوئمنگ کے وقت بکنی میں اور لیٹتے وقت نائیٹی میں نہیں دیکھیں۔" وہ بات چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ دلنشیں آنکھوں میں شرارت تھی۔

"وہ آپ رکھیں۔ انڈے اور بچے دینگے"۔

اور دلاور خان کا جاندار قہقہہ بلند ہوا۔

"مذاق کرتا ہوں میں نے اسکی ہر چیز کبھی کی جلادی ہے۔ یہ تصویر پتہ نہیں کیسے رہ گئی تھی۔ شاید تمہیں مجھ سے لڑوانا تھا اس نے"۔

دلآرام اسے دیکھ رہی تھی۔ کتنا چاہتی تھی وہ اسے!

"آئندہ نہیں لڑونگی"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"تمہارا کیا بھروسہ"۔

"کیوں؟"

"مجھے بتائے بغیر ٹکٹ تک خرید لیا۔ کیسے بھروسہ کروں"۔

اسے خیال آیا وہ اس قدر ڈسپریٹ ہوگئی تھی کہ پیدل اور جانے کن کن مرحلوں سے گزرتی اس پار شہر گئی تھی ٹکٹ خریدنے اور اسے دل سے نکال دینے تک پر آمادہ ہوگئی تھی۔ اس قدر تکلیف پہنچی تھی اسے اپنے پیار میں کسی کو شریک دیکھ کر!

"اچھا آئندہ یہ ٹوپک ڈسکس ہی نہیں کرینگے"۔ دلآرام نے کہا۔

"یہ ہوئی نا بات"۔ وہ خوشگواری سے بولا۔

دونوں کھانا کھا چکے تھے۔ دلآرام دوائی لے کر بستر میں لیٹ گئی۔ دلاور خان کیلئے بابا کوفی لے آئے۔

"بابا کوریڈور میں سوتے ہیں نا"۔ وہ اپنی تسلی کی خاطر بولا۔

"جی"۔ وہ تھکی تھکی سی بولی۔

"اگر وہ نہیں سوتے تو بتادو میں سوجاؤں گا"۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کوریڈور میں؟" وہ حیرت سے بولی۔



"نو مَیم۔ تمہارے پاس والے بیڈ میں"۔ اسکی دلنشیں آنکھوں میں شوخی تھی، شرارت تھی۔

"نو سر۔ آپ تشریف لے جائیں۔ بابا آتے ہی ہونگے"۔ وہ بھی اسی کے انداز میں بولی۔

اور واقعی بابا آگئے۔ انگیٹھی میں مزید لکڑیاں رکھنے۔

"بابا۔ رات کو دلآرام بی بی کا خیال رکھیں"۔ اس نے بابا سے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں سرکار"۔

"کوئی بات ہو تو مجھے آکر جگادیں ٹھیک"۔

"جیسا حکم سرکار"۔

"جائیں ابھی سے اپنا بستر کوریڈور میں لگادیں"۔

"جی حضور"۔

اور—— بابا کمرے سے باہر چلے گئے۔

گیارہ بج چکے تھے۔ کوفی کا خالی مگ میز پر رکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

دلآرام کے پاس آیا۔ آہستہ سے جھکا۔

اور دھیرے سے اپنے ہونٹ اسکے ماتھے پر رکھدیئے۔

"جلدی جلدی ٹھیک ہوجاؤ سمجھیں"۔

اس نے سر اثبات میں ہلادیا۔

"او کے۔ گڈ نائیٹ"۔

"گڈ نائیٹ"۔

"اور—— بڑے بڑے قدم اٹھاتا وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

دن تیزی سے گزر رہے تھے۔ پل پَر لگا کر اڑ رہے تھے جیسے۔

دلآرام اور دلاور خان ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے تھے۔ دلاور خان کی اسکی حسین آنکھوں کے میخانوں میں اپنا سب کچھ لٹا چکا تھا اور ـــــ

دلآرام اسکے مضبوط بازوؤں میں گھری ساری دنیا بھلا بیٹھی تھی!

دلاور خان کو آئے مہینہ ہونے کو تھا۔ مگر اب بھی یہیں تھا۔ جانے کو جیسے دل ہی نہیں کر رہا تھا۔

سردی کی شدت ماند پڑ گئی تھی۔ دن پھیل رہے تھے۔ راتیں سکڑ رہی تھیں۔

جنگلی گلاب جوبن پر تھے۔ جھاڑیوں میں ان گنت کاسنی پھول کھل اٹھے تھے۔ اور سرسوں اب بھی پیلی ہو رہی تھی۔

صبح دس بجے رہے تھے۔ دلآرام اور دلاور خان ڈائیننگ ہال میں ناشتہ کر رہے تھے۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی۔

"جان! اب تو مجھے جانے دو۔ بابا جان فکر مند ہو رہے ہونگے"۔

اور ـــ دلآرام نے یہ لمبی زبان نکالی۔

"یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا۔ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا"۔

پچھلے دو چار دن سے وہ جب بھی جانے کا کہتا۔ وہ روک لیتی۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ کہ اس کے بابا جان متفکر ہونگے۔

"چلو اب تو بتا دیا نا اور اس بار تو میں سوچ رہا تھا۔ آصف انکل کے وکیل سجانی صاحب سے ملوں تا کہ آگے بھی کچھ کیا جا سکے۔ تمہاری سٹیپ مدر اور ماموں تو شاید یوں آسانی سے نہ جائیں کوٹھی سے۔ اور پھر"۔ وہ مسکرایا۔ "تمہاری ماما شفقت بھی میرا انتظار کر رہی ہونگی"۔

"کتنے مسئلے پڑے ہیں میں تو سوچ کر گھبرا جاتی ہوں"۔



"میں ہوں نا تمہارے مسائل Face کرنے کو۔ تم کیوں فکر کرتی ہو"۔

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں قسمت مجھے یہاں نہیں کسی اور جگہ لے گئی ہوتی تو؟"

"اور پھر اتنی خوبصورت لڑکی"۔ وہ شرارت سے اسکی آنکھوں میں جھانکا۔ "باپ رے"۔

"آپ میری اتنی تعریف مت کریں"۔

"کیوں"۔

"پھر جواب میں میں آپکی کرنا چاہتی ہوں مگر مجھے شرم آ جاتی ہے"۔ وہ سرخ سی ہوتے ہوئے بولی۔

"کبھی تو کر ہی لو"۔

"ہوں... اچھا... کرتی ہوں"۔

"I'm all ears, Ma'am."

"آپ بہت سویٹ ہیں، بہت کیوٹ ہیں، بہت چوکلیٹ ہیں"۔

دلاور خان کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا۔

اسے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اس معصوم سی تعریف میں اسے کیا دے، کیا کہے؟

اس نے میز پر رکھے اسکے ہاتھ پر آہستہ سے اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

"تمہیں چوکلیٹس بہت پسند ہیں"۔

"ہاں"۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ اڈورنگ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

اور ـــ دلآرام پلکیں گراتی اٹھاتی رہی۔

تبھی بیرا پاس آیا۔

"سر۔ یہ میسیج پار شہر سے پبلک کال آفس والوں نے بھیجا ہے"۔ اس نے ایک بند لفافہ اسے تھمایا۔

"بابا جان کا ہوگا۔ میں نے کہا تھا نا فکر مند ہو رہے ہونگے"۔ لفافہ کھولتے ہوئے وہ جیسے خود سے بولا۔

پھر—— میسیج پر نظر دوڑائی۔ چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے۔

نازیہ نے فون کیا تھا۔ پاکستان آئی تھی۔ ریکویسٹ کی تھی کہ فلاں فلاں نمبر پر دلاور خان اس سے بات کرے۔

''تم جاؤ''۔ اس نے بیرے سے کہا۔

بیرا چلا گیا۔

اور—— میسیج کا کاغذ اس نے توڑ مروڑ کر خالی پلیٹ میں رکھ دیا۔

دلآرام اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''پہلے اس کے کہ تم مجھ سے پوچھو میں بتا دوں کہ یہ نازیہ کا میسیج تھا اور مجھے فون کرنے کو کہا تھا''۔ اس نے صاف صاف بتا دیا۔ وہ کوئی بھی بات اس سے پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

دلآرام کا رنگ جیسے کسی نے نچوڑ لیا۔

''مگر... آپ دونوں کا تعلق تو ختم ہو چکا تھا''۔ اسکی آواز جیسے دور سے آ رہی تھی۔

''ختم تو ہے''۔

''کہاں سے فون کیا ہے؟''

''یہیں پاکستان سے۔ پاکستان آئی ہوئی ہے''۔

دلآرام کا ننھا سا دل جیسے بیٹھ سا گیا۔

''صاحب جی۔ آپ اسکے پاس گئے تو میں مر جاؤنگی''۔

'کیسی بات کرتی ہو۔ تمہیں چھوڑ کر میں اسکے پاس جاؤنگا''۔

''ملیں گے بھی نہیں''۔

''نہیں ملونگا''۔

''پرومس''۔

''پرومس''۔ اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اسکے نازک سے ہاتھ پر رکھا۔ ''اور اب یہ بات ذہن سے نکال دو۔ اس سے میرا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ یہ اور بات ہے کہ اسے پاکستان آتے ہوئے اپنی ماں نے یا پھر خود اسے خیال آیا ہو کہ مجھ سے دوبارہ تعلق جوڑے... مگر یہ انکا بہت غلط



خیال ہے''

دلآرام سوچ میں پڑ گئی تھی۔

''میری بات کا یقین نہیں؟''

''ہے پر...''

''پر کیا؟''

''وہ آپ کو چھوڑ کیوں نہیں دیتی''۔

وہ مسکرا دیا۔ دھیرے سے۔

''تم فکر مت کرو۔ کچھ نہیں ہوگا۔ اور اب میں تمہیں بھی یہاں سے لیجانے کا بندوبست کرتا ہوں۔ اس بار جا کر تمہاری کوٹھی خالی کروانے کا کچھ کرونگا۔ اگلی بار آ کر تمہیں ساتھ لیتا جاؤنگا۔ وہیں چند میل پر ہم بھی رہتے ہیں۔ میرے نزدیک رہوگی تو تمہارے دل میں شکوک سر نہیں اٹھائینگے۔ اور پھر اب مجھے بھی ذرا ہاتھ پاؤں ہلانے ہونگے۔ شادی کے بعد بیکار تو نہیں بیٹھا جاتا نا۔ بیوی بچے کیا کھائینگے۔ اسلیئے مجھے زیادہ تر وہیں رہنا پڑیگا۔ سو تمہارا میرے قریب رہنا ضروری ہے''۔

وہ سنتی رہی۔ وہ سب ٹھیک کہہ رہا تھا۔

وہ دونوں ناشتے کی میز پر سے اٹھ آئے۔

دلآرام باہر برآمدے کی پتھریلی سیڑھیاں اترنے لگی۔

دور فاصلے پر وسیع و عریض ایریا پر محیط جنگلی گلاب جیسے آسمان کے تمام تارے چرا لائے تھے۔

کتنے Enchantig لگ رہے تھے!

ان پر ہی نظریں جمائے وہ برآمدے کے آس پاس دھیرے دھیرے پھرتی رہی۔ اب بھی سوچوں میں گم۔ نازیہ کی پاکستان آمد اسے یقیناً پریشان کیے تھی۔

دلاور خان نے ڈرائیور کو اپنے لیئے ٹکٹ لانے کیلیئے بھیجا۔ خود اوپر اپنے بیڈروم سے متصل اپنی لائبریری میں چلا گیا۔ کچھ کام تھے ضروری جو جانے سے پہلے نمٹانے تھے۔

کام کرتے کرتے اسے دلآرام کا خیال آ گیا۔ کتنی اپ سیٹ لگ رہی تھی نازیہ کے پاکستان آمد کا سن کر۔

اٹھتے ہوئے وہ سامنے والی کھڑکی میں سے جھانکا۔ دلآرام چلتی چلتی جنگلی گلابوں کے قریب پہنچ گئی تھی۔

"دلآرام"۔ اس نے کھڑکی سے ہی پکارا۔

رخ موڑ کر وہ اوپر دیکھنے لگی۔

"اوپر آجاؤ"۔

اور ــــ دلآرام وہیں سے پلٹ آئی۔ اسکی لائبریری میں آگئی۔

"بیٹھو"۔ اس نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ آہستہ سے بیٹھ گئی۔

دلاور خان ایک ضروری خط لکھنے میں مصروف ہوگیا۔

"کچھ کہنا تھا آپ نے؟"

"یس مائی لو پوچھنا تھا آپکو"۔ وہ اسکی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"وہ مسکرادی۔ مسکراہٹ میں وہ گرمجوشی نہ تھی۔

"بتائیں نا"۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔ تم سامنے بیٹھی رہو میں کام بھی کرونگا اور ساتھ میں تمہیں دیکھتا بھی رہونگا"۔

دلآرام کی مسکراہٹ گہری ہوگئی پر ــــ آنے والے طوفان سے پہلے سکون کی طرح!

دن جیسے پلوں میں گزر گیا۔

اور ــــ اگلے دن اسے ڈھیروں تسلیاں ڈھیروں پیار دیتے ہوئے دلاور خان چلا گیا۔



دلاور خان نے اپنے باباجان کو دلآرام کے متعلق سب بتادیا۔ وہ کس خاندان سے تھی کس کی بیٹی تھی اور کیسے انگلینڈ جاتے ہوئے اسکے جہاز کا کریش ہوا اور وہ بشیر بابا کو مکان کے پچھواڑے ایک چٹان کے پاس بے ہوش پڑی ملی۔ کیسے وہ اسے گھر اٹھا کر لے آئے اور اس سے آگے دلاور خان نے اسکا کیسے خیال رکھا وغیرہ۔

"باباجان میں چاہتا ہوں اب دلآرام کو وہاں سے یہاں اسکے گھر لایا جائے۔ ایک تو اسکی سوتیلی ماں اور ماموں اسکی کوٹھی پر قبضہ کیے بیٹھے ہیں۔ آصف خان کے وکیل بیرسٹر سبحانی کا بھی یہی کہنا ہے کہ اسے آجانا چاہیے اسکی زندہ صورت ہی اسکی تمام جائیداد اس کو واپس مل جانے کی ضامن ہے"۔

باباجان دلآرام کی دکھ بھری داستان اور اس چھوٹی عمر میں بالکل اکیلی رہ جانے پر بہت دکھی ہوئے۔ ایک گہری سانس لی۔

"یہ تو ہے۔ اسے زندہ دیکھ کر ہی کوئی کارروائی کی جاسکتی ہے"۔ وہ دھیمے لہجے میں بولے۔

"پھر آپکا کیا حکم ہے باباجان"۔

"بیٹے تم ہی جاکر اس دکھی بچی کو ساتھ لے آؤ۔ سولہ سترہ برس کیا عمر ہوتی ہے پروردگار"۔

انہوں نے قدرے توقف کیا۔ "مگر وہ اپنی کوٹھی میں اکیلی رہے گی کیسے؟"

"اسکی ایک ماما ہے یہاں"۔

"ماما تو عورت ہے۔ وہ کیا پروٹیکشن دے گی"۔

"نوکر چاکر ہیں..."

"بہر حال تم جاؤ اور اسے لے آؤ۔ پھر ہم سوچیں گے اگر وہ ہمارے پاس خوش ہوگی تو یہیں رہ لے گی۔ یا پھر جیسے وہ چاہے"۔ وہ سوچ سوچ کر بول رہے تھے۔ "اگر اپنے گھر جانے میں

خوش ہے تو پھر گارڈز وغیرہ کا بندوبست کروا دینگے''۔

''جیسے آپکی مرضی بابا جان''۔ دلاور خان مؤدب طریق سے بولا۔

''اور ہاں۔ اپنے کام پر آنے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟'' وہ چاہتے تھے کہ وہ فیکٹریز میں سے ایک کو سنبھالے۔

اسے واقعی اب سیریس ہو جانا چاہیے تھا۔ نازیہ نے اگر درہم برہم کر دیا تھا تو دلآرام کے معصوم پیار نے سنبھالا بھی تو دیا تھا۔

''جیسا آپ حکم کریں بابا جان۔ بس کام شروع کرنے سے پہلے چند دن کسی ٹھنڈی جگہ پر گزارنے کی اجازت دیں۔ آپکو پتہ ہے کام جوائن کرنے کے بعد تو چھٹی کرنا مشکل ہوتا ہے...''

''بس۔۔۔ اتنی سی بات''۔ بابا جان اسکی بچوں کی سی خواہش پر شفقت سے مسکرائے۔

''ضرور جاؤ بیٹا۔ جہاں دل چاہے جاؤ۔ اونچی سے اونچی جگہ پر۔ جہاں خوب ٹھنڈ ہو''۔ انہیں دلاور خان کی گرمیوں میں ہل سٹیشن انجوائے کرنے کی کمزوری کا بخوبی علم تھا!



حسب معمول وہ رات کو پہنچا تھا۔ دلآرام جیسے مجسم انتظار تھی۔ کمرے سے نکل کر کوریڈور میں آ گئی۔ ساتھ ہی بہت دن بعد سامنا کرنے پر ایکبار پھر شرما سی رہی تھی۔

''کیسی ہو میری جان''۔ وہ اسکی شرمیلی آنکھوں میں جھانکا۔

''ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں''۔

''فرسٹ کلاس۔ میں جاتا ہوں اوپر ذرا حلیہ درست کر کے آتا ہوں۔ ہاں''۔ وہ اپنے ہاتھ کی پشت سے اس کا حسین چہرہ سہلاتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے''۔

اور وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

دلآرام اپنے کمرے میں اسکی منتظر بیٹھی رہی۔

اس بار تو وہ اسکے گھر کی بھی خبریں لایا ہوگا۔ ماما کیسی ہونگی؟

تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جائیں''۔ وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

دلاور خان تھا۔ نہا دھو کر ڈھیلی ڈھالی شلوار قمیض پہنے تھا۔ اسکی مخصوص پرفیوم کی مہک اس کے دل میں ہلچل مچانے لگی۔

وہ اسکے مقابل والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کیسی رہیں اتنے دن۔ ہوں''۔

''ٹھیک''۔

''یہاں بھی موسم بدل گیا ہے۔ میں ٹھنڈے پانی سے نہایا ہوں۔ وہاں بس گرمی زور شور سے آنے والی ہے''۔

"بابا جان کیسے تھے؟"۔ دلآرام نے آہستہ سے پوچھا۔

دلاور خان کو اسے اسکے بابا جان کو بابا جان کہتے ہوئے بہت اچھا لگا۔

"ٹھیک تھے۔ کہتے تھے دلآرام کو لے آؤ۔ ہمارے گھر آ کر ہمارے پاس رہے۔ اپنی کوٹھی میں اکیلی کیسے رہے گی۔ بہت دکھی ہوئے تمہاری ساری باتیں سنکر... رہو گی ہمارے یہاں..."

"آں... اپنے گھر رہوں تو کیا ہے؟" وہ انکا دل بھی توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

"جیسے تمہاری مرضی۔ بابا جان بھی یہی کہتے تھے کہ یہ اسکی مرضی پر ہے۔ اگر تم اپنی کوٹھی میں رہنا پسند کرو گی تو پھر وہ تمہاری کوٹھی پر گارڈز مقرر کرینگے"۔

"اوہ۔ کتنے اچھے ہیں بابا جان"۔ وہ ممنون لہجے میں بولی۔

"اور ہاں میں بیرسٹر سبحانی سے ملا تھا۔ وہ کہتے تھے تمہارا آنا اور تمہاری صورت انہیں دکھانا ضروری ہے۔ شاید چند Documents پر تمہارے سائنز کی بھی ضرورت پڑے۔ سو پرسوں تیار رہنا۔ یہاں سے کوچ کرینگے"۔

وہ مسکرادی۔ اسے اس جگہ سے انسیت سی ہوگئی تھی۔

"مجھے تو اب یہاں سے جاتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے"۔

"شادی کے بعد آیا کرینگے مجھے خود بھی یہ جگہ بہت پسند ہے۔ سکون ملتا ہے یہاں"۔

اور — دلآرام کو یاد آیا اس نے جھاڑیاں بیکار گھاس وغیرہ سب صاف کروادیے تھے۔

"میں نے باہر جھاڑیاں وغیرہ کٹوادی ہیں"۔ وہ کچھ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"کیا؟"

"اور لمبی لمبی گھاس سب ہٹادی ہے۔ گیٹ کے پاس اتنی جھاڑیاں تھیں کہ کھلنا مشکل سے تھا"۔ اسکے زور سے چونکنے پر وہ قدرے گھبرائی سی بولی۔

"وہ — دور کونے میں جو جنگلی گلاب ہیں ان کو تو..." وہ کچھ پریشان سا لگنے لگا۔

"نہیں نہیں۔ وہ تو بہت خوبصورت ہیں۔ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں"۔

"اوہ —" اس نے جیسے نجات کی سانس لی۔ "ان کو ہاتھ مت لگانا پلیز!" اسکے لہجے میں التجا تھی۔



"آپکو برا لگا"۔ وہ کچھ پشیمان سی نظر آنے لگی۔

وہ مسکرادیا۔ آہستہ سے۔

"نہیں۔ تم نے اچھا کیا جگہ صاف کروادی۔ پتہ نہیں کیوں مجھے اس گھر کی جھاڑیاں تک اچھی لگتی ہیں..."

"آئیندہ خیال رکھوں گی سر"۔

"ریلیکس۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں"۔ وہ اپنائیت سے بولا۔

وہ کچھ ریلیکس ضرور ہوئی۔

"اور اب مسکرادو پلیز!"

وہ خود بخود مسکرادی۔

"تھوڑا سا ہنس بھی دو۔ Coins تو خرچ نہیں ہوتے"۔

اور — اسکی بات پر وہ بے اختیار ہنس دی۔

دلاور خان کو لگا۔ اچانک جیسے ٹھنڈے میٹھے پانی کا جھرنا بہہ نکلا تھا!

"اچھا — میں تمہارے گھر نہیں گیا"۔ وہ پھر سے بتانے لگا۔ "ابھی ہم ان سے تمہارے مل جانے کی بات سیکرٹ رکھیں گے کہ تم مل گئی ہو۔ سب معاملات طے ہو جائینگے۔ پھر تمہیں انکے سامنے لے جائیں گے..."

دلآرام مطمئن سی اسے دیکھ رہی تھی۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس"۔ دلاور خان بولا۔

بابا تھے۔ ہاتھوں میں ٹرے لئے اندر آگئے۔

"آپ کیلئے کوفی ہے سرکار اور بی بی کیلئے چوکلیٹ"۔

"تھینک یو بابا"۔ دلاور خان خوش ہوتے ہوئے بولا۔

اور بابا برتن میز پر لگا کر خالی ٹرے لئے واپس چلدیے۔

"تم — چوکلیٹ پی رہی ہوتا"۔ اسکا لہجہ شریر تھا۔

"ہاں"۔

"تمہیں یاد ہے پچھلی بار تم نے کہا تھا کہ میں 'چوکلیٹ' ہوں"۔

"اوہ"۔ اسکے خوبصورت چہرے پر لالی سی بکھر گئی۔

"لوگ تو چوکلیٹ عام کھاتے ہیں کسی نے مجھے کھالیا تو؟"

اور — دلآرام کے خوبصورت چہرے پر سایہ سا لرز گیا۔

اس نے مگ واپس میز پر رکھ دیا۔ اسکا خیال نازیہ کی طرف گیا۔ کہیں وہ اس سے مل کر تو نہیں آرہا تھا؟

"آپ اگر نازیہ سے ملے نا تو میں زہر کھالوں گی"۔

اوہ — وہ تو مذاق کی بات کہاں سے کہاں لے گئی تھی!

"تم کیوں ایسی باتیں سوچتی ہو۔ میں نے اس سے تعلق ختم کرلیا ہے تو ختم کرلیا ہے۔ اب اسکے اور میرے درمیان کوئی لنک باقی نہیں رہا۔ مجھے جس ٹائپ کی لڑکی چاہیے تھی مل گئی۔ اب میں کیوں خواہ مخواہ ادھر ادھر وقت ضائع کرونگا"۔

"آپ سچ کہتے ہیں"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"تمہاری قسم سچ کہتا ہوں"۔

دلآرام اب بھی نم آنکھیں لئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"پیو اپنی چوکلیٹ۔ میں نے خواہ مخواہ تمہیں ڈسٹرب کیا"۔

"وہ مگ اٹھا کر آہستہ آہستہ پینے لگی۔

"کل شام کے وقت شہر جائیں گے۔ بہت رونق ہوتی ہے۔ بہت روشنیاں ہوتی ہیں۔ دن کی نسبت شام وہاں بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ وہیں ڈنر بھی کریں گے۔ ہوں"۔ دلاور خان نے اسکا دھیان بٹانے کو Topic ہی بدل دیا۔

رات ڈنر پر بھی اسکی دلچسپ خوبصورت باتیں دلآرام کو اپنی طرف کھینچتی رہیں۔ اس کے خوبصورتی سے کہے گئے ہاں، 'ہوں' اس کے کانوں میں رس گھولتے رہے!

پھر دونوں اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔



شام کے دھندلکے اتر آئے تھے۔ کسان دن بھر کی مشقت کے بعد تھکے تھکائے اپنے گھروں کی طرف چل پڑے تھے اور پرندوں کے غول اپنے اپنے آشیانوں کی طرف رواں دواں تھے۔

وہ لوگ شہر کے مضافات میں لہلہاتے کھیتوں اور ہریالیوں کے بیچ بنی بل کھاتی شنگل روڈ پر آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے۔

مسلح پہریداروں نے دلدار خان کی سفید محل نما کوٹھی کے گیٹ کے بھاری آہنی پٹ وا کئے۔

تو دلآرام چونکی۔

اونچے چٹان پر بنا بھوت بنگلہ جہاں اسے نئی زندگی ملی تھی، جہاں اپنے دکھوں کا مداوا ملا تھا اور جہاں اس نے کچھ بہت حسین وقت گزارا تھا — سب پیچھے رہ گیا تھا۔

اب اسکی زندگی کا نیا باب شروع ہونے والا تھا۔ پتہ نہیں دلاور خان کے بابا جان اسے کیسا سمجھیں؟ کیسا ریسیو کریں؟

گاڑی پورچ میں رکی تو باوردی ڈرائیور نے پہلے اسکا اور بعد میں دلاور خان کا دروازہ کھولا۔

"آؤ دلآرام"۔ دلاور خان نے متذبذب سی دلآرام کو مخاطب کیا۔

وہ اسکے ساتھ ہولی۔

سفید پر عنابی شفون کے خوبصورت ڈریس میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

بابا جان کا پی اے انہیں ریسیو کرنے وہاں موجود تھا۔

"گڈ ایوننگ سر"۔ جبار عجلت سے آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"ایوننگ"۔ دلاور خان نے جواب دیا۔

"گڈ ایوننگ میڈم"۔ اب کے اس نے دلآرام سے کہا۔

"گڈ ایوننگ"۔

"بابا جان کہاں تشریف رکھتے ہیں"۔ دلاور خان نے پوچھا۔

"سر ___ اپنے بیڈروم میں ہیں"۔

"اوکے"۔

دلآرام اور دلاور خان آگے آگے اور جبار پیچھے پیچھے۔ بابا جان کے کمرے کی طرف چلدیئے۔

بابا جان کا بیڈروم خاصا بڑا تھا۔ قیمتی دبیز قالین اور جدید طرز کے آرام دہ فرنیچر سے آراستہ تھا۔ خوبصورت بالکنی کے قریب لگے صوفے پر بابا جان تشریف فرما تھے۔

دلآرام دلاور خان کے ساتھ جھجکتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

دلاور خان باپ کے آگے دوزانو ہوا اور اپنا سر انکی گود میں رکھ دیا۔

کیا لاڈ تھے! دلآرام نے دل میں سوچا۔

پھر بابا جان نے اسکا سر اٹھایا اور ماتھے پر کئی بوسے دیئے۔

باپ کا پیار ایسا ہی تو ہوتا ہے۔ دلآرام کی آنکھوں میں دھواں سا بھرنے لگا۔

دلاور خان اٹھ کر بابا جان کے ایک طرف کھڑا ہوا کہ وہ دلآرام سے مل سکیں۔

دلآرام اب بھی جھجک رہی تھی۔ آنکھوں کا دھواں نمی کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

"سلام علیکم"۔ وہ وہیں سے بولی۔ آواز رندھی ہوئی تھی۔

"ادھر آؤ بیٹی ہمارے نزدیک آؤ"۔ بابا جان بے حد شفقت سے بولے۔

وہ قریب چلی گئی۔ ڈبڈباتی آنکھوں پر اختیار نہ رہا تھا۔

"یہاں بیٹھو ہمارے پاس"۔ انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھایا۔

شفقت سے اسکے سر پر ہاتھ رکھا اور ___

دلآرام کے بس سے بات باہر ہو گئی ___ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

آج دنوں بعد اسے ایک بار پھر احساس ہوا تھا وہ تو اپنا سب کچھ لٹا آئی تھی۔ باپ، ماں۔ کیا رہ گیا تھا اسکے پاس، وہ تو بالکل خالی ہاتھ تھی، تہی دامن!



"نہیں بیٹی"۔ بابا جان نے شفقت سے اسکی پیٹھ سہلائی۔ "روؤ نہیں۔ ہم تمہارے بابا ہیں۔ تم ہماری بیٹی ہو۔ کوئی کمی نہیں پاؤ گی انشاءاللہ"۔ وہ بہت نرم دل واقع ہوئے تھے۔ اور پھر دلآرام پر جو بیتی تھی وہ تو سخت سے سخت دل کو بھی موم کر دیتی۔

وہ روتی چلی گئی۔ آج تو جیسے ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے تھے۔ وہ واپس تو لوٹی تھی مگر خالی ہاتھ ___ کوئی بھی تو نہیں تھا اسکا اپنا!

بابا جان اسکا سر اپنے پہلو سے لگائے تھے، اسکے دکھ میں انکی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ مگر ___

دلآرام کو رونے دیا۔ کہ رونا اس کیلئے اچھا تھا۔ دل کی بھڑاس نکلنا ضروری تھا۔

آخر رو دھو کر وہ چپ ہو رہی۔ ملازم گلاس میں پانی لئے کھڑا تھا۔ جلدی سے آگے بڑھا۔

دلآرام نے پانی پی لیا۔ قدرے سکون آ گیا تھا اسے۔

"بیٹی خدا کا شکر ادا کرو کہ کہیں غلط ہاتھوں میں نہیں پڑ گئی ہو۔ تمہارا غم واقعی بے حساب اور نہ بھولنے والا ہے۔ ہم سب تمہارے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ آج سے تم ہماری بیٹی ہو۔ ہم تمہارے بھی بابا جان ہیں"۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا اس معصوم و بے کس بچی کو وہ اپنے پاس اپنی بیٹی کی طرح رکھیں گے۔ اب بھی وہ اسکے سر پر ہاتھ رکھے تھے۔

تبھی بیرا چائے لے آیا۔ ساتھ میں کئی لوازمات بھی۔

دلاور خان مقابل والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

بیرا درمیانی میز پر چائے کے برتن رکھ کر خالی ٹرے لئے واپس چلا گیا۔

دلاور خان تینوں کیلئے چائے بنانے لگا۔

"بیٹا میرے لئے مت بناؤ۔ کچھ دیر پہلے پی چکا ہوں"۔ بابا جان بولے۔

"جی بہتر"۔

"شوگر؟"۔ اس نے دلآرام سے پوچھا۔

"ایک"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"تمہیں اتنے دن میں یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ ہماری بیٹی شکر کتنا ڈالتی ہے کپ میں"۔

دلاور خان دھیرے سے مسکرا دیا۔

''بابا جان وہاں میں اس کیلئے تھوڑی چائے بناتا تھا''۔

''اوہ''۔ بابا جان بھی مسکرا دیئے۔

وہ دونوں چائے پینے لگے۔

اور— بابا جان اپنی عینک پہنتے ہوئے بغور دلآرام کو دیکھنے لگے۔ اس قدر بے داغ حسن انکی نظروں سے پہلے نہیں گزرا تھا۔ پھر اسکا ڈھکا ہوا لباس، حیا سے جھکی پلکیں۔

''ماشاءاللہ، ماشاءاللہ''۔ وہ جیسے خود سے بولے۔

دلاور خان کو دل ہی دل میں ہنسی آئی۔

بابا جان دلآرام کو اور وہ بابا جان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا بابا جان دلآرام کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ کیوں کر رہے تھے ایسا؟ کچھ کچھ سمجھ میں آ رہا تھا!

''پڑھتی تھیں بیٹی''۔ وہ مزید بولے۔

''جی۔ ایف اے کا ایگزیم دیا تھا''۔ وہ جھکی نظروں سے بولی۔

''پھر؟'' ''رزلٹ؟''

''پھر مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ اب تو نئے ایڈمشنز بھی ہو چکے ہونگے''۔

بابا جان نے کچھ سوچتے سوچتے گہری سانس لی۔

''ایڈمشن بھی ہو جائیگا بیٹی تم کسی بات کی فکر مت کرو''۔

''پتہ نہیں پاس بھی ہوں یا نہیں''۔ اس نے کسر نفسی سے کام لیا۔ وہ ہمیشہ اچھے مارکس لے کر پاس ہوتی تھی۔

ضرور پاس ہوئی ہوگی۔ اتنی پیاری بچی فیل نہیں ہو سکتی''۔ وہ بڑے وثوق سے بولے۔ ''کل ہی پتہ کروالیں گے''۔

''تھینک یو ویری بابا جان''۔ وہ ممنون سی بولی۔

''یہ ہوئی نا بات۔ بابا جان... کہہ کر تم نے ہمارا دل خوش کر دیا''۔

دلاور خان نے ایک نظر دلآرام کو دیکھا۔ پھر کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔



''تم لوگ چائے پیو۔ ہم لائبریری سے ایک فائیل لیکر آتے ہیں''۔ بابا جان اٹھ کھڑے ہوئے۔

دلآرام نے دیکھا وہ قریباً ساٹھ برس کے ایک بہت ہی گریس فل شخصیت تھے۔

بابا جان ملحقہ لائبریری میں چلے گئے۔

''یہ بابا جان تم پر کیوں عاشق ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کبھی ماشاءاللہ، کبھی پیاری بچی...''

اور نہ چاہتے ہوئے بھی دلآرام کو ہنسی آ گئی۔

''ہنستی کیوں ہو۔ میں سیریس ہوں اور بہت جیلس بھی''۔

وہ مزید ہنس دی۔

''اب ہنسو نہیں ورنہ اور عاشق ہو جائینگے۔ ہنسی تو تمہاری ویسے بھی گھنٹیاں بجاتی ہوئی آتی ہے''۔ انجانے میں اس نے اسکی ہنسی کی تعریف کر دی تھی۔

بابا جان فائیل لئے جلدی واپس آ گئے۔

اپنی جگہ پر بیٹھے۔ اوراق پلٹنے لگے۔

''بیٹے اگر تم لوگ آرام کرنا چاہو تو چلے جاؤ اپنے اپنے کمروں میں۔ اور ہاں'' انہوں نے فائیل بند کر دی۔ ''دلآرام بیٹی کیلئے تو ہم نے گیسٹ رومز میں بندوبست کروایا تھا مگر یہ تو بہت چھوٹی ہے۔ اتنی دور اکیلی ٹھیک نہیں۔ یہیں لائبریری کے پاس والے بیڈروم میں لے جاؤ اسے... یہیں ٹھیک ہے''۔

''جی بابا جان''۔ وہ مؤدب طریق سے بولا۔

اور وہ دونوں لاؤنج میں نکل آئے۔

''گیسٹ رومز میں تو واقعی تم اکیلی نہ رہ پاؤ گی مجھے معلوم ہے مگر یہاں نیچے بابا جان کے قریب کیوں؟''

دلآرام کو پھر ہنسی آ گئی۔

''کیا خیال ہے تمہارا دال میں کچھ کالا نہیں؟'' وہ مزید بولا۔

اور دلآرام نے ہنسی روکنے کو منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''اوپر بھی کمرے ہیں وہاں کیوں نہیں؟''

"یہ تو آپ بابا جان سے ہی پوچھیں"۔

'وہ کہیں گے' بیوقوف اوپر تو تم ہو'۔

"اوپر آپ ہیں؟" دلآرام کو اب پتہ چلا۔ "تو صحیح کہتے ہیں نا"۔

"مجھ سے پردہ ہے کیا؟"

"پردہ تو نہیں مگر۔ چلیں آپ بتائیں۔ آپ مجھے اس گھر میں اوپر کوئی کمرہ دیتے؟"

"نہیں"۔ وہ مسکرا دیا۔

"تو؟"

"مگر نیچے بابا جان ہیں نا"۔ وہ مسکین سی شکل بناتے ہوئے بولا۔

"آپ پوری چیز ہیں"۔ وہ ہنس دی۔

دونوں کمرے میں پہنچ گئے۔

"لو میڈم۔ یہ ہے تمہارا بیڈ روم"۔ اس نے لائیٹ آن کی۔ ائیر کنڈیشنز آن کیا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ "بظاہر تو سب ٹھیک لگ رہا ہے۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو انٹرکوم موجود ہے۔ میں کسی سے کہتا ہوں تمہارا سامان یہاں لے آئے —— اوکے۔ ڈنر پر ملاقات ہوگی پھر"۔

اور وہ چل دیا۔

صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ سوچنے لگی —— یہ دلاور خان کیا چیز تھا! کبھی اتنا سوبر، سیریس اور کبھی...

وہ مسکرا دی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ کیا الٹی سیدھی ہانک رہا تھا۔

اسکا سامان پہنچ گیا۔ اس نے ہر چیز قرینے سے اپنی جگہ پر لگائی۔

پھر نہائی۔ ہلکے گرے بلو پرنٹڈ شرٹ دوپٹہ سوٹ پہن لیا۔ پاؤں میں نازک سی کپڑوں سے میچنگ جوتی پہن لی۔

خوبصورت بالوں میں برش کیا۔ ہلکی سی پرفیوم لگائی۔ بالکنی کے قریب لگے صوفے پر بیٹھتے ہوئے میز پر رکھا رسالہ اٹھایا اور —— اوراق پلٹنے لگی۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ بیرا تھا۔ ڈنر کی اطلاع دینے آیا تھا۔



"میڈم۔ بڑے صاحب ڈنر پر آپکا انتظار کر رہے ہیں"۔

اس نے رسالہ بند کرتے ہوئے میز پر رکھ دیا۔ کوریڈور میں نکل آئی۔

"آیئے میڈم"۔ وہ اسے ڈائینگ ہال تک لایا۔

وہ آہستہ قدم اٹھاتی میز تک چلی گئی۔

"آؤ بیٹی بیٹھو"۔ بابا جان نے اپنے بائیں کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ دائیں کرسی دلاور خان کی ہوتی تھی۔

بیرے نے اس کیلئے کرسی باہر نکالی اور وہ آہستہ سے بیٹھ گئی۔

تبھی دلاور خان اندر آیا۔

"سوری بابا جان لیٹ ہو گیا ہوں"۔

دلآرام نے دیکھا۔ سفید قیمتی سوٹ میں ملبوس اپنے اونچے قد اور سحر انگیز شخصیت سے وہ تمام ماحول کو سحر زدہ بنا رہا تھا۔

وہ بابا جان کے دائیں طرف والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

بڑی سی ڈائینگ ٹیبل یہاں سے وہاں تک انواع واقسام کے کھانوں سے مزین تھی۔ ہر چیز گرم اور اپیٹائیزنگ تھی۔ کولڈ ڈرنکس بھی ساتھ لگے تھے۔

"شروع کرو بیٹی۔ کسی قسم کا تکلف مت کرو۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے"۔

جانے کیسے دلاور خان اور دلآرام کی نظریں اکٹھی ایک دوسرے کی طرف اٹھیں اور پھر دلاور خان اسے دیکھتا رہ گیا۔ اسکے کپڑوں اور اسکی آنکھوں کے رنگ آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ آنکھوں کا یہ رنگ واقعی یونیک تھا۔

دلآرام آہستہ آہستہ کھا رہی تھی۔

اور بابا جان کسی سوچ میں گم گاہے گاہے کبھی دلآرام کو اور کبھی دلاور خان کو دیکھ لیتے۔

"بیٹی یہ تیتر ضرور کھاؤ۔ کل ہی ہم شکار کر کے لائے ہیں"۔

انکی خاطر دلآرام نے تیتر میں سے بالکل چھوٹا سا پیس لے لیا۔

اتنی کم مقدار میں اسے تیتر لیتے دیکھ کر دلاور خان کو ہنسی آ گئی۔

''باباجان اسے تیتر سے ڈر لگتا ہے''۔

باباجان نے ایک پل کو غور سے اسے دیکھا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

اور—— دلاور خان —— بوکھلا سا گیا۔

''دراصل میں بھی وہاں شکار پر گیا تھا نا''۔

گیا تو تھا۔ تیتر بھی لایا تھا۔ مگر نازیہ کی تصویر کی وجہ سے دلآرام تو اس سے ایسا روٹھی تھی کہ اسے یاد ہی نہیں تھا کہ اس نے کچھ کھایا بھی تھا یا نہیں۔ اس وقت تو ویسے ہی اسے تنگ کرنے کو اسکے منہ سے بات نکلی تھی۔

باباجان شفقت سے مسکرا دیئے۔

ڈنر کے بعد باباجان اٹھنے لگے تو وہ دونوں بھی اٹھے۔

باباجان آگے آگے اور وہ دونوں پیچھے تھے۔

''اچھا گڈ نائیٹ بچو!''

''گڈ نائیٹ''۔ دلاور خان اور دلآرام بولے۔

''اندر سے بولٹ مضبوطی سے لگانا۔ مجھے کسی کا اعتبار نہیں سمجھیں''۔ دلاور خان اسکے کان میں بولا۔ ''اینڈ گڈ نائیٹ''۔ اور سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

دلآرام اپنے بیڈروم میں گئی۔ بولٹ لگایا۔ اس لئے نہیں کہ دلاور خان نے کہا تھا بلکہ اسلئے کہ ممی کہا کرتی تھیں، کہیں بھی جاؤ رات سوتے وقت اندر سے کنڈی ضرور لگایا کرو۔

مگر ساتھ ہی وہ دیر تک دلاور خان کی باباجان کی Leg pulling پر مسکراتی رہی۔



صبح اسکی آنکھ دیر سے کھلی۔ دس بج چکے تھے۔

اس نے منہ ہاتھ دھوئے۔ کاسنی پھولدار شفون کا قمیض دوپٹہ سوٹ پہنا۔ بال برش کئے تیار ہوئی ہی تھی کہ۔

دروازے پر دستک ہوئی۔

''آجائیں''۔

''میڈم آپ ناشتے میں کیا پسند کرینگی''۔ بیرا تھا۔

''فرائیڈ ایگ اور ٹوسٹ''۔

''جی میڈم''۔

وہ چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں اس نے دوبارہ آکر ناشتہ لگ جانے کی اطلاع دی۔

اب کے وہ خود چلتی ڈائیننگ ہال میں آگئی۔

اونج جوس پی کر وہ ناشتہ کرنے لگی۔

ابھی چائے پی ہی رہی تھی کہ دلاور خان آگیا۔

''کھل گئی آنکھ حضور کی''۔ وہ اسکے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''آپ شاید جلدی جاگے ہیں سر''۔

''محترمہ۔ میرے بہت کام ہوتے ہیں۔ میں گیا تھا اپنے اصطبل، اپنے گھوڑے دیکھنے، اپنی گھوڑی پر رائیڈ لینے۔ پھر اپنے Zoo میں۔ پھر اپنے کتوں سے ملنے۔ یہ سب میرا انتظار کرتے رہتے ہیں...''

''سر۔ یہ آپکے آگے پیچھے گارڈز کیوں پھرتے ہیں؟ باباجان کیساتھ بھی ہوتے ہیں''۔

اسے اچانک خیال آیا۔

"اپنی حفاظت کیلئے اور کیا"۔

"ہوں۔اسکا مطلب ہے،آپ بہت قیمتی آدمی ہیں"۔

"نہیں۔یکدم ایک غریب آدمی"۔

"ہوں؟"

"ہاں ـــ جس کا سب کچھ لٹ گیا ہے"۔

دلآرام کو ہنسی آگئی۔وہ گھوم پھر کر بات اسی پر لے آتا تھا!

"بہت برا ہے جس نے بھی لوٹا ہے"۔

"یہی تو مشکل ہے کہ وہ برا نہیں۔بڑی سادگی سے بڑی معصومیت سے وہ میرا سب کچھ لے گیا ہے"۔

"آپ تو پورے کے پورے بیٹھے ہیں"۔

نیلی کوٹ، وائٹ پینٹ، وائٹ شرٹ کے اوپر کا کھلا بٹن ـــ بلاشبہ وہ بہت Stunning لگ رہا تھا!

"دل کے بغیر جینا بھی کوئی جینا ہے"۔

"اچھا دل نہیں ہے"۔

"ہاں ـــ وہی تو لوٹ کر لے گیا ہے"۔

"کون مثلاً؟"

"میرے سامنے ایک لڑکی بیٹھی ہے۔جس نے پرپل کپڑے پہنے ہیں۔جسکی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔اور جسکا نام دلآرام ہے"۔

"چائے پئیں گے؟ اسے ہنسی آگئی۔

"تو میم ـــ میں جا رہا ہوں کام سے۔بابا جان نے کہا ہے کہ پہلے بیرسٹر سبحانی سے ملوں۔ اسکے بعد میں اور بابا دونوں تمہارے گھر جا کر تمہاری سٹیپ مدر سے تمہارے متعلق بات کرینگے۔ اول تو وہ لوگ ویسے ہی شاید مان جائیں اور کوٹھی خالی کر دیں ورنہ پھر تمہیں بھی ساتھ جانا پڑیگا۔اور



واپسی میں میں ماما شفقت کو تمہاری دیکھ بھال کیلئے لیتا آؤنگا۔بقول بابا جان مرد ہی مرد ہیں گھر میں۔دلآرام کے پاس کسی عورت کا ہونا ضروری ہے سو ـــ چلوں اب؟"

"جائیں"۔

"جاؤں؟"۔

"ہاں"۔

"جاؤں؟"۔وہ پھر بولا۔جیسے دل نہیں کر رہا تھا اسکے پاس سے جانے کو۔

"جائیں۔گڈ لک!"

اور وہ اسکے خوبصورت بال جھنجوڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔

دوپہر ہو چکی تھی۔اچانک دروازہ کھلا اور ماما شفقت ملازم کی ہمراہی میں بمعہ اپنے کپڑوں کی گٹھڑی کے اندر داخل ہوئیں۔

اور پھر جو دلآرام کو گلے لگا کر چیخ چیخ کر روئیں تو دیکھنے والوں کے دل دہل گئے۔

"ہائے میرے صاحب جی، ہائے میری بیگم صاحب..." بس یہی بین کیے جا رہی تھیں۔

دلآرام بھی بہت روئی۔خوب دل کھول کر۔کہ آج عرصہ بعد اپنے گھر کا کوئی بندہ نظر آیا تھا۔

دونوں نے خوب جی کھول کر کسر نکالی۔

دلآرام دوپہر کھانے کیلئے بھی نہیں گئی۔دل ہی نہیں کر رہا تھا کھانے کو۔ماما کیلئے کھانا کمرے میں ہی آگیا۔

ماما کھانا کھاتی گئیں اور اسکے انگلینڈ روانگی کے بعد کے واقعات سناتی گئیں۔

"تمہارے چہیتے چلے گئے۔ناز نخرے اٹھانے والے نہیں رہے۔اپنی اوقات میں رہو ورنہ وہ حال کر دونگی کہ ساری زندگی یاد رکھوگی۔ چھوٹی بیگم صاحب نے آپ لوگوں کے روانہ ہوتے ہی مجھے Ultimatum دیا تھا۔

اور جب جہاز کے واقعہ کا علم ہوا۔یقین ہو گیا کہ آپ لوگ نہیں رہے۔پھر تو میری شامت آگئی۔بیٹی! یہ سفید بال گالی گلوچ سنتی رہی۔چھوٹی بیگم صاحب اور نواز صاحب بیرسٹر صاحب کے

پاس بھی گئے تھے۔ میں نے ان کی باتوں سے اندازہ لگایا تھا۔ جائیداد کا پتہ کرنے گئے تھے۔ مگر اللہ کا کرنا کیا ہوا کہ بیرسٹر صاحب نے صاف کہہ دیا کہ جب تک انکے جسم نہیں مل جاتے، ثبوت نہیں مل جاتا تب تک انکی جائیداد کسی اور کے نام منتقل نہیں کی جا سکتی۔ نواز صاحب تو بڑا اندیدہ نکلا۔ تمام جائیداد کی اور ایک ایک چیز کی لسٹ بنائی تھی۔ مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ میری دلآرام بی بی زندہ ہے یا اللہ تو کتنا مہربان ہے ایک گھر کے حصے بخرے ہونے سے بچ گئے۔

''بیٹی ایک نوالہ تو کھالو''۔ انہوں نے نوالہ بنا کر بڑی محبت سے دلآرام کے منہ میں دیا۔

اور دلآرام انکی محبت سے انکار نہ کر سکی۔ دو ایک نوالے انکی خاطر اور لے لئے۔

تمام دو پہر دونوں پچھلی باتیں کرتی رہیں۔ دلآرام نے بھی اپنے اوپر بیتی تمام روداد سنادی۔

ماما سن کر آنسو بہاتی رہیں۔

''صبح تو بیرسٹر صاحب کیساتھ دلاور خان اور انکے والد صاحب بھی آئے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی دونوں بہن بھائی کے رنگ اڑ گئے۔ جب بیرسٹر صاحب نے بتایا کہ دلآرام بی بی زندہ بچ گئی ہیں تو پہلے تو وہ دونوں یقین کرنے کو تیار نہیں تھے۔ پھر دلاور خان نے بتایا کہ کس طرح پانی کے کنارے سے تمہیں اٹھا کر لایا گیا۔ اور خدا نے نئی زندگی دی۔''

دلاور خان کے والد صاحب نے انہیں بتایا کہ تم انکے گھر میں موجود ہو۔ تو دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ نواز صاحب کہنے لگے اگر وہ واقعی زندہ ہے تو ہمیں کیا اپنا گھر ہے آجائے۔

مگر دلاور خان کے والد صاحب نے کہا کہ وہ ایسے نہیں آئیگی۔ اب جب آصف خان ہی نہیں بچے تو سب کو اپنا اپنا حصہ الگ کر کے اپنی اپنی جگہ چلے جانا چاہیئے۔

چھوٹی بیگم صاحب فوراً بولیں تو کیا یہ کوٹھی تنگ پڑتی ہے ہمارے رہنے سے؟

خیر بڑی لے دے ہوئی۔ بیرسٹر صاحب اور دلاور خان کے والد صاحب نے بھی سمجھایا۔

کہ اپنی اپنی جگہوں پر منتقل ہو جانے سے آپکی تلخیاں مزید نہیں بڑھیں گی۔

بہر حال اب پتہ نہیں کیا کرتے ہیں بیرسٹر صاحب اور دلاور خان کے والد صاحب۔ مگر وہ ڈرپوک تو آدھے پہلے سے ہی تیار ہو گئے ہیں۔ چھوٹی بیگم صاحب تو بڑی تیز ہیں مگر نواز صاحب بہت ڈرپوک ہیں۔ بعد میں بیٹھے بہن کو سمجھا رہے تھے کہ باجی آپ چاہے کچھ کریں میں جیل جانے



کیلئے تیار نہیں۔ خواہ مخواہ ڈٹے رہینگے تو بات کہیں بھی پہنچ سکتی ہے''۔

ماما نے گہری سانس لی۔

''ہائے ہائے۔ کون سا منحوس دن تھا جب ہمارے صاحب اس نرس کو اٹھا کر لے آئے۔ کیا سال کے اندر اندر ہی بڑی بیگم صاحب کے سینے پر مونگ دلی ہے۔۔۔''

ماما دیر تک دلآرام سے باتیں کرتی رہیں۔

شام کے قریب دلآرام کی خواہش پر وہ اور ماما گیسٹ روم میں شفٹ ہو گئیں۔ بالکل الگ تھلگ تھی۔ پرائیویسی بھی تھی۔

''ویل ڈن میم صاحب''۔ دلاور خان انکے سیٹ ہوتے ہی آ پہنچا۔

''کیوں؟ غلط کیا؟'' دلآرام نے سوچا شاید اسے انکے یہاں آنا اچھا نہیں لگا۔

''اوں ہوں بہت اچھا کیا۔ میں آ جا سکونگا''۔

''اوہ''۔

''وہاں بابا جان نظر رکھتے ہیں''۔

''Really!''۔

''ہاں۔۔۔ میرا اندازہ ہے وہ ہم دونوں کی بات سمجھنے لگے ہیں''۔

''سچ؟'' اسکی جان نکل گئی۔

''تو کیا ہوا۔ پیار کرنا گناہ تو نہیں۔ اور میرا یہ بھی اندازہ ہے کہ وہ تمہیں پسند بھی کرتے ہیں''۔

''مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے''۔

''ڈرپوک''۔ اس نے اسکی چھوٹی سی خوبصورت ناک کھینچی۔

''آپکو ڈر نہیں لگتا؟''

''مجھے کیوں ڈر لگے گا۔ مرد ہوں۔ محبت کرنا میرا جائز حق ہے''۔

وہ خوبصورتی سے ہنس دی۔

''اچھا میں چلتا ہوں سکواش کھیلنے، ہوں''۔

وہ یوں ہی کھڑی اسے جاتے دیکھتی رہی۔

رات ڈنر پر وہ اسے منہ سے کچھ بولے بنا آنکھوں ہی آنکھوں میں تنگ کرتا رہا۔

وہ بمشکل کھانا کھا رہی تھی۔ کبھی اسکی آنکھوں میں بغور دیکھتا تو وہ وہیں ہاتھ روک لیتی تھی۔

یہ تو اچھا تھا بابا جان کا دھیان کھانے میں تھا ورنہ انکا شک اور بھی تقویت پاتا۔

کھانا کھایا گیا تو بابا جان اٹھ کھڑے ہوئے۔

حسب معمول اپنے بیڈروم کی طرف جانے لگے تو دونوں کو شب بخیر کہا۔

وہ دونوں بھی اپنی اپنی طرف جانے لگے۔

"صبح تیار ہو جانا تمہیں اپنے فارم پر لے جاؤنگا۔ اپنا سٹڈ فارم اور Zoo دکھاؤنگا۔ بہت پیارے پیارے جانور اور بہت خوبصورت پرندے ہیں۔ اور ـــ تمہیں اپنے جیک سے ملواؤنگا۔ میرا کتا ہے۔ تمہارے بعد وہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تم سے بھی زیادہ...

دلآرام یکدم رک گئی۔

"پھر کہیں"۔

"کبھی کبھی تم سے بھی زیادہ"۔ اس نے دہرایا۔

اور ـــ اس نے جانے کیلئے قدم بڑھائے۔

"سنو سنو پلیز!" آگے بڑھتے ہوئے اس نے اسکا راستہ روکا۔ "مذاق کر رہا تھا۔ تم تو فوراً سیریس ہو جاتی ہو۔ تمہارے بعد تو مجھے اپنے بچے پیارے ہونگے۔ انکا نمبر ہوگا۔ جیک کا نمبر تو بہت پیچھے چلا جائیگا..."

اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اسکی اوٹ پٹانگ باتوں پر ہنسی آگئی۔

"آپ کیا چیز ہیں"۔

"چیز نہیں دلاور خان ہوں"۔

"اچھا دلاور خان صاحب اب چلتی ہوں گڈ نائیٹ"۔

وہ لاؤنج میں زیادہ دیر تک رکنا نہیں چاہتی تھی مبادا بابا جان کسی کام سے باہر آجائیں۔

"کل تیار رہنا پھر۔ اور اگلے دن ہم لوگ ہل سٹیشن پر جا رہے ہیں۔ گرمی ہے یہاں بہت"۔

"کون کون جا رہا ہے"۔



"میں، تم..."

"بابا جان نے اجازت دے دی؟" وہ خوشی کیساتھ حیرت سے بولی۔

اس نے خوبصورتی سے کندھے اچکائے۔

"بلکہ انہوں نے خود کہا ہے کہ تمہیں بھی ساتھ لیتا جاؤں..."

وہ مسکرا دی۔

"بابا جان نہیں جائینگے"۔

"اوں ہوں۔ اور ہم دونوں پر پہرہ دینے ماما اور اکبر خاص طور سے ساتھ جائینگے"۔

"اوہ"۔ وہ مسکرا دی۔

"او کے گڈ نائیٹ"۔ وہ جانے لگا۔

"گڈ نائیٹ"۔ وہ بھی بولی۔

اور ـــ باہر نکل کر گیسٹ روم کی طرف ہولی۔

وہ لوگ آخری اونچائی پر آگئے تھے۔ اب علاقہ ہموار تھا۔ دائیں جانب دور دور تک پھیلی خوبصورت چراگاہیں تھیں۔ بائیں طرف اونچے اونچے ہیوج چٹان۔ چٹان کہیں سے بالکل ننگے تھے اور کہیں چٹانوں میں ہی اگی گھنی گہری سبز ہریالی سے ڈھکے تھے۔

وہ لوگ بل کھاتی سڑک پر آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ ایک موڑ مڑے اور —— اچانک رہائشی علاقہ شروع ہو گیا۔

پتلی سی سروس روڈ کے دونوں طرف سیاہ پتھروں، سرخ کھپریل کی نیچی نیچی ڈھلانی چھتوں اور بہت ہی چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں والے بالکل ہی چھوٹے چھوٹے گھر تھے۔ اتنے پیارے کہ دلآرام دیکھتی ہی رہ گئی۔ لگتا تھا گڑیوں کے گھر تھے!

دور سامنے —— وہی چٹان —— کہیں سے ننگے، کہیں اپنی ہی گھنی ہریالی میں چھپے۔

اور —— ان سے بھی اس پار شفاف سرمئی پہاڑوں کی برف سے ڈھکی نیچی نیچی چوٹیاں۔

گھروں کے ان دورویہ قطاروں میں سے گزرتے ہوئے انہوں نے موڑ کاٹا۔ اور ایک بار پھر ایسے ہی دورویہ مکانوں کے بیچ میں سے گزرنے لگے۔

اب —— دائیں طرف کے مکانوں کے پیچھے گہرائی میں بہتا دریا بھی نظر آنے لگا تھا۔

مکانوں کی انوکھی ساخت، بھاری بھرکم چٹانوں کے درزوں میں سے اگ کر پھیلی گہری سبز ہریالی، کوبالٹ بلو آسمان، دریا کا نیلگوں پانی اور ایستادہ چوٹیوں پر برف لئے نیچے نیچے شفاف پہاڑ!

عجیب سا حسن تھا۔ نرالی ہی دنیا تھی۔ وہ Haunted سی دیکھتی رہی۔

دورویہ مکانوں کے دائیں جانب آخری گھر کے سامنے ڈرائیور نے گاڑی پارک کر لی۔

یہ بالکل چھوٹا مکان تین بیڈ رومز، چھوٹے سے Living room اور ایک سن روم پر



مشتمل تھا۔

سن روم پر مشتمل تھا۔

وہ گاڑی سے باہر نکلی تو احساس ہوا۔ خاصی دیر سے جو وہ گاڑی کے اندر سے سرسراتی ہوا دیکھ رہی تھی۔ وہ تو ہڈیوں کو بھی چیرتی گزر رہی تھی۔

جلدی سے وہ اندر چلی گئی۔

جلدی ہی سارا سامان لگ گیا۔ اسلم چھوٹے سے کچن میں کھانا اور ماما چائے بنانے لگیں۔

دلاور خان دلآرام کو سن روم میں لے آیا۔ یہاں قدرے سکون تھا۔ عجیب سی بات تھی۔

سورج دیوتا اپنی تمام تر تیزی کے باوجود ہوا کے یخ بستہ جھونکوں کے آگے بے بس تھا!

تھوڑی ہی دیر میں اکبر بابا چائے لے آئے۔ ڈرائی فروٹ اور بسکٹ بھی تھے۔

خالی ٹرے لیکر بابا واپس چلدیئے۔

دلآرام چائے بنانے لگی۔

دلاور خان باہر نظریں جمائے ہر سو سرگوشیاں کرتی فطرت کا نظارا کر رہا تھا۔

''یہ لیں''۔ دلآرام نے اسکے آگے اسکا کپ رکھا۔

''تھینکس میم''۔ چونکتے ہوئے اس نے اپنا کپ اٹھا لیا۔

دلآرام بھی آہستہ آہستہ پینے لگی۔

''کتنا اچھا لگ رہا ہے نا''۔ دلاور خان شیشوں کے اس پار نیچے بہتے دریا، قریب کی انوکھی چٹانوں اور دور سرمئی پہاڑ کی برف پوش چوٹیوں پر ایکبار پھر نظریں دوڑانے لگا۔

''ہاں سر''۔

اور رخ اسکی طرف کرتے ہوئے دلاور خان نے گہری سانس لی۔

''تم واقعی مجھے سر کہنے لگی ہو''۔

''تو مذاق تو نہیں کر رہی تھی سر۔ سیریسلی کہا تھا آپ سے''۔

''ہوں''۔

''اچھا نہیں لگتا آپکو''۔

"اچھا لگتا ہے"۔ وہ مسکرا دیا۔

اسکے منہ سے واقعی اسے اچھا لگتا تھا۔

شام ملگجی ہو رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے گھروں میں بتیاں جل اٹھی تھیں۔ چمنیوں میں سے پکوان کے دھوئیں اٹھنے لگے تھے۔ دریا کی موجوں پر ڈولتی اکا دکا کشتیوں میں بھی روشنی ہونے لگی تھی۔

دلآرام اور دلاور خان تیار ہوئے۔ دلاور خان اس علاقے سے بخوبی واقف تھا۔ کچھ دیر وہ دونوں گھوم پھر لیتے۔ اس کے بعد ڈنر بھی وہیں کر کے آجاتے۔

یہی پروگرام بنا کر وہ باہر نکلے۔ تیز ہوا اس قدر سرد تھی۔ کہ برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

خاصی دور جا کر دلاور خان نے اپنے پسندیدہ ریسٹورانٹ کے پارکنگ میں گاڑی پارک کر لی۔

اندر جاتے جاتے سرد ہوا کی شدت سے دلآرام کے دانت بجنے لگے تھے۔

وہ لوگ کھڑکی کے پاس کونے والی ایک میز پر بیٹھ گئے۔

یہاں بھی وہی بالکل نیچی چھت وہی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں۔

"اتنی نیچی نیچی چھتیں ہیں۔ کھڑکیاں بھی اتنی چھوٹی ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟" دلآرام بہت سادگی سے بولی۔

"یہ اسلئے ـــ کہ تمہارے دانت نہ بجیں۔ ہوا کی سپیڈ دیکھ رہی ہو کتنی تیز ہے۔ اس پر دریا سے بھی ہو کر آتی ہے۔ بڑے گھر گرم نہیں ہو پاتے۔ سمجھیں میم صاحب"۔

"اوہ ـــ تو جبھی یہاں کے گھر بالکل گڑیوں کے گھروں جیسے ہیں"۔

جی میم صاحب"۔

تبھی ویٹر پاس آیا۔

دونوں نے اپنی اپنی پسند کا آرڈر دیا۔ دلآرام نے پیزا منگوایا۔ اور دلاور خان نے سٹیک وِد بیکڈ پوٹیٹوز۔

خوبصورت ماحول میں دلچسپ باتوں کے دوران انہوں نے کھانا کھایا اور ـــ واپس اپنی



جائے قیام پر آ گئے۔

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ دلاور خان اپنے بیڈ روم میں تھا۔ صوفے پر بیٹھا ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہا تھا۔

تبھی اکبر بابا آ گئے۔

"سرکار۔ کوئی خاتون آپ سے ملنے آئی ہیں۔ سن روم میں بٹھا دیا ہے"۔ بابا بولے۔

"اچھا بابا آتا ہوں"۔ اس نے ٹی وی آف کیا اور ـــ

باہر نکل آیا۔

کون ہو سکتی تھی؟ اتنی دور۔ اس سے۔ سوچتے ہوئے وہ سن روم میں داخل ہوا۔

پھر ـــ اس نے دیکھا۔ سامنے ہی صوفے پر نازیہ بیٹھی تھی۔

"ہیلو"۔ وہ متانت سے بولا۔

اور ـــ نازیہ نے اٹھ کر پاس آتے ہوئے اسے ہمیشہ کی طرح بوسہ دیا۔ جیسے ان کا آپس میں تعلق ٹوٹا ہی نہیں تھا۔

اسے اچھا نہیں لگا۔

"بیٹھو"۔ اسکے باوجود اس نے کہا۔ کہ کم از کم اس وقت وہ اسکی مہمان تھی۔

وہ بیٹھ چکی تو وہ بھی مقابل کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"کیسے ہو؟" نازیہ نے پوچھا۔

"فرسٹ کلاس"۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔

"میں نے تمہیں میسیج دیا تھا اپنے آنے کا۔ کہا بھی تھا کہ مجھ سے بات کرو"۔

"ملا تھا میسیج مگر میں نے ضروری نہیں سمجھا بات کرنا"۔

"اوہ۔ تو اب تک ناراض ہو۔ چلو میں منا لیتی ہوں۔ اب تو میں آئی اسی لئے ہوں کہ ہم دونوں شادی کر لیں"۔

"کیا؟"

"اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو"۔

''تم بھول رہی ہو۔ ہمارا تعلق کبھی کا ختم ہو چکا ہے''۔

''تعلق جوڑنے میں کونسا وقت لگتا ہے۔ اور پھر کسی سے تو شادی کرو گے۔ مجھ سے ہی کیوں نہیں؟''

''سوری۔ کوئی اور بات کرو''۔ وہ بیزاری سے بولا۔

''تمہیں ڈر ہے کہ تمہارے گھر والے مجھے پسند نہیں کریں گے؟''

''گھر والوں تک تو بات تب جائے گی جب میں تیار ہو جاؤں۔ اور میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں''۔

''کیوں؟''

''میری مرضی''۔

تبھی بابا چائے لے کر آ گئے۔ چکن روسٹ اور چیز سینڈوچز بھی ساتھ تھے۔

برتن میز پر رکھے۔ اور خالی ٹرے لے کر واپس چل دیئے۔

دلاور خان نے اسے خالی پلیٹ پکڑائی اور چیزیں آفر کرنے لگا۔

''نو۔ تھینک یو''۔ اسکا موڈ سخت خراب تھا۔ پلیٹ بھی واپس میز پر رکھدی۔

وہ خاموشی سے اسکے لئے چائے بنانے لگا۔

''شوگر؟'' اس نے پوچھا۔

''تو یہ بھی بھول گئے ہو''۔ وہ گہرے طنز سے بولی۔

''ہاں۔ میں نے کچھ یاد نہیں رکھا''۔ وہ بہت Bluntly بولا۔

''رہنے دو چائے۔ مجھے میری بات کا جواب دو''۔

دلاور خان نے ہاتھ روک لیا۔ کپ پرے کر دیا۔

''کس بات کا؟''

''مجھ سے شادی کرلو''۔ وہ قدرے نرم پڑ گئی۔

''میں نے کہہ دیا نا ایسا ممکن نہیں ہے''۔

''تم اپنے آپکو سمجھتے کیا ہو''۔ وہ اچانک بھڑ اٹھی۔ تیزی سے بولی۔



''آواز نیچی رکھو۔ مجھے اونچی آواز سننے کی عادت نہیں''۔ وہ دھاڑا۔

''مائی فٹ''۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

کچھ دیر دونوں میں گرما گرم بحث ہوتی رہی۔

''میں بھی دیکھتی ہوں تم اس لڑکی سے کیسے شادی کرتے ہو جسے آجکل اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے''۔

اسے کیسے معلوم ہوا؟ وہ پاکستان کس سلسلے میں آئی تھی؟ دلاور خان نے جاننا ضروری نہیں سمجھا۔

''نازیہ میں ان باتوں کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ختم کرو اس ٹوپک کو''۔ یہ باتیں پہلے بھی بارہا ڈسکس ہو چکی تھیں۔ وہ تنگ آ چکا تھا ان باتوں سے۔

''موڈ تو تمہیں بنانا ہی پڑیگا''۔ اس نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ ''میں پھر آؤں گی''۔

وہ بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ خاموش رہا۔

''وہ باہر نکلی تو دلاور خان بھی اسکے ساتھ باہر نکل آیا۔

تبھی پچھلی طرف سے دلآرام نمودار ہوئی۔ دلاور خان کی پیٹھ تھی وہ اسے نہ دیکھ سکا مگر —— نازیہ نے اسے دیکھ لیا۔ ایک لمحے کو تو سکتے میں آ گئی۔ ہو بہو اسکی شکل۔ فرق تھا تو بس آنکھوں کے رنگ کا۔ بغیر میک اپ چہرے کا اور ڈھکے چھپے کپڑوں کا!

یہی تھی دلآرام اس نے گیس کر لیا۔

''مسٹر دلاور۔ تم اب بھی مجھ سے ہی پیار کرتے ہو''۔

''کیا مطلب؟''

''تم اس لڑکی کو صرف اسلئے پسند کرتے ہو کہ وہ میری ہمشکل ہے''۔

''او کے۔ یہی سہی لیکن تم...''

''I love you.''۔ دلآرام کی نظریں اپنے اوپر پڑتے ہی اس نے فوراً دلاور خان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے اسے بوسہ دیا۔ ''Take care''۔ بائے''۔

پہلے اسکے کہ دلاور خان کچھ رسپانس دیتا وہ دلآرام کو حقارت سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

دلاور خان کو کچھ معلوم نہ ہو سکا اس اچانک تبدیلی کا۔ تھکا تھکا بیزار سا واپس مڑا۔ اور دوبارہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دلآرام بمشکل اپنے کمرے تک آئی۔ بستر میں گھسی۔ اور بے اختیار رو دی۔

تو دلاور خان کا ابھی تک نازیہ سے تعلق ختم نہیں ہوا تھا۔ جبھی تو اکبر بابا اس کیلئے پر تکلف چائے لیکر گئے تھے۔ جبھی تو وہ دلآرام کی موجودگی میں ہی اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر اسے پیار دے رہی تھی۔ 'Take care' کتنی اپنائیت سے کہا تھا!

اسکا کیا بنے گا؟ وہ تو دلاور خان کے پیار میں تن من سب ہار بیٹھی تھی۔ کتنا بھروسہ تھا اسے دلاور خان پر، کتنا اعتماد تھا، کتنا مان!

دلاور خان نے تو سب توڑ پھوڑ دیا تھا۔ بھروسہ، اعتماد، مان، سب کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔

لونگ روم میں بیٹھا دلاور خان شام کی چائے پر اسکا منتظر تھا۔

تبھی۔ ماما آ گئیں۔

"چھوٹے سرکار پتہ نہیں کیا ہوا ہے دلآرام بی بی کو۔ میری تو آنکھ لگ گئی تھی۔ اسکے رونے پر جاگی۔ دیکھا تو بستر میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ بہت پوچھا کچھ نہیں بتاتی۔ میں سمجھی صاحب لوگوں کو یاد کر کے رو رہی ہے۔ اکبر بھیا چائے لائے تھے وہ بھی واپس بھجوا دی۔ کہ طبیعت ٹھیک نہیں"۔

دلاور خان باہر نکل آیا۔

"ماما۔ اکبر بابا سے کہیں ہم دونوں کی چائے دلآرام بی بی کے کمرے میں لے آئیں"۔ وہ دلآرام کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"اچھا سرکار"۔ وہ چل دیں۔

اجازت لیکر وہ اندر چلا آیا۔

دلآرام کا چہرہ نڈھال اور آنکھیں متورم تھیں۔

وہ اسکے بستر کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے ہاں"۔ وہ تشویش سے بولا۔



یہ تو خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نازیہ کو دیکھ چکی تھی۔

"کچھ نہیں"۔

"کچھ کیسے نہیں۔ پلیز بتاؤ نا"۔ وہ پہلے ہی نازیہ کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔

"کیا بتاؤں"۔

"چائے کیوں نہیں پی"۔

"دل نہیں کر رہا تھا"۔

"روئی کیوں تھیں؟"

"دل کر رہا تھا"۔

اسکے پرکشش لبوں کو مبہم سی مسکراہٹ چھو گئی۔

"کبھی دل نہیں کرتا، کبھی دل کرتا ہے"۔

دلآرام نے جھکی نظریں اٹھائیں۔

اوہ ـــ کتنے شکوے تھے کتنی شکایتیں تھیں گرے اش بلو کرسٹلز میں!

ضرور کچھ تھا۔ شاید... دلاور خان کو پتہ چلے بغیر ہی اسے نازیہ کے آنے کا علم ہو گیا تھا۔

وہ اٹھا۔ اسکے بیڈ کے کنارے پر بیٹھا۔ اور جھکتے ہوئے اسکی دونوں آنکھوں پر باری باری پیار کر لیا۔

اور جانے کیا ہوا؟ دلآرام دونوں بانہیں اسکے گلے میں حمائل کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"سر! میں آپکے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں مر جاؤں گی۔ سر۔ آپکو کسی نے مجھ سے چھین لیا تو میں مر جاؤں گی..."

اور ـــ دلاور خان کا شبہ یقین میں بدل گیا۔ اسے واقعی نازیہ کے آنے کا علم ہو چکا تھا۔

"مجھے کوئی تم سے نہیں چھین سکتا۔ میں بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا..." وہ اسے پیار کیے جا رہا تھا۔

"پھر وہ کیوں آئی تھی؟" وہ رو رو کر بولی۔

"اب نہیں آئیگی"۔

"اس نے آپکے گلے میں بازو ڈالے تھے..."

"پھر کبھی نہیں ڈالے گی"۔

"کہتی تھی 'i iove you'..." وہ سسکیاں بھرتے ہوئے بولی۔

"آئندہ ایسا نہیں ہوگا بس پلیز!"

"اور 'Take care' بھی کہا تھا..."

نہ چاہتے ہوئے بھی اسکی معصومیت پر اسکے لب متبسم ہوگئے۔

اس نے دیکھا۔ ان دونوں کی شکلیں بالکل ایک جیسی پر۔۔۔

ایک چاند کی نرم چاندنی تھی، دوسری سورج کی تیز شعاع۔ ایک شبنم دوسری شعلہ۔ ایک ٹھنڈے میٹھے پانی کا جھرنا تو دوسری آتش فشاں کا کھولتا ہوا لاوا!

اس نے اسے سینے سے لگالیا۔ اسکا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ یقین و بے یقینی کے دوزخ سے گزر رہی تھی۔

"آئندہ وہ مجھ سے کبھی نہیں ملے گی۔ میں تمہارا ہوں صرف تمہارا۔ مجھے کوئی تم سے نہیں چھین سکتا۔ مجھ پر یقین کرو..."

معاً دروازے پر دستک ہوئی۔ دلآرام کو پیار دیتے ہوئے دلاور خان نے اسے بستر میں لٹا دیا۔ کمبل درست کر دیئے۔

"یس"۔ وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

بابا تھے۔ چائے لیکر آئے تھے۔ برتن میز پر رکھ کر خالی ٹرے واپس لے گئے۔

"اب اٹھو اور میرے لئے چائے بناؤ"۔

"آپ... رعب تو مت ڈالیں نا"۔

کتنی نازک مزاج تھی اپنے آپکی طرح!

"پلیز! چائے بنادو"۔ دلاور خان نے لہجہ یکدم بدل لیا۔

"جی چھوٹے مالک"۔



اور دلاور خان نے گہری سانس لی۔

وہ بھی بستر سے نکلتے ہوئے میز کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔

دلاور خان کیلئے چائے بنانے لگی۔

چائے بناتے ہوئے بھی اسکا نازک سا ہاتھ لرز رہا تھا۔

"بس پلیز رہنے دو۔ میں بناتا ہوں"۔ اسے اس پر ترس آگیا۔

"آپ کیلئے تو بنالوں نا"۔

"بس بن گئی اب میں تمہارے لئے بناتا ہوں"۔

اٹھتے ہوئے دلاور خان نے بیل کی۔ ماما آگئیں۔

"ماما۔ دلآرام کیلئے گلوکوز لے آئیں"۔

"جی صاحب"۔

اور تھوڑی ہی دیر میں ماما گلوکوز لے آئیں۔

دلاور خان نے اسکی چائے میں گلوکوز ملائی۔

اور۔۔۔ وہ آہستہ آہستہ پینے لگی۔

"یہ جگہ کیسی لگی"۔ اس نے دلآرام کا دھیان بٹانے کو بات شروع کی۔

"بہت اچھی۔ بہت پیاری"۔

"تم سے بھی اچھی۔ تم سے بھی پیاری؟"

"ہاں"۔

"کیا؟" اس نے اسکا کان پکڑلیا۔

"ہاں"۔

"بولو نہیں"۔

"ہاں"۔

"جب تک 'نہیں' نہیں بولوگی۔ کان نہیں چھوڑونگا"۔

"نہیں پلیز!"

اور اس نے اسکا کان چھوڑ دیا۔

"پتہ ہے جاتے وقت نازیہ مجھے اتنی خوفناک نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ میرا دل دھڑکنے لگا تھا"۔ اپنی چائے پر نظریں جماتے وہ آہستہ سے بولی۔

"تمہارا دل تو میرے پاس ہے"۔

وہ دھیرے سے ہنس دی۔

"پھر تو آپ نے دھڑکن محسوس کی ہوگی"۔

"ہاں دھڑکا تھا۔ وہ ہے ہی کچھ ایسی"۔

"اتنی خوبصورت تھی اسکے باوجود پتہ نہیں کیوں ڈر سا لگتا تھا اس سے"۔

دلاور خان نے سوچا وہ ٹھیک کہتی تھی۔ شاہد بھی یہی کہا کرتا تھا۔ 'خوبصورت ناگن۔ زہریلی ناگن۔ بہت خوبصورت ہے مگر —— کچھ ہے کہ انسان کو Repel کرتا ہے۔ شاید اسکی عادتیں طور طریقے اسکے چہرے پر ریفلیکٹ ہو کر اسے زہریلا حسن بخشتے ہیں'۔

اچھا بس اب اسکا خیال چھوڑ دو۔ اور باتیں کرو۔ دیکھو ماما بھی اس طرف نہیں آرہیں کہ یہ لوگ اپنی باتیں کریں۔ ہے نا..."

"ہے تو۔ ورنہ ماما تو رہتی ہی اس کمرے میں تھیں۔ اور بابا بھی گھڑی گھڑی جھانک جایا کرتے تھے کہ کسی چیز کی ہمیں ضرورت تو نہیں تھی"۔

"کل قریب کے ٹاؤن میں جائینگے۔ پورا شہر کا شہر ہے۔ ہوٹلز، شوپنگ سینٹرز، ریسٹورانٹس سب کچھ ہے وہاں۔ تم گھوم پھر لوگی اور میں عرصہ بعد انگلینڈ سے پہلے کی پرانی یادیں تازہ کرلونگا"۔

"کون سی پرانی یادیں"۔ وہ اسے چھیڑنے کے انداز میں بولی۔

"دو چار فرینڈز مل کر کسی ریسٹورانٹ وغیرہ میں بیٹھ کر لڑکیوں کو تاکا کرتے تھے اور کیا"۔

"یہ بات تھی؟"

"ہاں۔ یہ بات تھی"۔

"تو آپ میرے ساتھ کسی ریسٹورانٹ میں بیٹھ کر لڑکیوں کو تاکیں گے"۔

"ہاں"۔



"خیال برا نہیں"۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"میرا خیال کبھی برا ہوا ہے"۔

"نہیں"۔ وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔ "ماما اور بابا ادھر ہی رہینگے؟" دلآرام نے پوچھا۔

"ہاں۔ ان دونوں کو بھی کچھ تو آزادی ملنی چاہیئے نا۔ ہر وقت ہم دونوں انکے سروں پر سوار رہتے ہیں۔ انکے بھی دل ہیں آخر"۔

اور دلآرام بے اختیار ہنس دی۔

"آپکا مطلب ہے ماما اور بابا بھی..."

"اب تک ہو تو جانا چاہیئے۔ آخر کتنے دنوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔ میں نے نوٹ کیا ہے بابا زیادہ خوش رہنے لگے ہیں اور تاک جھانک میں بھی تیزی آگئی ہے"۔

دلآرام کھلکھلا کر ہنس دی۔

"پلیز سر!"

"سچ کہتا ہوں"۔

"ہاں آپ تو کبھی جھوٹ بولتے نہیں"۔

یوں ہی گپ شپ میں وقت بیت گیا۔

ہر سو رات کا کاجل پھیل چکا تھا۔ قطار در قطار بنے گڑیوں کے گھروندوں میں روشنیاں جھلمل جھلمل کر رہی تھیں۔ سردی شدت پکڑ رہی تھی۔ اور —— دریا کی لہروں کو چوم کر آتی ہوائیں جسم کے آر پار ہو رہی تھیں۔

رات کا کھانا انہوں نے پھر اسی ریسٹورانٹ میں کھایا۔ تھکے تھکائے واپس لوٹے۔ اور اپنے اپنے کمروں کی طرف ہو لیے۔

چند بہت حسین اور یادگار دن گزار کر وہ لوگ واپس لوٹ آئے۔ کہ بقول دلاور خان اب اس نے بھی کچھ ہاتھ پاؤں ہلانے تھے۔ جبکہ باباجان کا کہنا تھا کہ روزانہ کام پر جانے سے انسان ڈسپلنڈ رہتا ہے۔

شام کے پانچ بج چکے تھے۔ دلاور خان دلآرام کو ساتھ لئے باباجان کے کمرے میں آ گیا۔

باباجان نے دلاور خان کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ دلآرام کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

"اچھا ہوا تم لوگ آ گئے بیٹا رونق ہی گھر کی جاتی رہی تھی"۔

وہ دونوں انکے مقابل صوفے پر بیٹھ گئے۔

"باباجان آپ کیسے رہے"۔ دلاور خان نے پوچھا۔

"ٹھیک بیٹا۔ تم لوگ سناؤ۔ ہماری بیٹی کو پہاڑ پر رہنا پسند آیا یا نہیں"۔ وہ بہت اپنائیت سے بولے۔

"جی باباجان بہت اچھا لگا۔ اتنا خوبصورت تھا سب کچھ اور پھر ٹھنڈ ہوتی تھی اس قدر..."

"یہی تو وہاں کا حسن ہے"۔

"یہ تو وہاں کی سردی سے بھاگی ہے"۔ دلاور خان نے کہا۔

دلآرام نے اس کے خالص جھوٹ پر اسے گھورا۔

اور باباجان آہستہ سے مسکرا دیئے۔ انکا بیٹا شاید دلآرام میں دلچسپی لینے لگا تھا۔

تبھی ___ بیرا ٹرے میں گلاسز میں پیپسی لئے آ گیا۔

"چائے بھی جلدی لانا رستم ___ بہت گرمی ہو چاہے چائے کی بات اور ہوتی ہے" دلدار خان گلاس لیتے ہوئے بولے۔

"جی سرکار"۔



وہ چل دیا۔

پھر ___ چائے آ گئی۔

چائے کے دوران مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔

باباجان چاہتے تھے کہ وہ کل ہی اپنی لیدر فیکٹری کی مینیجنگ ڈائریکٹر کی سیٹ سنبھالے۔ انہیں باقی فیکٹریز اور ملز کا کام بھی دیکھنا پڑتا تھا۔ ان کا بوجھ بھی ہلکا ہو جاتا اور وہ بھی بزی ہو جاتا۔

"اور ہاں بیٹی۔ تمہاری سوتیلی والدہ اور ماموں سے ہم ملے تھے۔ انکو سب اونچ نیچ سمجھائی۔ کہ خواہ مخواہ اڑے رہنے سے کچھ نہیں بنے گا۔ اصلی وارث زندہ ہے اسلئے کورٹ کچہری کے چکروں سے خود بھی بچیں اور ہمیں بھی بچائیں۔

تمہارا ماموں تو جلدی راضی ہو گیا مگر والدہ دیر تک بحث کرتی رہی۔ ویسے انہیں اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ تم زندہ ہو۔ شک ہے انہیں۔ ہم نے کہہ دیا جب تم پہاڑ سے واپس آ جاؤ گی تو یا تو وہ لوگ ملنے آ جائیں یا تمہیں ملوانے لے جائینگے۔ بلکہ ہمارا تو خیال ہے وہ ادھر ہی آ کر دیکھ جائیں..."

"جی جیسا آپ مناسب سمجھیں"۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"تو بس پھر یہی ٹھیک ہے ہم آج ہی وہاں فون کرتے ہیں وہ لوگ کوئی مناسب وقت دیکھ کر آ کر تمہیں مل لیں"۔

"جی ٹھیک ہے"۔

چائے کے بعد دلآرام اجازت لیکر گیسٹ روم چلی گئی۔ ماما بھی وہیں تھیں۔

"اے بیٹی۔ بڑے صاحب کا پی اے بتا رہا تھا۔ کوئی لڑکی کل سے برابر فون کر کے تمہارا پوچھتی ہے۔ شاید تمہاری کوئی سہیلی ہو..."

"اچھا۔ چلیں پھر کر لے گی۔ میں نہاتی ہوں ذرا"۔

"ہاں۔ طبیعت بھی ہلکی ہو جائیگی"

نہانے کے بعد اس نے ہلکے گلابی رنگ کا شلوار سوٹ پہنا۔ گلابی ڈوری کی خوبصورت جوتی پہنی۔ بال تولئے سے خشک کرتے ہوئے برش کئے۔ اور ___

باہر نکل آئی۔ ماما بھی وہیں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھیں۔ وہ بھی بیٹھ گئی۔

گرمی کا موسم تھا۔ ہر سو سبزہ ہی سبزہ، پھول ہی پھول، ہریالی نظر آ رہی تھی۔

جا بجا نادر گلابوں کے تختے، موتیا کی مہک اور اونچے درختوں پر چڑھی سفید و سرخ ننھے ننھے پھولوں کی بیلیں عجب بہار دکھا رہی تھیں۔

وہ دونوں شام کے گہری ہونے تک وہاں بیٹھیں باتیں کرتی رہیں۔ دلآرام نے ماما کو بتا دیا کہ بابا جان چھوٹی امی کو فون کر کے بلانے والے ہیں وغیرہ۔

"اچھا ہے بیٹی جتنی جلدی فیصلہ ہو جائے آخر کب تک ہم لوگ پرائے گھر میں بیٹھے رہینگے"۔

ماما ٹھیک کہتی تھیں۔ بہتر یہی تھا کہ جلد سے جلد وہ لوگ اپنے گھر چلی جاتیں۔ اپنے گھر کی بات اور تھی۔ ہاں دلاور خان چاہتا تو اسے وہاں بھی کونٹیکٹ کر سکتا تھا

رات کھانے کے بعد بھی بابا جان کے کمرے میں دلاور خان اور دلآرام بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے۔

پھر بابا جان نے حسب معمول پڑھنے کیلئے اپنے سرہانے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھی کتاب اٹھائی۔

"جاؤ بچو۔ اب تم لوگ بھی سو جاؤ ہم بھی تھوڑی سی سٹڈی کر کے سونے والے ہیں"

دلآرام اور دلاور خان اٹھ کھڑے ہوئے۔

'شب بخیر' کہتے ہوئے وہ دونوں اپنی اپنی طرف چلدیئے۔



اگلے دن شام چھ بجے چھوٹی امی اور نواز آ گئے۔ بیرسٹر صاحب بھی پہنچ گئے۔

دلآرام کو دیکھ کر پہلے تو چھوٹی امی کا رنگ زرد پڑ گیا۔ پھر اٹھ کر گلے لگا لیا۔

"شکر ہے بیٹی تمہیں زندہ دیکھا۔ ورنہ ہم تو صبر کر کے بیٹھ گئے تھے"۔

دلآرام ہمیشہ انکی فرمانبردار رہی تھی۔ کبھی کسی تلخی کا موقعہ نہیں آنے دیا تھا۔ البتہ چھوٹی امی اُسے غلطی سے بھی اپنی طرف آتے برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ فوراً ہی جھڑک دیتیں۔

'اپنی طرف رہا کرو'۔ وہ ماتھے پر بل ڈال کر کہتیں۔

اور دلآرام سہم کر واپس مڑ جاتی۔

آج تو چھوٹی امی نے اسے زندگی میں پہلی بار گلے لگا کر اس پر واقعی احسان کیا تھا۔

کافی دیر تک بڑوں میں باتیں ہوتی رہیں۔ ماما تو آئیں ہی نہیں اس طرف۔

پھر چائے پی گئی۔

کچھ لے دے بھی ہوئی۔ کچھ تو تو میں میں بھی۔ پر آخر کار فیصلہ دلآرام کے حق میں ہوا۔

بیرسٹر صاحب نے سب کو آصف خان کی Will دکھائی۔ جس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہ تھی۔

فیصلہ یہ ہوا کہ کل سے چھوٹی امی اور نواز اپنی کوٹھی میں شفٹ ہو جائینگے اور دلآرام نے کوٹھی خالی ہونے پر بابا جان سے اپنے گھر جانے کی اجازت لے لی۔

یوں عرصہ بعد دلآرام بمعہ ماما کے اپنے گھر آئی۔ دلاور خان ہی انہیں لیکر آیا تھا۔ دوسری گاڑی میں انکا سامان اور دو گارڈز تھے۔

دلآرام اپنے گھر آ کر ایک بار پھر روئی۔ مگر اب کے تو ایسا روئی جیسے قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔ بیچاری کا قصور بھی نہیں تھا۔ دھیرے دھیرے باری باری اسے سب کچھ مل گیا۔ پر نہ ملے تو پاپا اور ممی۔ کتنی بڑی ٹریجیڈی تھی۔ کاش کہیں سے وہ بھی مل جاتے۔ مگر وہ تو ایسی جگہ گئے تھے جہاں

جا کر انسان کبھی واپس نہیں لوٹتا۔

دلاور خان کافی دیر وہاں رہا۔ کوٹھی میں گھوما پھرا۔ انیکسی بھی جس میں دلآرام اپنی ممی کیساتھ رہا کرتی تھی۔ اسے دکھ بھی ہوا۔ اس معصوم سی لڑکی نے اپنی زندگی کے گنے چنے سال ایک ہی گھر میں باپ کے ہوتے ہوئے بھی بغیر باپ کے گزارے تھے۔ اور پھر وہ ملے بھی۔ تو ہمیشہ کو بچھڑنے کیلئے۔

''اوکے میم اب چلتا ہوں۔ وہاں تمھیں تو مجھے نظر تو آجاتی تھیں۔ لیکن ___ جیسی تمہاری مرضی''۔ بہت سارے دن دونوں نے اکٹھے بھی تو گزارے تھے۔

''آپ آیا کرینگے نا''۔

''کیوں نہیں آؤنگا۔ تمہیں دیکھے بغیر رہ سکتا ہے''۔

وہ مسکرادی۔

''اچھا جاتا ہوں۔ فون کرونگا۔ اپنا خیال رکھنا''۔

''اچھا سر''۔

اور اس نے اسکے بال کھینچ لئے۔

''یہ عادت آپکی بڑی خراب ہے''۔

''اب ہر عادت تو اچھی نہیں ہوسکتی نا''۔

''مگر مجھے اچھی لگتی ہے''۔

اسلئے تو تم مجھے اچھی لگتی ہو''۔

''اچھا اب جائیں۔ سب لوگ ہم دونوں کو ہی دیکھ رہے ہیں''۔

واقعی ایسا تھا ___ ماما، گارڈز اور کوٹھی کے ملازم بھی انکے منتظر تھے۔

اور دلاور خان ملازموں اور گارڈز کو مختلف ہدایات دیتا چلدیا۔

پاپا اور ممی کا کمرہ جس میں ممی نے صرف چند مہینے ہی گزارے ہونگے وہ دلآرام کیلئے درست کیا گیا تھا۔ اور دلآرام کے کہنے کے مطابق ملحقہ کمرہ ماما کیلئے۔ کیونکہ اب وہ اکیلی تھی گھر میں۔ اور ماما کا سرونٹ کوارٹرز میں اس سے اتنی دور رہنا مناسب نہیں تھا۔ پھر اسے اتنی بڑی کوٹھی



میں ڈر بھی لگتا تھا۔

آج سے زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا تھا۔

اسے اکیلے ہی رہنا تھا اور ہر پرابلم اکیلے میں حل کرنا تھا۔

ایسے میں اسے دلاور خان کا خیال آیا۔ کتنا اچھا تھا۔ اس نے خدا کا شکر کیا کہ ایسے کڑے وقت میں وہ اسکے ساتھ تھا۔ ورنہ وہ اور بچاری اکیلی ماما کیا کرسکتی تھیں۔ دلاور خان نے اسے کہا تھا ذرا سی بھی بات ہو اسکے سیل فون پر اس سے بات کرے۔

''اور ہاں ہر رات دس بجے کے بعد میرے پرائیویٹ نمبر پر ہر حال میں رنگ کرنا ہے''۔

''نہ کیا تو؟''

''سمپل۔ میں بات نہیں کرونگا''۔

بیڈ پر لیٹے لیٹے وہ اسکی باتوں پر مسکرا رہی تھی۔

''ٹرررن ٹرررن''۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھے فون کی اچانک گھنٹی سے وہ اچھل سی پڑی۔

ریسور اٹھا کر کان سے لگایا۔

''جی دلآرام بول رہی ہوں''۔ وہ ماؤتھ پیس میں بولی۔

''میں نے آپکو دلدار خان کے یہاں بھی فون کیا تھا''۔

''اچھا تو وہ آپ ہیں۔ آپ اپنا نام بتائیں گی پلیز!''

''میرا نام ثمینہ ہے''۔

''کوئی کام تھا مجھ سے''۔

''میں دراصل آپکو بتانا چاہتی تھی۔ کہ دلاور خان کے ظاہر پر دھوکہ مت کھائیں۔ وہ ایک نہایت ہی چالاک انسان ہے۔ اس نے کئی لڑکیوں کی زندگی خراب کی ہے۔ اب آپکے درپے ہے''۔

دلآرام کے کاٹو تو لہو نہیں تھا جسم میں۔

''مگر آپ ہیں کون؟ اور اسکو کس طرح جانتی ہیں؟''

''میں بس آپکو اتنا بتا سکتی ہوں کہ میں آپکی Well wisher ہوں اور اسکو اس طرح جانتی ہوں کہ یہی کھیل وہ مجھ سے بھی کھیل چکا ہے۔ اچھا اب بند کرتی ہوں''۔

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اور دلآرام جو دوپہر کو سونے کا سوچ رہی تھی۔ نیند کوسوں دور چلی گئی۔

اور ---- شام کو لان میں ماما کیساتھ بیٹھی چائے پی رہی تھی تو لگتا تھا دنوں کی بیمار تھی۔

"بیٹی"۔ ماما نے میز پر سے اپنی عینک اٹھا کر پہنی۔ "تم کیوں سست سی لگ رہی ہو؟"

"نہیں تو"۔ وہ اداس دی مسکرا دی۔

اور ماما سمجھیں اپنے گھر میں آ کر ماں باپ کی یاد نے پریشان کر دیا تھا۔ چپ ہو رہیں کہ یہ تو قدرتی تھا۔ وہ تو کتنے کتنے دن انہیں گھر کے کونوں کھدروں میں تلاش کرتی پھرے گی۔

وہ سارا وقت سوچوں میں گم رہی۔ سمینہ کی باتیں تمام وقت کانوں میں گونجتی رہیں۔

رات ڈنر پر بھی وہ گم سم تھی۔ ماما یہی سمجھتی رہیں کہ پہلا پہلا دن ہے آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائیگی۔

رات ماما پاس والے کمرے میں اور دلآرام اپنے کمرے میں سونے کیلئے چلی گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

"آ جائیں"۔ وہ ڈریسنگ روم میں تھی۔ رات کے کپڑے بدلنے گئی تھی۔

ماما تھیں۔ اندر آ گئیں۔ ہاتھ میں اوولٹین ملا دودھ کا گلاس لئے تھیں۔

"بیٹا یہ دودھ پی لو۔ کھانا نہیں کھایا۔ خالی پیٹ سونا ٹھیک نہیں"۔ انہوں نے گلاس اسکے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

ماما بیچاری کو اس کا کتنا خیال رہتا تھا۔

"اچھا ماما پی لوں گی تھینک یو"۔

"میں جا رہی ہوں بیٹا سونے۔ کوئی کام ہو تو پاس ہی ہوں بتا دینا"۔

"ماما"۔ وہ وہیں سے بولی۔

ماما دروازہ بند کرتے ہوئے چلی گئیں۔

کمرے میں آ کر وہ بھی بستر پر پڑ رہی۔ تکیوں میں سر دیئے الٹی لیٹی تھی۔ تبھی خیال آیا ماما دودھ لائی تھیں۔ اٹھتے ہوئے جلدی جلدی دودھ پی لیا۔ پھر اٹھی اور دانتوں کو برش کر کے واپس بستر پر آ لیٹی۔ آج تو اسے ایک ایک کام کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ ٹانگوں میں جان ہی نہ رہی تھی۔



اس نے کلاک پر نظر کی دس بج رہے تھے۔

'اور ہاں ہر رات دس بجے میرے پرائیویٹ نمبر پر ہر حال میں رنگ کرنا ہے'۔ دلاور خان کی بات اسکے کانوں میں گونجی۔

'نہ کیا تو؟' اس نے کہا تھا۔

'سمپل۔ میں بات نہیں کرونگا'۔

وہ تلخی سے مسکرا دی۔ تکیوں میں دوبارہ سر دیکر لیٹ رہی۔ کروٹوں پر کروٹیں بدلتی رہی۔

گیارہ بجے کے قریب فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ شاید دلاور خان تھا۔ اس نے ریسیور کان سے لگایا۔

"ہیلو"۔ وہ ہی تھا۔

"ہوں"۔ وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"فون کیوں نہیں کیا"۔ وہ خوشگواری سے بولا۔

"وقت نہیں ملا"۔

"وقت نہیں ملا؟" اسے یقین نہیں آیا۔

"ہاں"۔

اس نے اسکا بجھا بجھا سا لہجہ محسوس کر لیا۔

"کیا بات ہے بجھی بجھی سی ہو"۔

"کچھ نہیں"۔ پہلے تو وہ پاس ہوتا تھا وہ وجہ فوراً بتا دیتی تھی۔

مگر فون پر کیا کہنا۔ اور پھر ہو سکتا ہے سمینہ کی باتیں درست ہوں۔ وہ واقعی اس کیساتھ کھیل کھیل رہا ہو؟

"پھر بولتی کیوں نہیں ہو؟"

"بول تو رہی ہوں"۔

"ایسے بولنے سے نہ بولنا بہتر ہے"۔ وہ جھنجھلا اٹھا۔

"آپ کیوں تیز ہو رہے ہیں"۔

"کیوں تیز ہونے کا حق صرف تمہیں ہے"۔

"اچھا خدا حافظ"۔ دلآرام نے فون ہی بند کر دیا۔

دلاور خان نے دوبارہ رنگ نہیں کیا۔

وہ بے کل ہونے لگی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ دلاور خان اسکا ہر ناز اٹھاتا تھا ہر لاڈ کرتا تھا۔ مگر۔

وہ بھی کیا کرتی ـــ اور آئندہ کیا کرے گی ـــ اگر سمینہ کی باتیں سچ نکلیں تو؟

سوچتے سوچتے رات کے آخری پہر کہیں جا کر آنکھ لگی۔



دن دھیرے دھیرے سرک رہے تھے موسم خاصا بدل گیا تھا۔ دھوپ میں وہ تمازت نہ رہی تھی، شامیں خنک ہو چلیں تھیں، اور ہوائیں خوشگوار۔

دلاور خان تندہی سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

اس فون کے بعد اس نے اگلی رات بھی خود ہی دلآرام کو فون کیا۔

دلآرام نے پہلے سے بہتر Response دیا مگر دل تھا کہ ٹوٹا جا رہا تھا۔ دلاور خان کے بغیر رہا بھی تو نہیں جا رہا تھا۔ اسکا رویہ ہمیشہ کی طرح تھا۔ اپنائیت سے بھرپور، خلوص سے لبریز۔ وہ پھر مجبور ہو گئی۔

تیسری بار دلآرام نے خود اسے فون کیا۔ اور یوں انکی خفگی جاتی رہی۔ سمینہ کی بات دلآرام نے دلاور خان کو بتائی ہی نہیں۔ دلاور خان کو تھوڑا سا بھی وقت ملتا تو دلآرام کے پاس چلا آتا۔ اور اسطرح ـــ دن پھر ـــ ہنسی خوشی گزرنے لگے۔

دلآرام اور ماما شام کی چائے کے بعد اوپر ٹیریس پر بیٹھی تھیں۔ ماما ہر سال کی طرح خود اپنے ہاتھوں سے اس کیلئے سویٹر بن رہی تھیں۔ اور دلآرام کتابیں کھولے اپنا ہوم ورک کر رہی تھی۔

تبھی گیٹ میں دلاور خان کی سیاہ مرسیڈیز داخل ہوئی۔

سکواش کھیلنے کے بعد وہ تقریباً ہر دوسری شام دلآرام کو ہیلو کہنے آ جاتا تھا۔

ماما اپنی نٹنگ سنبھالتے ہوئے آہستہ سے اٹھ کر اندر چلدیں۔ اب تک وہ سمجھ گئی تھیں۔ کہ دلآرام اور دلاور خان ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اور وہ خوش تھیں۔ دلاور خان اچھا اور خاندانی لڑکا تھا۔ دلآرام کی اس کیساتھ شادی ہو جاتی تو انہیں خوشی بھی ہوتی اور ذمہ داری بھی ہلکی ہو جاتی۔

دلآرام نیچے اترتے ہوئے باہر لان میں آ گئی۔

دلاور خان بھی وہیں آ گیا۔ سفید ٹی شرٹ، سفید شورٹس اور جوگرز پہنے وہ بہت سمیشنگ لگ

رہا تھا۔

''ہیلومیم صاحب''۔وہ اسکے دائیں کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہیلو''۔

''تمہاری آواز فون پر ذرا سی بھی لرز جائے تو مجھے فکر لگ جاتی ہے''۔وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

حسب معمول رات فون پر باتیں کرنے کے دوران کسی کام سے ماما اندر آئی تھیں۔اس نے اشارے سے ماما سے پوچھنا چاہا تھا کہ انہیں کیا کام تھا؟ ایسے میں اسکی آواز ماند پڑ گئی۔اور دلاور خان کو دوبارہ فکر لاحق ہو گئی تھی۔

''ایک بات بتاؤں''۔دلآرام نے کبھی اس سے کوئی بات نہیں چھپائی تھی۔آج سوچا بتا ہی دے۔

''ہاں''۔

''کچھ عرصہ پہلے یاد ہے بلکہ اس کوٹھی میں آئے ہمارا پہلا دن تھا...''

''اور تم نے پہلے ہی فون پر میرے ساتھ لڑائی کی تھی''۔

''وہی تو بتانے لگی ہوں''۔

''ہوں''۔

''یہاں آنے سے پہلے آپکے یہاں اور یہاں آنے کے پہلے ہی دن ایک لڑکی سمینہ نے مجھے فون کیا تھا''۔وہ جیسے یاد کرنے لگی۔

''کیا کہتی تھی؟''

''یہی کہ ___ دلاور خان کے ظاہر پر دھوکہ مت کھائیں۔وہ ایک نہایت ہی چالاک انسان ہے۔اس نے کئی لڑکیوں کی زندگی خراب کی ہے۔اب آپکے درپے ہے''۔

حیرت کیساتھ ساتھ دلاور خان اپ سیٹ بھی لگنے لگا۔

''تم نے پوچھا نہیں وہ کون تھی اور مجھے کس طرح جانتی تھی؟''

''پوچھا تھا۔کہتی تھی میں آپکی ایک Well wisher ہوں۔اور دلاور خان کو اسطرح جانتی ہوں کہ یہی کھیل وہ مجھ سے بھی کھیل چکا ہے...''



''اور تم میرے ساتھ فون پر لڑنے لگیں۔ Yaar what the hell is going on. میں تو تنگ آ گیا ہوں۔اسی قسم کا ایک فون میرے پاس بھی آیا تھا کہ آپ جسے بہت پارسا اور معصوم فرشتہ سمجھ رہے ہیں وہ ایک عام لڑکی ہے۔جس دن وہ اپنے بوائے فرینڈ کیساتھ باہر نکلے گی میں آپکو بتا دونگی آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے گا۔ظاہر ہے یہ ایک فضول اور بے سروپا بات تھی۔نہ میں نے اسکا نام پوچھا نہ مزید بات کی۔فون بند کر دیا''۔

''اچھا''۔دلآرام سخت حیران ہوئی۔

''یس میم۔مگر نہ میں تمہارے ساتھ لڑا نہ کوئی ذکر کیا''۔

''Sorry Sir! I'm really very sorry.''

''اور وہ رات جو مجھ پر کروٹیں بدلتے گزری تھی؟''

''پلیز سر! بھول جائیں نا''

''ٹھیک ہے۔مگر آئندہ ایسا کیا نا...''

''تو جو چور کی سزا وہ میری...''

''چور تو تم ہو ہی''۔اسکے پرکشش ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹ تھی۔

''وہ تو آپ بھی ہیں''۔وہ سمجھ گئی وہ کیا کہنے والا تھا۔

''دونوں ایک دوسرے کا دل اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں۔کچھ میرے بچارے دل کا خیال بھی رکھتی ہو یا نہیں؟''

''ہاں سر۔ٹھیک ٹائم پر دانہ اور پانی دیتی ہوں۔کبھی کبھی کوک بھی پلا دیتی ہوں''۔وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے کہتی گئی۔

اور دلاور خان نے اسکے ڈھیر سارے بال بری طرح جھنجھوڑ ڈالے۔

''میں بھی تمہارے دل کی روزانہ گوڈی کرتا ہوں پانی دیتا ہوں''۔

''میرا دل کوئی پودا ہے''۔

''میرا دل کوئی پرندہ ہے؟''

اور دونوں زور سے ہنس دیئے۔پھر وہ اندر جانے لگی۔

''کہاں جارہی ہو؟''

''آپ کیلئے کوئی اپنے لئے چوکلیٹ کا کہنے''۔

''جلدی آؤ''۔

''بالکل ابھی آئی ایک منٹ میں''۔

اور ماما کو سب سمجھاتے ہوئے وہ واقعی جلدی باہر آ گئی۔

''میری جان''۔

''کیا ہے''۔

''میری روح''۔

''روح نہیں مجھے ڈر لگتا ہے''۔

''میری دلبر''۔

''کیا ہے؟''

''میری دلربا''۔

''کیا ہے؟'' وہ مصنوعی جھنجھلاہٹ سے بولی۔

''تیز آواز سے مت بولو میرا دل بیٹھ جاتا ہے''۔اس نے بے حد مسکین شکل بنائی۔

''یہ آپ کہہ رہے ہیں''۔

''جی''۔وہ مزید مسکین ہو گیا۔

''چٹان کے چٹان ہیں۔مسکین بننے کی ضرورت نہیں''۔

ایک بار پھر اس نے اسکے تمام بال کھینچ کر اسکا چہرہ اپنے قریب لاکر اسکے ماتھے پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

''تم میری ہر سانس میں کیوں بس گئی ہو ہاں۔میرا تو جینا مشکل ہو گیا ہے''۔

''یہ آپ میرے بال پکڑے بغیر بات نہیں کر سکتے''۔

''نہیں''۔

اور دور برآمدے میں ماما کو دیکھتے ہی اس نے اسکے بال چھوڑ دیئے۔



ماما نے برتن میز پر لگا دیئے۔اب وہ سمجھ گئی تھیں۔دلاور خان بلیک کوفی پیتا تھا۔دلآرام کا تو انہیں معلوم تھا چوکلیٹ اور کوکو پسند کرتی تھی۔ساتھ میں کیک اور سیخ کباب لائی تھیں۔

دلاور خان کباب پلیٹ میں لیکر کھانے لگا۔

''میری دلآرام!''

''ہوں''۔

''اب تیز ہونے کی ضرورت نہیں میں بہت کام کی بات کرنے لگا ہوں''۔

''اچھا سنائیں''۔

''تمہارے نام کا شاید مطلب ہے کہ دل کا آرام یا دل کا سکون۔تو تم نے تو مجھے پہلے دن سے بے سکون کر دیا ہے یہ کیسا نام رکھا ہے''۔

''یہ کام کی بات تھی''۔

''بہت کام کی۔پانی پانی پانی''۔وہ مرچ بالکل نہیں کھا سکتا تھا اور کباب میں مرچیں تھیں۔

اسے پانی پکڑاتے ہوئے وہ آہستہ سے ہنس دی۔

کبھی کبھی وہ بالکل بچہ بن جاتا تھا!

''اوہ''۔پانی پی کر اس نے نجات کی سانس لی۔''میں مرچ بالکل نہیں کھا سکتا''۔

یہ کیک لیں''۔

''کباب مزیدار ہیں نا''۔وہ بچوں کی طرح ایک بائیٹ کباب سے اور ایک گھونٹ پانی کا لینے لگا۔

''آج گئی تھیں کالج؟'' وہ تھرڈ ائیر میں ایڈمشن لے چکی تھی۔

''جی سر''۔

''میں تو آج آفس سے چھٹی کر لی تھی''۔

''کیوں''۔

''بس ___ ایک دوست آیا تھا شاہد۔میرے ساتھ ہی لنڈن سے پڑھ کر آیا ہے۔فی الحال Job less ہے''۔بس اسی کو انٹرٹین کرتا رہا...''

اس نے تلخ کوفی جلدی جلدی حلق سے اتاری۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب چلتا ہوں۔ سی یو۔ بائے''۔

''بائے''۔

وہ بھی اسکے ساتھ کار پورٹ تک آئی۔

وہ چلا گیا۔ تو وہ اندر چلی آئی۔

رات دس بجے حسب معمول دلآرام نے دلاور خان کو فون کیا۔

''دلآرام! تم شام کو کہیں باہر گئی تھیں؟'' چھوٹتے ہی وہ پریشان سا بولا۔

''نہیں تو۔ اور پھر شام کو تو آپ یہاں سے گئے تھے''۔

''اسکے بعد۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد...''

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں اکیلی شام کو کبھی گھر سے نکلی ہوں''۔

''میں تمہارے گھر سے سیدھا گھر آیا۔ کمرے میں گھستے ہی فون بجنے لگا۔ میرا پرائیوٹ نمبر جانے کیسے اس لڑکی نے معلوم کر لیا ہے۔ وہی لڑکی تھی جسکا آج میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔ کہتی تھی جا کر فلاں پارک میں دیکھو دلآرام اپنے بوائے فرینڈ کیساتھ موجود ہے۔ میں اول تو پاگل سا ہو گیا۔ جانے لگا۔ پھر ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچا تو لگا۔ سب فضول ہے۔ مگر یہ ہے کون جو ہمارے پیچھے لگا ہے''۔

''عجیب بات ہے۔ میں تو گھر سے ہلی بھی نہیں۔ اور پھر بوائے فرینڈ۔ مجھے آپکو یقین دلاتے ہوئے بھی جھیپ سا لگ رہا ہے...'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''تم پریشان نہ ہو پلیز! کیا میں تمہیں جانتا نہیں۔ لیکن یہ ہے کون جو...''

''میں خود حیران ہوں۔ پتہ نہیں کون ہے''۔

''اچھا بھول جاؤ۔ اور باتیں کرو۔ ہاں کل نیشنل ہال میں پینٹنگز کی Exhibition ہے۔ چار بجے شام تک تیار رہنا چلیں گے''۔

دلآرام کو معلوم تھا اسے پینٹنگز کا کریز تھا۔ اسکے گھر میں جگہ جگہ پکاسو اور لینارڈو ڈی ونشی کی نایاب پینٹنگز آویزاں تھیں۔ جا بجا مائیکل اینجلو کے مجسمے ایستادہ تھے۔



''صاحب جی پرسوں میرا سائیکولوجی کا ٹسٹ ہے آپ برا تو نہیں مانیں گے اگر...''

''اوہ تو میری جان۔ ٹھیک ہے تم ٹسٹ کی تیاری کرنا۔ میں ایک سرسری نظر ڈال آؤں گا رائیٹ''۔

''سو نائیس آف یو صاحب جی''۔

''اچھا اب بند کرتا ہوں۔ ہاں''۔

''گڈ نائیٹ''۔ دلآرام نے کہا۔

''گڈ نائیٹ''۔ وہ بولا۔

اور فون بند کر دیا۔

اسکا ٹسٹ اچھا ہوا تھا وہ خوش تھی۔

آج وہ اور ماما ٹیرلیس پر نہیں گئیں۔ ٹی وی پر وگرام اچھا سا پروگرام تھا۔ سو وہیں لاؤنج میں بیٹھ رہیں۔

گاہے گاہے اسکی نظر کلاک کی طرف اٹھ جاتی۔ شاید دلاور خان آجائے۔ مگر ضروری بھی نہیں تھا۔ کبھی کبھی وہ نہیں بھی آتا تھا۔

رات فون پر بات ہوجاتی تھی۔ وہ بے چینی سے رات دس بجے کا انتظار کرنے لگی۔ اسکی چھوٹی چھوٹی خوشیاں تھیں جو وہ دلاور خان کو سنا کر خوش ہوتی تھی۔ یہی کہ اسکا ٹسٹ اچھا ہوا اور یہ بھی کہ پینٹنگز کی نمائش کیسی رہی وغیرہ۔

رات دس بجے دلآرام نے فون کیا۔ دیر تک رنگ جاتی رہی پر کوئی اٹھاتا ہی نہیں تھا۔ بار بار کیا۔ مگر کوئی رسپانس نہیں ملا۔ اس نے کمپلینٹ سے چیک کروایا۔ فون ٹھیک تھا۔

وہ سخت حیران ہوئی۔ بہر حال —

رات اداس اداس سی سوگئی۔

اگلی رات بھی یہی ہوا۔ جانے کیا ہوا تھا؟ اسے طرح طرح کے اندیشے لاحق ہونے لگے۔

اور اس سے اگلے دن وہ دوپہر آفس سے واپسی پر وہاں آگیا۔

''ہیلو سر''۔ اسے دیکھتے ہی وہ کھل اٹھی۔

''ہیلو''۔ اسکی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

وہ جلدی میں تھا۔ دونوں وہیں باہر برآمدے کے پاس کھڑے رہے۔

''دلآرام''۔ اس نے ابتدا کی۔

''جی''۔



''اس رات فون پر میں نے تمہیں کہا تھا کہ کل پینٹنگز کی Exhibition ہے میرے ساتھ چلو۔ مگر تم نے کہا کہ تمہارا پرسوں ٹسٹ ہے تیاری کروگی۔ اسی دن مجھے پھر اس لڑکی کا فون آیا کہنے لگی چار بجے شام اسی پارک میں دیکھنا دلآرام اپنے اسی بوائے فرینڈ کیساتھ ہوگی۔ بہر حال اس بار میں خاموش نہ بیٹھ سکا۔ Exhibition تو خیر کیا دیکھی۔ وہاں سے سیدھا پانچ بجے اسی پارک میں گیا۔ کچھ فاصلے پر ایک بنچ پر ایک لڑکا لڑکی بیٹھے تھے۔ وہ لڑکی بالکل تمہاری طرح تھی۔ اسی طرح ڈھیلے ڈھالے کپڑے، اسی طرح بال اور آنکھوں کا رنگ قدرے فاصلے سے چونکہ دیکھ رہا تھا مجھے زیادہ تو معلوم نہ ہوسکا مگر تھا یقیناً لائیٹ...''

''دلاور۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ پلیز...'' اسکی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''دلآرام میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میں کیا کروں بتاؤ۔ کس کا یقین کروں تمہارا یا اس لڑکی کا''۔ وہ بے بسی سے بولا۔

''دلاور آپ تو مجھے جانتے ہیں''۔

''اس رات میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں بہت غصہ میں تھا۔ میں...''

''دلاور یہ بالکل جھوٹ ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی اور لڑکی ہو جسکی مجھ سے شکل ملتی ہو...''

''تم سے نازیہ کی شکل ملتی ہے۔ میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن تمہاری طرح آنکھوں کا رنگ، کپڑوں کا سٹائل...''

''میں کچھ نہیں سمجھ پا رہی۔ مگر آپ یقین کریں میں کہیں باہر نہیں نکلی۔ مجھ میں اتنے Guts ہیں کہ میں اکیلی گھومتی پھروں؟ آخر میں آپ کیساتھ اتنے دن اکٹھی رہی ہوں کیا آپ مجھے جان نہیں سکے؟''

''میں پاگل ہو رہا ہوں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی''۔

''دلاور پلیز ریلیکس۔ یہ سب باتیں ذہن سے نکال دیں۔ میں نے زندگی میں ایک شخص کو پسند کیا ہے اور وہ آپ ہیں۔ نہ اس سے پہلے میری زندگی میں کوئی آیا تھا نہ بعد میں آئیگا۔ میں پارکوں میں گھومنے والی لڑکی نہیں۔ پاپا کو اتنی فرصت نہ تھی کہ ہمیں کہیں لیکر جاتے اور آپ کیساتھ جو گھومی ہوں بس وہی گھومی ہوں...'' آنسو لڑھک کر اسکے گالوں پر آرہے۔

دلاور خان نے گہری سانس لی۔

''تم پریشان مت ہو۔ مجھے تم پر یقین ہے۔ کاش مجھے پتہ چل جائے یہ سب کون کر رہا ہے۔ پھر میں سمجھ لونگا اسکو''۔

دلآرام کے آنسو تواتر سے بہنے لگے۔

''بس جان۔ روؤ نہیں۔ مجھے ایک بار پتہ لگ جائے نا کہ یہ کون کر رہا ہے۔ پھر میں اسے رلاؤنگا اچھی طرح''۔ اس نے اپنی انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

اب اسکے ذہن کا بوجھ بھی ہلکا پڑ گیا تھا۔

''اوکے چلتا ہوں اب۔ تم بھی سب ذہن سے نکال دو''۔

وہ سرخ آنکھیں لئے اسے دیکھتی رہی۔

''رات کو فون کرونگا۔ ہاں۔ اپنا خیال رکھنا''۔ اس نے اپنائیت سے اسکا گال تھپتھپایا۔

اور وہ گاڑی میں بیٹھ کر چلدیا۔

شام ٹیالی ہو رہی تھی۔ خنکی اتر آئی تھی اور ــــ دانے دنکے کی تلاش میں دن بھر کے سرگرداں پنچھی اپنے اپنے آشیانوں کی طرف چل پڑے تھے۔

ماما شام کی نماز پڑھ کر لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ دلآرام نے بھی وہیں نماز پڑھی اور پھر ماما کیساتھ بیٹھ گئی۔

اسکے دل پر دلاور خان کی باتوں کا بہت بوجھ تھا۔

پتہ نہیں کون کیا سازش کر رہا تھا؟

ٹی وی پر ایک دلچسپ پروگرام آ رہا تھا۔ اس نے توجہ ادھر لگا دی۔

معاً اسے اپنے بیڈروم میں فون کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔

وہ اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔

ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

''ہیلو''۔ [illegible] ہی ایک نسوانی آواز آئی۔ اب تو وہ فون کی گھنٹی سے، نسوانی آواز سے



بھی گھبرانے لگی تھی۔

''جی۔ کون بول رہی ہیں''۔

''میں نازیہ بول رہی ہوں، دلآرام سے بات کرنی ہے''۔

اسکا دل دھڑک سا اٹھا۔ وہ تو وہاں پہاڑ پر بھی اسے چڑیل سی نظر آئی تھی۔ لمبے لمبے سرخ ناخن، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور نظروں میں غصے کی چنگاریاں۔

''بول رہی ہوں''۔ وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔

''اوہ۔ تو تم ہی دلآرام ہو''۔

''جی''۔

''مجھے شاید تم جانتی ہوگی۔ دلاور نے بتایا ہوگا میرے بارے میں...''

دلآرام نے حوصلہ اکٹھا کیا۔ ہمت مجتمع کی۔

''تو؟''

''میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لونگی۔ بس ایک بات بتانی ہے کہ دلاور اب بھی مجھ سے پیار کرتا ہے تمہاری طرف اگر وہ اٹریکٹ ہوا ہے تو صرف میری ہمشکل ہونے کی وجہ سے...''

پہاڑ پر دلآرام کو دیکھ کر نازیہ نے دلاور خان سے کہا تھا۔

'مسٹر دلاور۔ تم اب بھی مجھ سے ہی پیار کرتے ہو۔ تم اس لڑکی کو صرف اسلئے پسند کرتے ہو کہ وہ میری ہمشکل ہے'۔

'یہی سہی...' جواب میں دلاور خان نے جان چھڑانے کو کہا تھا۔

اور آج نازیہ نے اسی 'یہی سہی' کا سہارا لیا تھا۔

''پھر؟'' دلآرام بڑے ضبط سے بولی۔

''پھر یہ کہ تم اسکا خیال دل سے نکال دو وہ میرا ہے''۔

''میں اسکا خیال دل سے کبھی نہیں نکالونگی۔ رہا کہ وہ تمہارا ہے تو جب تک میں خود اسے تمہارے ساتھ نہ دیکھ لوں۔ میں یقین نہیں کرتی''۔

''تمہیں ثبوت چاہیئے۔ تو کل شام چھ بجے روزز گارڈن والی کیفے میں آ کر دیکھ لینا وہ

میرے ساتھ کوفی پی رہا ہوگا"۔

"اچھا"۔اور دلآرام نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

سر تھا کہ بوجھ سے پھٹا جا رہا تھا۔ اب وہ فائنل ائیر کی سٹوڈنٹ تھی، ڈھیر سارا کام کرنا پڑتا تھا۔ مگر وہ تو ایسی مصیبت میں پھنس گئی تھی کہ نکلنا ہی ممکن نہیں لگ رہا تھا۔ تھرڈ ائیر بھی تقریباً آدھا پڑھا جا چکا تھا جب اس نے ایڈمشن لیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے کور کیا۔ اب آخری سال تھا محنت کی ضرورت تھی مگر ـــــ ذہن و دل جیسے کسی نے جکڑ لئے تھے۔

اور آج تو نیا چیلنج ملا تھا۔

رات ڈنر کے بعد اس نے ہی دلاور خان کو فون کیا۔ جان بوجھ کر نازیہ کے فون کا ذکر نہیں کیا۔ ایک تو یہ کہ وہ اچھے خوشگوار موڈ میں تھا۔ دوسرا یہ کہ کل اسکا ارادہ واقعی اسے کیفے میں جا کر دیکھنے کا تھا اسے بتا کر وہ اسے محتاط کرنا نہیں چاہتی تھی۔

رات پھر اسکی کروٹیں بدلتے گزری۔



صبح کالج میں بھی وہ بجھی بجھی سی رہی۔

سر میں درد الگ ہو رہا تھا۔ اسکی دوست ناہید اسے کینٹین لے گئی۔ سر درد کی گولیوں کیساتھ چائے پلائی۔ اس کے گھریلو حالات ناہید کو پتہ تھے۔ وہ جب بھی پریشان ہوتی وہ یہی سمجھتی کہ اس پر جو بیتی تھی اسکی وجہ ہے۔ مگر ــــ دلآرام بیچاری کے مسائل میں تو دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔

اس نے ناہید کا شکریہ ادا کیا اور گھر آ گئی۔

کھانا بھی برائے نام کھایا۔ دوپہر کو بستر پر لیٹی بس نازیہ کی باتوں کے بارے میں سوچتی رہی۔ بہت پریشان تھی۔ وہ کبھی اکیلے کیفے وغیرہ میں گئی بھی نہیں تھی۔ بہر حال ـــ

شام چائے ماما کیساتھ پی کر وہ ناہید کے گھر کمبائینڈ سٹڈی کرنے کا کہہ باہر برآمدے میں نکل آئی۔ پھر ـــ

ڈرائیور کیساتھ گاڑی میں بیٹھی۔

کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس سے کیا کہے؟

"رحمت کاکا! روز گارڈن والی کیفے سے ہو کر جانا شاید ناہید وہیں ہو۔ اس نے کہا تھا اس طرف سے ہو کر جانا وہاں نہ ہوئی تو گھر پر ہوگی"۔

"جی اچھا"۔

رحمت کاکا چل پڑے۔

اور وہ تمام راستہ دعائیں مانگتی رہی نازیہ کی بات غلط ہو۔

کیفے کے قریب پہنچتے پہنچتے اسکا دل خواہ مخواہ دھڑکنے لگا۔

اس نے قدرے فاصلے پر گاڑی رکوائی۔

اور ـــ احتیاط سے چلتی کیفے کی کھڑکیوں کے شیشوں میں سے چوری چوری دیکھتی رہی۔

تبھی ـــ اس نے دیکھا۔ دلاور خان اور نازیہ ایک ہی میز پر بیٹھے سچ مچ کوفی پی رہے تھے۔

وہ الٹے قدموں لوٹ آئی۔

''کاکا۔ ناہید کے گھر چلو وہ یہاں نہیں ہے''۔ اپنا جھوٹ نبھانے کو اب اسے ناہید کے گھر جانا ہی پڑا۔

ناہید کے یہاں کچھ دیر گزار کر اس نے اجازت چاہی اور ـــ گھر آ گئی۔

اب دلاور خان کیا کہے گا؟ تھی کوئی گنجائش کرنے کی؟

بستر پر پڑے پڑے وہ رو دی۔ یہ کیا روگ لگا لیا تھا اس نے اپنے آپکو۔ بھاڑ میں جائے دلاور خان اور بھاڑ میں جائیں لڑکیاں جو اسے حاصل کرنے کیلئے اسکو بھی پاگل بنائے ہوئے تھیں۔ تنگ آ کر وہ سوچنے لگی۔

کافی دیر ماؤف ذہن لئے وہ بستر پر پڑی رہی۔ پھر ـــ

جیسے ایک فیصلہ کر لیا۔ عزم کر لیا۔

وہ آئندہ اپنا سارا دھیان پڑھائی میں لگا دے گی۔ دلاور خان کو بھول جانے کی کوشش کرے گی۔ کیونکہ وہ بہت پریشان رہتی تھی، پڑھائی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی اور ـــ

ذہن ـــ لگتا تھا برین ہیمرج ہو جائیگا اسے!

کیا فائدہ ایسے پیار سے، ایسی محبت سے، جو سارا اسکا تھا بھی نہیں۔ پورے طور پر اسے مل بھی نہیں رہا تھا۔

کتنی لڑکیاں تھیں جو اس سے وابستہ تھیں، اور کتنے کالز تھے انکے جو اسے پاگل کئے دے رہے تھے۔

باز آئی وہ ایسی محبت سے۔ جو اسے دکھ اور پریشانی کے سوا کچھ نہیں دے سکتا تھا۔

اس نے ایک تھکی سی سانس لی۔ باتھ روم جا کر منہ دھویا۔ اور نڈھال سے قدموں سے چلتی لاؤنج میں ماما کے پاس آ گئی۔

ٹی وی پر ڈرامہ ہو رہا تھا اس نے دھیان اسی میں لگانے کی کوشش کی۔ وہ تو گھر سے ہی بیگانہ ہو رہی تھی۔ گھر تو کیا اپنے آپ سے بیگانہ ہو رہی تھی۔



''بیٹی ناہید کیسی تھی؟ پڑھ آئیں کچھ یا گپیں کرتی رہیں دونوں''۔ ماما نظریں ٹی وی پر نائے بولیں۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

''ناہید ٹھیک تھی اور ہم لوگ واقعی گپیں ہانکتی رہیں۔ کمبائینڈ سٹڈی میں اکثر یہی ہوتا ہے۔ آئندہ میں گھر پر ہی پڑھا کرونگی''۔

''ہاں بیٹی گھر پر زیادہ بہتر ہے''۔ نظریں برابر ٹی وی پر تھیں۔ ''بیٹی یہ لڑکا برابر اس کتے کو کان سے پکڑے کھینچ رہا ہے۔ کبھی مارتا ہے مگر مجال ہے کتا ہلے بھی...''

آگے جانے ماما کیا کہنے والی تھیں۔ کہ دلآرام زور سے ہنس دی۔

''کیوں بیٹی؟'' پہلی بار انہوں نے مڑ کر دیکھا۔

''ماما یہ کتا نہیں گدھا ہے''۔ وہ اب بھی ہنس رہی تھی۔

''اچھا اچھا''۔ وہ بھی ہنس دیں۔ ''میں بھی باؤلی ہوئی ہوں۔ بیٹی ذرا میری عینک تو دکھانا ڈاکٹر کو شاید کچھ گڑبڑ ہے اس میں''۔

''عینک نہیں دکھاؤنگی ڈاکٹر کو۔ آپکو دکھاؤنگی''۔

''چلو مجھے ہی دکھا دو۔ اب گدھے کو کتا کہہ رہی ہوں۔ جانے پورے ڈرامے میں کیا کیا دکھتا ہوگا''۔

ماما بہت شوقین تھیں ٹی وی کی۔

سر شام ہی بہت اہتمام سے ٹی وی کے آگے بیٹھ جاتی تھیں۔ ساتھ میں چائے اور کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز ضرور رکھتی تھیں۔ رات کا کھانا بھی پلیٹ میں لیکر وہیں کھاتیں۔ عشاء کی نماز بھی وہیں ادا کرتیں۔

اس نے بھی آج کھانا وہیں منگوا لیا۔ ماما نے خوشی خوشی دسترخوان بچھایا۔ کھانا لگایا۔ خود بھی پلیٹ میں لیا۔ دلآرام بھی کھانے لگی۔

اور ـــ اسے لگا۔ عرصہ بعد وہ اپنے گھر اپنے آپ میں لوٹ آئی تھی!

کھانے کے بعد اپنے بیڈ روم میں گئی۔ اسکی پڑھنے کی میز تتر بتر ہو رہی تھی۔

میز صاف کر کے اس نے سب چیزیں طریقے سے لگا دیں۔ ٹائم ٹیبل میز کے اوپر سامنے لگا دیا۔ کتابیں بھی ٹائم ٹیبل کے لحاظ سے سیٹ کیں۔

اور پھر —— کافی دیر تک پڑھتی رہی۔ آج تو ذہن میں ہر سبجیکٹ بآسانی جذب ہو رہا تھا۔

ورنہ اس سے پہلے تو وہ کوشش کے باوجود ایسا نہ کر پاتی۔ ذہن بار بار بھٹک کر دلاور خان کی طرف چلا جاتا۔

اس وقت وہ بہت ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ یہ فیصلہ وہ پہلے ہی کر لیتی تو اچھا تھا۔

''ٹررن... ٹررن'' فون کی گھنٹی بجی تو اسکی جان نکل سی گئی۔ اب تو اسے فون سے خوف آنے لگا تھا۔

اس نے گھڑی پر نگاہ کی۔ دس نہیں بجے تھے۔ دلاور خان دس کے بعد ہی فون کرتا تھا۔

بہر حال اٹھایا تو ماما کی ماموں زاد بہن کا نکلا۔ وہ اکثر ماما سے فون پر بات کیا کرتی تھیں۔ یہیں پاس ہی گاؤں میں رہتی تھیں۔

''ماما آپکا فون ہے''۔ اس نے دروازے میں آ کر ماما کو آواز دی۔

''زرینہ کا ہوگا''۔ وہ جھنجلائی ہوئی آئیں۔ ''سارا پروگرام گزر جائیگا دیکھنا۔ بولتی ہے تو پھر بولتی چلی جاتی ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی وقت ہے فون کرنیکا''۔ وہ بڑبڑاتی رہیں۔

''ہے لو''۔ انہوں نے ریسیور الٹا لگایا۔

''ماما۔ الٹا ہے''۔ دلآرام ہنسی روکتے ہوئے بولی۔

ماما نے سیدھا کر دیا۔

''ہے لو۔ زور سے بولو آواز نہیں آ رہی''۔

اور دلآرام نے قریب آ کر انکے کان سے ان کی موٹی سی شال ہٹائی تا کہ وہ سن سکیں۔

''اب ٹھیک ہو گیا۔ اچھا سنا کیا حال ہے''۔ ماما خوش ہو کر باتیں کرنے لگیں۔

اور پھر جو باتوں میں لگ گئیں تو ٹی وی بھول بھال گئیں۔ کافی دیر تک باتیں کرنے کے بعد زرینہ شاید بند کرنے لگی تھیں۔

''اے سن۔ بند مت کر۔ آگے تو تو نے بتایا نہیں منگنی ہوتے ہوتے کیسے ٹوٹ گئی؟''



اور دلآرام ہنسے بنا نہ رہ سکی۔ پہلے تو زرینہ بچاری کو فون کرنے پر کوس رہی تھیں اور اب جب بند کرنے لگی تھیں تو بند کرنے نہیں دے رہی تھیں۔ ماما کے بھی اپنے انداز تھے!

''اچھا چل بند کر۔ دلآرام بی بی سونے لگی ہیں''۔

دلآرام واقعی رات کے کپڑے بدلنے ڈریسنگ روم کی طرف جا رہی تھی۔

''خدا حافظ۔ بائیں بائیں''۔

وہ کسی کے بھی فون کے آخر میں 'بائے بائے' ضرور کہتیں۔ دلآرام ہنسی روکے ڈریسنگ روم میں گھس گئی۔

اور ماما اپنی ٹی وی کے پاس۔

نہ چاہتے ہوئے بھی دس بجے کے قریب دلآرام دلاور خان کے فون کا انتظار کرتی رہی۔ اسلئے نہیں کہ وہ اسکے فون کیلئے بے تاب تھی۔ آج تو وہ یکسر بدل گئی تھی۔ بلکہ اسلئے کہ اگر آنا ہو تو آ جائے تا کہ ریسیو کرنے کے بعد وہ آرام سے سو سکے۔ مگر——

کوئی فون نہیں آیا۔

وقت بیتتا چلا گیا اور—— وہ دھیرے دھیرے نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

پلوں کی پائلیں بجتی رہیں، دن راتوں میں اور راتیں دنوں میں ڈھلتی رہیں۔

گلابی جاڑوں کی گلابی شام تھی۔ ڈھلتا سورج تاحد نظر پھیلی سرسوں کو مزید سنہری بنا رہا تھا۔

اونچے درختوں میں سرسراتی مدھم خرام ہوا سردی کو دوچند کر رہی تھی۔

وہ کھڑکی کے پاس کھڑی دور اس پار دیکھ رہی تھی۔ آس پاس کے چھوٹے موٹے مکانوں میں شام کی پکوان کے دھوئیں اٹھنے لگے، پرندوں کے غول اپنے آشیانوں کی اور چل دیئے تو۔۔۔ وہ چونک اٹھی۔

اسے پڑھنا چاہیئے تھا۔ پرسوں مڈٹرم ایگزامز شروع ہونے والے تھے۔

کھڑکی بند کر کے اس نے پردے برابر کر دیئے۔ اپنی رائیٹنگ ٹیبل پر آئی۔ اور سائیکولوجی کی کتاب کھول لی۔

معاً فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اب وہ فون کی گھنٹی سن کر چونکتی نہیں تھی۔ کہ دلاور خان سے بات چیت بند تھی۔ اور نازیہ کی بھی شاید تسلی ہو چکی تھی کہ اس نے دلاور خان کو اسکے سپرد کر دیا تھا۔ ان دونوں کے فون کی تو اب کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ بہر حال۔۔۔

''یس۔ دلآرام ہیئر''۔

''اوہ ۔۔۔ نازیہ بول رہی ہوں''۔

''اب کیا کام ہے''۔ وہ روکھے سے لہجے میں بولی۔

''تمہیں شاید پورا بھروسہ تھا دلاور پر کہ وہ صرف تمہارا ہے۔ کل شام کلب آجانا ہم دونوں ٹینس کھیلنے جائینگے''۔

پتہ نہیں کیوں؟ دلاور خان سے قطع تعلق کا فیصلہ کرنے کے باوجود اس وقت جیسے دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ مگر پھر فوراً وہ سنبھلی۔ وہ نازیہ کو کوئی کمزوری دکھانا نہیں چاہتی تھی۔



''نہیں مجھے غلطی ہوئی تھی۔ دلاور صرف آپکا ہے۔ رہی کلب آنے کی بات۔ تو مجھے یقین ہے آپ دونوں ٹینس کھیل رہے ہونگے۔ اسلئے میں آنا بھی ضروری نہیں سمجھتی''۔ اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

پڑھنے کی میز پر آ کر کافی دیر ڈسٹربڈ رہی۔ آج دنوں بعد نازیہ نے پھر فون کیا تھا۔ کب وہ اسکا پیچھا چھوڑیگی؟

وہ کمرے سے باہر نکلی۔ لاؤنج میں بیٹھ کر ماما کیساتھ ٹی وی دیکھنے لگی۔

پھر جلدی ہی کھانا منگوالیا۔ کھانے کے بعد تھوڑی دیر وہیں ماما کے پاس بیٹھی رہی۔ پھر اٹھ کر دوبارہ پڑھنے میں مصروف ہوگئی۔

اب وہ قدرے سنبھل گئی تھی۔ دیر تک بیٹھی پڑھتی رہی۔

اگلے دن وہ کالج نہیں گئی۔ کالج جا کر ٹائم ویسٹ ہوتا تھا۔ گھر پر ہی پڑھنے کا سوچ لیا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہوتے ہی وہ باہر دھوپ میں پڑھنے بیٹھ گئی۔ کبھی کبھی نازیہ کی بات ذہن میں سر ابھارتی مگر پھر وہ جھٹک دیتی۔

دوپہر کو تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد وہ پھر پڑھنے بیٹھی۔ پر۔۔۔

جوں جوں نازیہ کا بتایا ہوا وقت قریب آ رہا تھا اسکی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ پڑھائی کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

اور پھر۔۔۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جن کپڑوں میں تھی جیسی بھی تھی۔ باہر نکلتے ہوئے رحمت کو آواز دی اور گاڑی میں بیٹھ کر کلب چلدی۔

کلب پہنچ کر اس نے دور ایک طرف گاڑی رکوائی۔ ٹینس کورٹ کی طرف دیوار اونچی نہ تھی۔ سب صاف نظر آ رہا تھا۔

دو آدمی کھیل رہے تھے پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں چلدیئے اور۔۔۔

دلاور خان اور نازیہ نے اپنے اپنے ریکٹ سنبھالے کورٹ میں آ گئے۔ انہوں نے کھیلنا شروع کیا تو دلآرام نے ڈرائیور کو واپس چلنے کو کہا۔

وہ یوں ہی بازار گئی۔دو کاپیاں خریدیں اور انک۔تا کہ رحمت کاکا کو کوئی شک نہ ہو اور ـــــ واپس گھر چلی آئی۔

دلاور خان شاید دوبارہ نازیہ کی طرف پلٹ گیا تھا۔جبھی تو اس دن کے بعد سے نہ ملنے آیا تھا۔نہ ہی کوئی فون کیا تھا۔گو وہ خود بھی ایسا نہیں چاہتی تھی۔لیکن اسکو بھی پرکھ لیا تھا۔کیا بھروسہ ایسے آدمی کا؟ اس نے تلخی سے سوچا۔

اور ـــــ آج اسے احساس ہوا۔بہت کوشش کے باوجود وہ اسے دل سے نکال نہ پائی تھی!

رات کا کھانا کھا کر وہ ذہن سے ہر بات نکال پڑھنے میں معروف ہوگئی۔کیونکہ اسکا پہلا پیپر تھا۔اور وہ پہلے کی طرح اچھے مارکس لینا چاہتی تھی۔



اسکا پہلا پیپر بہت اچھا ہوا۔وہ بہت خوش تھی۔پیپر دیکر وہ سیدھی گھر آئی کھانا کھایا۔دوپہر کو حسب عادت تھوڑا ریسٹ کیا اور شام کی چائے پیتے ہی پھر پڑھائی میں لگ گئی۔

ماما بیچاری اکیلی ہی ٹی وی دیکھتی رہتیں۔ساتھ ہی دلآرام کی کامیابی کی دعائیں بھی مانگتی رہتیں۔روزانہ نظر بھی اتارا کرتیں۔

دن تیزی سے گزرنے لگے۔آج اسکا آخری پیپر بھی ہوگیا۔اچھا ہوا تھا یہ بھی۔

وہ بہت خوش تھی۔کالج سے آکر کپڑے تبدیل کئے اور سیدھی کچن میں ماما کے پاس آگئی۔

''ماما بھوک لگی ہے''۔اس نے انکے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

''میری جان ابھی کھانا لگواتی ہوں۔میرا بچہ۔اتنا سا منہ نکل آیا ہے امتحان نہ ہوا روگ ہوگیا۔سارا سارا وقت پڑھتی ہی رہتی تھی میری بچی''۔

سجاد۔چکن تیار ہے۔مٹر چاول بھی۔بس کوفتوں میں تھوڑی دیر ہے۔احتیاط رکھنا ٹوٹ نہ جائیں''۔اب کے وہ خانساماں سے بولیں۔

''اچھا ماما''۔

''آؤ بیٹی۔چل کے دھوپ میں بیٹھیں تھوڑی دیر''۔

اور وہ دونوں لان میں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

کھانا لگ چکا تو سجاد نے آکر اطلاع دی۔

آج دنوں بعد وہ آرام سے کھانا کھا رہی تھی۔ماما نے ہر چیز اسکی پسند کی بنوائی تھی۔

''ماما آج میں خوب سوؤنگی''۔وہ کھانا تقریباً ختم کر چکی تھی۔

''ہاں بیٹا خوب سونا۔دن رات کی نیند حرام کر رکھی تھی''۔انہوں نے کرسٹل کے خوبصورت پلیٹر میں رکھے مالٹے اسکی طرف بڑھائے۔

اس نے مالٹے کھائے اور نیپکن سے ہاتھ صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ماما میں اپنے بیڈروم جارہی ہوں سوؤں گی کوئی نہ آئے اس طرف"۔

"مجال ہے کسی کی اس طرف جائے"۔ وہ شفقت سے بولیں۔

دلآرام اپنے کمرے میں گئی۔ باتھ روم میں ہاتھ منہ دھوئے اور بستر میں گھس گئی۔

دنوں بعد وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

تبھی فون کی گھنٹی سے اسکی نیند ٹوٹ گئی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو"۔ وہ ماؤتھ پیس میں بولی۔

"شام چھ بجے دلاور اپنی برتھ ڈے میرے ساتھ ہالی ڈے ان میں منا رہا ہے۔ دیکھنے آؤ گی؟" نازیہ تھی۔ اسکی آواز میں کسی فاتح کی جھلک تھی۔

"فون کرنے سے پہلے ٹائم دیکھ لینا چاہیئے۔ وقت بے وقت کسی کو ڈسٹرب کرنے کا آپکو کوئی حق نہیں پہنچتا"۔ اس نے فون بند کر دیا۔

اسکی نیند اڑ گئی۔ گو کہ اس نے دلاور خان کو بھول جانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اسکی یاد خاصی مدھم بھی پڑ گئی تھی۔ لیکن —— شاید یہ سب امتحان کی تیاری کی وجہ سے تھا۔ درحقیقت —— وہ اسے بھول نہیں پائی تھی۔ بہت کوشش کر کے بھی!

بستر سے نکل کر وہ باتھ روم گئی۔ منہ دھویا اور لاؤنج میں آ کر ماما کے پاس آ بیٹھی۔ وہ پریشان ہوتی تھی تو ماما کے پاس آ بیٹھتی تھی۔ گو کبھی اپنے راز میں شریک نہیں کیا تھا مگر انکے پاس بیٹھ کر ان سے باتیں کر کے بھی دھیان بٹ جاتا تھا۔ پر——

اس وقت تو جانے کیا بات تھی۔ ماما کی باتوں کی سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی جیسے۔ پھر——

اس نے سوچا کیا وہ چلی جائے ہالی ڈے ان؟ کیا دیکھ لے بقول نازیہ کے دلاور خان کو برتھ ڈے مناتے نازیہ کے ساتھ!

تجسس نے دل میں سر ابھارا۔ گو ان دونوں کو اکٹھے دیکھنا بہت مشکل تھا، بہت کٹھن!

اور شام سات بجے تک وہ رحمت کاکا کے ساتھ گاڑی میں ہالی ڈے ان پہنچ گئی۔ وہ وہیں بنی



دکانوں میں شوپنگ کرنے لگی۔ اب تک برتھ ڈے ہو چکی ہوگی اور جب وہ لوگ باہر نکلیں گے تو وہ انہیں دیکھ لے گی۔

اور—— تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ وہ دونوں اسی دکان میں آ گئے جہاں دلآرام اپنے لئے لیدر کا ہینڈ بیگ پسند کر رہی تھی۔

وہ آہستہ سے ایک ریک کی آڑ میں ہو گئی۔

"ڈارلنگ وہ والا بیگ دلا دو"۔ یہ نازیہ تھی دلاور خان سے کہہ رہی تھی۔

"Sure لیکن تم میرے کندھے سے سر اٹھاؤ"۔

"کیوں؟"

"اسلیئے کہ تم جو حرکتیں کرتی رہتی ہو نا کسی دن پٹ جاؤ گی انکی وجہ سے"۔

"تم مارو گے؟"

"نہیں۔ لوگ ماریں گے۔ پاکستان میں بعض علاقے ایسے بھی ہیں جن میں تم جینز پہن کر گئیں تو بھی گردن سے پکڑ لینگے"۔

"جاہل لوگ"۔ وہ نخوت سے بولی۔

"جاہل نہیں ہیں۔ عورت کی حیا پر یقین رکھتے ہیں۔ تمہیں پتہ ہے عورت کا مطلب کیا ہے؟"

"عورت کا مطلب عورت ہے"۔

"عورت کا مطلب ہے 'پردہ'"۔

"پھر وہی دقیانوسی باتیں"۔

"میں تو کرونگا"۔

"چلو بیگ لیکر دو"۔

"ہاں"۔

اور دلآرام بغیر کچھ لئے ہی قریبی دروازے سے باہر نکل آئی۔

وہ —— واقعی نازیہ کی طرف پلٹ چکا تھا!

گاڑی میں بیٹھ کر وہ گھر چلی آئی۔

کھانا کھا کر کپڑے بدل کر وہ بستر میں لیٹی تو ـــ اسے احساس ہوا۔
وہ بہت تھک گئی تھی۔ چور چور ہو گئی تھی۔ ریزہ ریزہ!



وہ اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ کئی فائلز اسکی توجہ کے منتظر تھے۔ مگر ـــ
وہ تھکا تھکا سا نڈھال سا محسوس کر رہا تھا۔
کچھ عرصے سے اسکی یہی حالت تھی۔ اسے لگتا تھا وہ ادھورا سا تھا۔ تشنہ سا تھا!
زندگی کو گھسیٹ رہا تھا جیسے۔ وقت کاٹ رہا تھا صرف!
اسکی زندگی میں وہ تازگی وہ گرمجوشی نہ رہی تھی۔ بس ایک مشین بن کر رہ گیا تھا جیسے۔ صبح تیار ہوتا، آفس آتا۔ کام کر کے چلا جاتا۔ شام کو نازیہ آتی۔ وہ چاہتا نہ چاہتا وہ باہر لے جاتی۔ رات کو ہی گھر لوٹتا۔
نازیہ اسکا دل بہلانے کی بلکہ بقول اس کے اسکا دھیان بٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتی۔
اور ـــ سچ تھا یا جھوٹ۔ اسکا دھیان بٹ جاتا تھا۔
تبھی انٹرکوم کا بزر بج اٹھا۔
اسکا پرسنل سیکرٹری تھا۔ کچھ ضروری باتیں ڈسکس کرنا چاہتا تھا اس سے۔
"آدھے گھنٹے بعد آجائیں"۔ اس نے کہا۔
اور ـــ ایک گہری سانس لیتے ہوئے پہلا فائیل اٹھا کر اپنے سامنے کھول لی۔
پھر باری باری کام دیکھتا گیا۔ آج ہی وہ سب ختم کر دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ پرسوں وہ چند دن کی چھٹی پر جا رہا تھا۔
کام کرتے کرتے اسکا ذہن پھر پیچھے پلٹ گیا اور ـــ زوں زوں سا ہونے لگا اسکے سر میں۔ اس نے فائیل بند کر دی۔
ہاتھ بڑھا کر پانی کا گلاس اٹھایا، منہ سے لگایا، خالی کر کے میز پر رکھا اور ـــ سر کرسی کی پشت سے ٹکاتے ہوئے تھکی تھکی آنکھیں موند لیں۔

انٹرکوم کے بزر سے وہ چونکا۔ پھر پی ایس تھا۔ اس نے اندر بلا لیا۔

اس نے کچھ ضروری پوائنٹس ڈسکس کرنا تھے دلاور خان سے۔

دلاور خان نے اسکی Suggestions بھی سن لیں۔ خود بھی Instructions دیئے۔ لیکن ـــ

وہ محسوس کر رہا تھا۔ وہ سخت مضمحل سا تھا۔

ان دنوں وہ بہت پریشان کن اور غیر یقینی صورتحال سے گزر رہا تھا۔

دلآرام بدل گئی تھی اور نازیہ جو ساتھ دے رہی تھی۔ وہ کسی طور اسکے دل میں اتر نہیں پا رہی تھی۔

وقت ضرور کٹ جاتا تھا۔ لیکن اطمینان قلب کہیں کھو گیا تھا۔

کبھی کبھی دلآرام کی کوتاہیوں کے باوجود وہ اسے اس قدر یاد آتی کہ وہ بے قابو ہونے لگتا۔

کتنا چاہتا تھا وہ اسے اب بھی!

مگر اس نے ایکبار بھی تو رنگ نہیں کیا۔ بھولے سے ہی کبھی تو نمبر ڈائیل کر لیتی۔ کہہ دیتی کہ سب جھوٹ تھا۔ وہ تو اسے ہی چاہتی تھی صرف!

اس نے گہری سانس لی۔ گھڑی دیکھی بارہ بج چکے تھے۔

اس نے بیل کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ کم از کم آج اس سے کوئی کام نہیں ہو رہا تھا۔

چپڑاسی آیا تو اس نے فائیلیں اور بریف کیس اسکے حوالے کئے۔

خود لفٹ سے نیچے اتر آیا۔

اسے دیکھ کر اسکے ڈرائیور نے عجلت سے اس کیلئے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا۔

وہ بیٹھا۔ اور گھر کیلئے روانہ ہو گیا۔

گھر پہنچا ـــ تھکا تھکا سا اندر داخل ہوا۔

''بیٹی تمہیں آنا پڑیگا تمہیں شاید معلوم نہیں تمہارے بابا جان کو 'نا' سننے کی عادت نہیں خاص طور سے اپنے بچوں کے منہ سے''۔

دلاور خان سیڑھیوں کی طرف بڑھتے بڑھتے ٹھٹھکا۔ گیا بابا جان کس سے فون پر بات



کر رہے تھے؟

''بس جب ہم تمہیں اچھے لگتے ہیں۔ اور ہماری ہر بات کا احترام کرتی ہو تو نہ آنے کی وجہ؟ ارے''۔ جیسے اچانک انکے دل میں اندیشہ ابھرا۔ ''کہیں تمہاری اور دلاور خان کی آپس میں کچھ ان بن تو نہیں ہو گئی؟''

اس طرف سے لمبی خاموشی تھی۔ پھر ـــ

''وہ... بس... وہ... نہیں... نہیں تو۔ ایسی کوئی بات نہیں''۔

اور ـــ بابا جان کا اندیشہ صحیح نکلا۔

اسکی طویل خاموشی اور پھر حقیقت بتاتے ہوئے ہچکچانا بھی تو ظاہر کرتا تھا۔ اور پھر وہ کچھ عرصہ سے دلاور خان کے کھوئے کھوئے اور چڑچڑے رہنے کی وجہ بھی جان گئے۔

''ہم سمجھ گئے بیٹی۔ بس ہم بھی دلاور خان سے ناراض ہوتے ہیں۔ ہماری بیٹی کو خفا کیا ہے کوئی مذاق تو نہیں۔ بس تم اسکی پرواہ مت کرو۔ آیا کرو۔ ویسے بھی وہ پرسوں دو ہفتوں کیلئے گھر سے باہر جا رہا ہے۔ اپنے اس گھر جہاں تم انہیں ملی تھیں۔ سو آؤ۔ خوب گپ شپ کرینگے۔ اپنی بیٹی کو گھمانے لے جائینگے...''

اور ـــ دلاور خان گہری سانس لیتا آہستہ آہستہ اپنی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

تو بابا جان دلآرام پر اتنی محبت لٹا رہے تھے!

اسے معلوم تھا بابا جان دلآرام کو بہت پسند کرتے تھے۔ کبھی اسکے اٹھنے بیٹھنے کے انداز کی تو کبھی اسکے ڈھکے چھپے کپڑوں کی، کبھی اسکی حیا کی تو کبھی اسکی خوبصورتی کی ـــ تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔ کبھی کبھی کچھ اندازہ کرنے دلاور خان کو بغور دیکھ لیتے۔ وہ سمجھ جاتا تھا کہ اسکا بھی اس سلسلے میں ردعمل دیکھنا چاہتے تھے۔

اس نے کپڑے تبدیل کئے اور نیچے اترنے لگا۔

اسے حیرت بھی ہو رہی تھی اسے اس فون اور تمام گفتگو سے بیزاری کے بجائے خوشی سی ہو رہی تھی۔

جیسے وہ خود بھی منتظر تھا۔ جیسے اب بھی کوئی رمق باقی تھی امید کی، روشنی کی!

جانے کیوں؟ اسکی آفس والی کیفیت کم ہوتی محسوس ہوئی۔ خالی خالی سا ذہن جاگنے لگا۔ تھکے تھکے سے جسم میں توانائی آنے لگی۔

اس وقت دنوں بعد طبیعت ہلکی محسوس ہوئی۔

بابا جان نے بھی نوٹ کیا۔ وہ کھانا شوق سے کھا رہا تھا۔ وہ تناؤ وہ کھچاؤ۔ جاتا رہا تھا جیسے۔

یقیناً اس نے دلآرام کی اور ان کی فون پر بات چیت سن لی تھی۔ وہ لاؤنج والے فون سے ہی تو بات کر رہے تھے۔ اپنی سیڑھیاں چڑھتے اس نے ضرور انکی باتیں سنی تھیں۔ بہر حال ـــــ وہ بھی خوش ہوئے۔ کہ دلآرام کو تو وہ کبھی کا دل میں دلاور خان کیلئے پسند کر چکے تھے۔ اور وہ یہ بھی شروع دن سے ہی بخوبی سمجھ رہے تھے۔ کہ دلاور خان دلآرام کو پسند کرتا تھا۔ یہی بات انہوں نے دلآرام کی حیا سے بوجھل پلکوں میں بھی دیکھی تھی۔

پتہ نہیں کیوں دنوں بعد دلاور خان پرسکون نیند سویا۔ دیر تک سوتا رہا۔

آنکھ کھلی۔ کھڑکی کے اس پار نظر گئی۔

شام کی لالی پر رات کی سیاہی غالب آنے لگی تھی۔ دور آکاش پر پہلا نوخیز تارہ ہیرے کی طرح جگمگانے لگا تھا اور ـــــ ٹھنڈ خاصی بڑھ گئی تھی۔

تھوڑی دیر وہ یوں ہی باہر تکتا رہا ـــــ اور پھر ـــــ

اسے پہلی بار احساس ہوا۔ دلآرام اسکی زندگی کی بن چکی تھی!

معاً فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''دلاور خان سپیکنگ'' وہ حسب عادت بولا۔

''دلاور فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ میں آ رہی ہوں لینے۔ اسی جگہ...'' نازیہ بول رہی تھی۔

''کون سی جگہ''۔ اس نے یوں کہہ دیا۔ اسے معلوم تھا وہ اسے گھر سے کچھ فاصلے پر پک کر لیتی تھی۔

''گھر آنے سے تو تم نے منع کیا ہوا ہے۔ اسی جگہ ہی آ سکتی ہوں''۔

''ہوں۔ آج میں نہیں آ سکونگا''۔ اسکا واقعی آج اس کیساتھ جانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔

کب تک یہ بے مرضی کی ملاقاتیں چلتیں؟ خاص طور سے آج تو اسے پورا اندازہ ہو گیا



تھا۔ وہ دلآرام کو بہت چاہتا تھا۔ وہ جیسی بھی تھی۔ اسکے دل میں رہتی تھی!

''کیوں؟'' خلاف امید جواب سن کر نازیہ کا دل بیٹھ سا گیا۔ بہت مشکلوں سے اس نے دلاور خان کو اپنے قابو میں کیا تھا۔

''بس موڈ کچھ ٹھیک نہیں ہے''۔

''کیوں پھر دلآرام کی کوئی بات پتہ چلی ہے؟''

''نہیں''۔

پہلے تو وہ سن لیتا تھا۔ مگر آج پتہ نہیں کیوں اسکے منہ سے یہ بات اسے سخت بری لگی۔

''تو کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔ بس آج باہر جانے کو دل نہیں کر رہا''۔

''پلیز! میری خاطر''۔

''پلیز مائینڈ مت کرنا۔ آج نہیں جا سکوں گا''۔ وہ متانت سے بولا۔

''اوہ۔ اچھا بائے''۔ اسکی آواز میں مایوسی تھی۔

''بائے''۔ اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

وہ اٹھ کر باتھ روم گیا۔ گرم پانی کا شاور لیا۔ تو طبیعت بشاش ہو گئی۔

اس نے چینج کیا اور نیچے اتر آیا۔

ٹینس کا وقت بھی نکل چکا تھا۔ بابا جان کو مطلع کرتے ہوئے وہ شاہد کی طرف چلا گیا۔

''بڑے دنوں بعد شکل دکھائی ہے۔ تم ہی ہو نا؟'' اسے اپنے پورچ میں دیکھ کر وہ آنکھیں ملتے ہوئے بولا۔

''ہاں یار۔ چلو اندر چلیں''۔

ملازم کو اچھی سی چائے کا کہہ کر وہ دونوں شاہد کے بیڈ روم میں جا بیٹھے۔

''یار دلاور آج ذرا خوش نہیں نظر آ رہے؟''

''ہاں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے مگر میں واقعی آج خوش ہوں''۔

''بتاؤ نا یار''۔ اس نے کان اس کے قریب کیا۔

اسکے ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹ ابھر آئی۔

''کہہ تو دیا پتہ نہیں کہ کیا بات ہے''۔

''میں نہیں مانتا۔ فریش، خوش اور ہونٹوں پر اس قدر جاندار مسکراہٹ۔ وہ بھی دنوں بعد۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ بات کا پتہ نہ ہو''۔

''واقعی مجھے کچھ پتہ نہیں''۔

''دلآرام سے بات ہوئی ہے؟''

اسے معلوم تھا آج کل ان دونوں کی بات چیت بند تھی۔

شاہد نے اسے سمجھایا بھی تھا۔ کہ فون کالز کر کے کوئی اسے مس گائیڈ کر رہا ہے۔ مگر جب دلاور خان نے کہا کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے سب دیکھا ہے تو وہ چپ ہو رہا۔ اسے دلاور خان کا نازیہ سے دوبارہ ملنا ملانا بھی اچھا نہیں لگتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا نازیہ موقعہ پرست اور پیسہ پرست تھی۔ یہاں دلاور خان کی سوسائٹی میں پوزیشن اور سٹیٹس دیکھ کر وہ اس پر داری جا رہی تھی۔ اندر دل میں اسکے کچھ نہیں تھا۔ اور دلآرام خود بھی ایک اچھا فیملی بیک گراؤنڈ رکھتی تھی اور اسکی اپنی بھی کوئی پوزیشن اور سوسائٹی میں عزت مند مقام تھا۔ شاہد دل سے چاہتا تھا دلاور خان اور دلآرام کی صلح ہو۔ اسے معلوم تھا دلاور خان آج بھی دلآرام کو پسند کرتا تھا۔ یہی تو وجہ تھی کہ ڈسپریٹ ہو کر وہ نازیہ کی طرف پلٹا تھا۔ نازیہ اور بے شمار سگریٹ اس کے ساتھی بن گئے تھے۔

اور دلآرام کو بھی وہ سمجھتا تھا۔ وہ بھی دلاور خان کو ہی چاہتی تھی۔ وہ کسی اور کے پاس جانے والوں میں سے نہیں تھی۔ وہ تو باوجود ایلیٹ کلاس ہونے کے ایک سادہ رہن سہن والی لڑکی تھی۔

''۔۔رام سے میری نہیں بابا جان کی بات ہوئی ہے''۔ وہ خوشگواری سے بولا۔

''وہ — تو یہ بات ہے''۔

''اور بابا جان اس پر وہ محبت لٹا رہے تھے کہ میں تو جل گیا۔۔۔'' وہ معصومیت سے بولا۔

''تم دونوں صلح کیوں نہیں کر لیتے''۔

''اوں — یار اسے اپنی آنکھوں سے میں نے ایک لڑکے کیساتھ دیکھا ہے''۔

''بس یہیں میں بھی کنفیوزڈ ہو جاتا ہوں۔ یقین نہیں آتا کہ وہ ایسا بھی کر سکتی ہے''



''یہی تو رونا ہے کہ کسی اور کو یقین نہیں آتا اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں''۔

''تم اب بھی، میرا مطلب ہے اسکے باوجود بھی اسے Like کرتے ہو''۔

دلاور خان نے گہری سانس لی۔

''ہاں — میں اب بھی اسے پیار کرتا ہوں۔ سوچتا ہوں کاش اس نے ایسا نہ کیا ہوتا''۔

''لیکن اب تم نے کیا سوچا ہے''۔

''کچھ نہیں۔ خدا پر چھوڑ دیا ہے سب''۔

''میری مانو تو صلح کر لو''۔

اچھا دیکھا جائیگا۔ تم چائے تو منگواؤ''۔

اور اسی وقت شاہد کا کک چائے کی ٹرے لئے اندر آ گیا۔

چائے کیساتھ ڈرائے فروٹ اور سینڈ وچیز کھاتے ہوئے دونوں گپ شپ کرتے رہے۔

شاہد کی کمپنی نے اسے اور بھی حوصلہ دیا۔

رات کو گھر لوٹا تو ذہن پر کا گراں ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔ طبیعت خوش خوش تھی۔

ڈنر پر بابا جان سے خوب گپ شپ ہوئی۔ اور وجہ بابا جان کو اچھی طرح معلوم ہو گئی۔ جب سے اس نے انہیں دلآرام سے بات کرتے سنا تھا۔ اسکی طبیعت ہشاش بشاش تھی۔ انہیں خوشی ہوئی پروگریس اچھا تھا!

دلاور خان رات گئے تک ٹی وی پر ایک دلچسپ مووی دیکھتا رہا۔

سردی زوروں پر تھی۔ گلابی دن اور سیندوری شامیں بہت بھلی لگتی تھیں۔ ہر رنگ میں کھلے گل داؤدی اپنی جوبن پر تھے۔

آج ہفتے کا آخری دن تھا۔ کل چھٹی تھی۔

دلآرام نے آتے ہی کھانا مانگا۔ اور کھاتے ہی سیدھی بیڈروم میں جا کر اپنے نرم و گرم بستر میں گھس گئی۔

سرہانے رکھی کتاب اٹھا کر ابھی صفحات ہی پلٹ رہی تھی۔ کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''ہیلو''۔ وہ ماؤتھ پیس میں بولی۔

''بیٹا ہم تمہارے بابا جان بول رہے ہیں''۔

''جی بابا جان''۔ وہ مؤدب طریق سے بولی۔

''بیٹے کل چھٹی ہے اور تم نے سارا دن ہمارے یہاں گزارنا ہے''۔

''جیسا آپ کہیں بابا جان''۔

''ہاں ماما کو بھی ساتھ لیتی آنا تا کہ تم اکیلا محسوس نہ کرو''۔

''جی''۔

''پڑھائی کیسی جا رہی ہے''

''اچھی بابا جان''۔

''اچھا بیٹے اللہ نگہبان''۔

''خدا حافظ بابا جان''۔

اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اسے بابا جان سے دلی عقیدت تھی۔ دلاور خان جو کچھ کر رہا تھا۔ وہ الگ بات تھی۔ اس



میں بابا جان کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ بلکہ پچھلی بار بابا جان نے اسے خود کو نٹیکٹ کیا تھا۔ تو اسے سخت ندامت ہوئی تھی۔ دلاور خان کیساتھ ساتھ اس نے بابا جان کو بھی فون کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اسے خیال ضرور آتا تھا۔ لیکن پھر سوچتی دلاور خان اس سے یہ نہ سمجھ لے کہ اس طرح سے وہ اسے متوجہ کرنا چاہتی تھی۔ بس یہی سوچ کر انہیں بھی کال نہیں کی۔

جبکہ اسے یہ تو ہرگز نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ دلاور خان سے لیکر بابا جان تک سب اسکے محسن تھے۔ اسکی زندگی بچائی تھی۔ عزت بچائی تھی اور ایک نئی اور خوشگوار زندگی سے روشناس کرایا تھا۔ قدم قدم پر اسکی مدد کی تھی۔ اسے اپنی کھوئی ہوئی جائیداد دلائی تھی۔ کورٹ کچہری میں بے عزت ہونے سے بچایا تھا۔ بے شک کہ ان سب کا اس پر بہت بھاری احسان تھا!

رہا دلاور خان کا رویہ۔ تو وہ اسکا اپنا معاملہ تھا۔ دلاور خان نے اس پر شک کیا تھا کسی لڑکے کیساتھ ملنے کا۔ وہ اس نے دور کر دیا تھا اور وہ مطمئن بھی ہو کر گیا تھا۔ پھر اس سے فون پر بات بھی ہوئی تھی وہ اچھے خوشگوار موڈ میں تھا۔

اس کے بعد دلآرام نے اسے تازیہ کیساتھ دیکھا۔ ایک بار نہیں دو تین بار۔ اور اس کے ہی بعد نہ اس نے فون کیا دلآرام کو نہ ہی دلآرام نے اسے ڈسٹرب کرنا چاہا۔

دل کتنا رویا تھا۔ یہ وہ ہی جانتی تھی۔ مگر اپنے آپکو کسی پر مسلط کرنا اسکی آن کے خلاف تھا!

صبح کے دس بج رہے تھے۔نوخیز سنہری دھوپ ہرذی روح کوزندگی کی حرارت بخش رہی تھی۔

اونچے اونچے درختوں کی شاخیں چمکیلی ہوگئی تھیں۔ ہر پرانے پتے کی گود میں نیاپتا جنم لے چکا تھا۔بوگن ولا کے اوپری شاخوں کے اوپری پتے سنہری ہورہے تھے۔اور سویٹ پیز کی مہک روح تک کوسرشار کررہی تھی۔

دلآرام جلدی جلدی تیار ہورہی تھی۔ اس نے موو کلر کے گرم کپڑوں پر سفید خوبصورت سویٹر پہنا۔موولیدر کے شوز پہنے۔اور بالوں پر برش کرتے ہوئے لاؤنج میں آگئی۔

ماما بھی تیار تھیں۔دونوں رحمت بابا کیساتھ گاڑی میں بیٹھیں اور گھنٹہ بھر میں ولدار خان کے یہاں پہنچ گئیں۔

باباجان اندرونی لان میں بیٹھے تھے۔ملازم انہیں وہیں لے آیا۔

''آؤ بیٹی آؤ۔ہم تمہارے ہی متعلق سوچ رہے تھے۔بیٹھو۔انہوں نے اپنی سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''شکریہ باباجان''۔وہ بیٹھ گئی۔

''بیٹھو ماما تم بھی۔کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں صاحب''۔میں وہاں بیٹھ جاؤں گی''۔انہوں نے دور کچن کے باہر پڑی چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔

وہاں وہ زیادہ ریلیکس محسوس کرتیں۔

''جیسے تمہاری مرضی''۔

اور—— وہ اس طرف چلدیں۔

''تم سناؤ بیٹی۔کیسی ہو۔تمہیں چاہیے بیٹا ہمیں روزفون کرو اور روزانہ کی خبردو۔جب ہم



تمہیں بیٹی کہہ چکے ہیں تو پھر کہہ چکے ہیں''۔وہ دھیرے سے جیسے خود سے مسکراتے ہوئے بولے۔

''تھینک یو باباجان''۔وہ انکی مسکراہٹ کا مطلب نہ سمجھ سکی۔''آئندہ میں روزانہ فون کرونگی آپکوکوئی شکایت نہیں ہوگی''۔

''بیٹی یہ ڈرائے فروٹ کھاؤ''۔انہوں نے اپنے قریبی میز پر کرسٹل کی خوبصورت ٹرے میں رکھے ڈرائے فروٹ کی طرف اشارہ کیا۔''لیکن مہمانوں کی طرح نہیں۔ہماری طرح خوب کھاؤ''۔انہوں نے شفقت سے کہا۔

''جی اچھا''۔

وہ پلیٹ میں ڈرائے فروٹ لیکر کھانے لگی۔

''بیٹی جو ڈرائیور تمہیں کالج لاتا لے جاتا ہے۔وہ بااعتماد آدمی ہے؟''

''جی باباجان۔پرانے وقتوں سے ہمارے پاس۔ہے''۔

''گڈ۔ہرایرے غیرے کو گھر میں مت رکھو بیٹی وقت اچھا نہیں''۔

''جی باباجان''۔

''ماما تو تمہارا اچھا ساتھ دیتی ہوگی''۔

''ہاں باباجان۔یہی تو ہوتی تھیں جو ہمارا خیال رکھتی تھیں جب میں اور ممی اپنے گھر کی اینکسی میں رہتی تھیں...یہ تو تب کی ہماری بہت ہمدرد ہیں''۔

''ہوں''۔وہ کچھ دیر جیسے سوچتے رہے۔''بیٹی'' پچھلے وقت کو بالکل یاد مت کرو۔اپنے آپکو معروف رکھا کرو۔کتاب انسان کا بہترین ساتھی ہے سٹڈی کیا کرو۔اس سے علمی اور ذہنی وسعتیں بڑھتی ہیں''۔

''جی باباجان''۔

دھوپ کی جگہ وہاں سائے نے لے لی۔

''چلو بچے اندر چلتے ہیں''۔

دونوں اٹھ کر اندر باباجان کے بیڈروم میں چلے گئے۔

ہیٹر پہلے ہی آن تھا۔کمرہ کوزی ہورہا تھا۔دونوں ہیٹر کے قریب لگی آرام دہ کشنڈ کرسیوں

پر بیٹھ گئے۔ مزیدار کوفی کے درمیان دلچسپ اور نصیحت آموز باتیں ہوتی رہیں۔ بابا جان کتنے مہربان اور مشفق انسان تھے!

معاً قریب رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"اٹھاؤ ذرا بیٹی"۔ فون اسکے زیادہ قریب تھا۔

اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"This is Dilawar speaking." اسکے کانوں میں دلاور خان کی آواز گونجی۔

اسکا دل یکبارگی دھڑکا۔ ریسیور جلدی سے بابا جان کی طرف بڑھایا۔

"ہیلو... ہیلو..." لائین شاید کٹ گئی تھی۔

"اس خبیث کا ہوگا۔ جب سے گیا ہے۔ بس پہنچ کر ہی فون کیا ہے بعد میں کیا ہی نہیں"۔

چہرے پر خوشی کی دمک لئے انہوں نے ریسیور واپس دلآرام کو پکڑایا۔

دلآرام کو ہنسی آگئی۔ ابھی تین دن ہی تو ہوئے تھے اسے گئے ہوئے۔ بابا جان شاید چاہتے تھے کہ وہ روزانہ فون کرے۔

اس نے ریسیور واپس رکھ دیا۔

جلد ہی دوبارہ رنگ ہوئی۔

"اٹھاؤ بیٹی"۔

اس نے اٹھالیا۔

"ہیلو۔ دلاور خان ہیئر"۔

"ہیلو"۔ اپنی رو میں اسکے بھی منہ سے نکل گیا۔

"کون؟ کون بول رہا ہے"۔ وہ شاید اسکی آواز پہچان گیا تھا۔ حیرت کیساتھ ساتھ خوشی بھی شامل تھی آواز میں۔

اس نے ریسیور بابا جان کو پکڑا دیا۔

کیا حال ہے بیٹا؟ کیسے ہو؟ ہم نے کہا تھا جلدی جلدی فون کرو"۔



"ٹھیک ہوں بابا جان۔ سوری آئندہ جلدی فون کرونگا۔ دراصل کام تھا یہاں بھی بہت"۔

"اور سناؤ۔ اپنا خیال تو رکھتے ہونا۔ باہر جا کر تم رات کا دودھ پینا چھوڑ دیتے ہو"۔ وہ بالکل یوں کہہ رہے تھے جیسے وہ چھوٹا بچہ تھا۔

وہ ہنس دیا۔ خوبصورتی سے۔

"نہیں بابا جان۔ اس دفعہ نہیں چھوڑا۔ پیتا ہوں ہر رات۔ آپکو یقین نہیں آتا تو بشیر بابا سے بات کرادونگا"۔

بابا جان خوشگواری سے ہنس دیئے۔

"بابا جان گھر میں کوئی ہے؟"

"کیا مطلب؟" پھر وہ سمجھ گئے۔ "ہاں دلآرام آئی ہوئی ہے۔ اسی نے اٹھایا تھا فون"۔ وہ دھیرے دھیرے مسکرا بھی رہے تھے۔

"جبھی میں حیران ہوا ہمارے گھر میں کہاں سے عورت آگئی"۔

بابا جان ہنس دیئے۔

"برخوردار کبھی نہ کبھی آئیگی ہی۔ تمہیں Mentaly Prepare ہونا چاہئیے"۔

"وہ آپکا ڈیپارٹمنٹ ہے بابا جان"۔ جانے کیوں اس کی آواز میں خوشی کی چہکار تھی۔ شاید اسلئے کہ بابا جان کو دلآرام پسند تھی اور شاید اسلئے بھی کہ اس وقت دلآرام اسکے گھر میں بیٹھی اسکے بابا جان سے باتیں کررہی تھی۔

"ہم تو تمہارے اشارے کے منتظر ہیں بیٹا"۔

"نہیں بابا جان یہ صرف اور صرف آپکی مرضی سے ہوگا"۔

"بس تو پھر ہم پر چھوڑ دو سب"۔

"آپ ہی پر چھوڑا ہے۔ اچھا بابا جان اپنا خیال رکھیں۔ بند کرتا ہوں اب خدا حافظ"۔

"بہ امان خدا۔ انہوں نے ریسیور دلآرام کو رکھنے کیلئے دے دیا۔

"بڑا استاد ہے"۔ بابا جان کی بات میں دلاور خان کیلئے محبت وشفقت کا جہاں آباد تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے ناخنوں کو تکنے لگی۔ اول تو اسلئے کہ بابا جان اسکے چہرے سے دلاور خان

کے بارے میں کوئی اندازہ نہ لگالیں۔ دوسرا اسلئے کہ وہ دلاور خان سے خفا تھی، بہت زیادہ۔ پر۔۔۔
اسکے لب و لہجے میں تو اب بھی اسکی آواز پہچان کر خوشی کی جھلک تھی۔ جانے کیا معمہ تھا؟ وہ الجھ سی گئی۔

بابا جان دلآرام کے جھکے سر کو دیکھتے شفقت سے مسکرا رہے تھے۔ وہ دلاور خان کی مرضی جان چکے تھے۔ بہت پہلے بھی اور آج بھی۔

پھر۔۔۔ انہوں نے گہری سانس لی۔ سنجیدہ نظر آنے لگے۔

''گھر سے باہر جاتا ہے۔ تو رات کو دودھ پینا چھوڑ دیتا ہے''۔ انہوں نے جیسے خود سے کہا۔

دلآرام نظریں اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ وہ افسردہ سے دکھائی دے رہے تھے۔

''لنڈن میں پڑھ رہا تھا جب اسکی والدہ کا انتقال ہوا۔ وہیں اسی گھر میں چٹان پر پاؤں پھسلا سر میں چوٹ آئی اور جانبر نہ ہوسکی۔ ہم بھی وہیں تھے اس کیساتھ۔ اسے اس گھر سے بہت محبت تھی۔ کبھی کبھی کہتی 'میں مرجاؤں تو مجھے یہیں دفنادیں'۔ بس۔۔۔ ہم نے اسکی خواہش پوری کی۔ اور وہیں دفنادیا...'' انہوں نے قدرے توقف کیا۔

''تم نے دیکھی ہوگی وہاں دور ایک کونے میں جنگلی گلاب کی بیلیں۔ اسے بہت اچھی لگتی تھیں۔۔۔ وہیں...''

وہ جیسے مزید آگے نہ کہہ سکے۔ خاموش ہو گئے۔

اور۔۔۔ دلآرام کو بہت کچھ یاد آگیا۔

'میں نے باہر جھاڑیاں وغیرہ کٹوادی ہیں۔' ایکبار وہاں اس نے دلاور خان کو کچھ ڈرتے ڈرتے بتایا تھا۔ کیونکہ بابا کہتے تھے اسے ان جھاڑیوں اور ویرانے سے محبت تھی۔

'کیا؟' وہ زور سے چونکا تھا۔

'اور لمبی لمبی گھاس سب ہٹادی ہے۔ گیٹ کے پاس اتنی جھاڑیاں تھیں کہ کھلنا مشکل سے تھا'۔ اسکے چونکنے پر وہ گھبرائی سی بولی تھی۔

'وہ۔۔۔ دور کونے میں جو جنگلی گلاب ہیں ان کو تو... ' وہ کچھ پریشان سا لگنے لگا تھا۔

'نہیں نہیں۔ وہ تو بہت خوبصورت ہیں۔ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں'۔



'اوہ۔۔۔' اس نے جیسے نجات کی سانس لی تھی۔ 'ان کو ہاتھ مت لگانا پلیز!' اسکے لہجے میں التجا تھی۔

اور۔۔۔ اس سے بھی قبل۔۔۔ ایک دن وہ وہاں نازیہ کی پاکستان آمد سے پریشان سامنے کی طرف بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ پھر۔۔۔ دور کونے میں جنگلی گلابوں کی بہار نے اسے اتنا Facinate کیا کہ وہ چلتی چلتی ان کے قریب پہنچ گئی۔ آگے بڑھ کر جھانکنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ۔۔۔ دلاور خان نے اچانک اسے اوپر بلالیا۔

تو یہ بات تھی!

وہ تو اسے ایک جھاڑ جھنکار ویران اجاڑ بھوت بنگلہ سمجھتی تھی۔ اور دلاور خان کو کوئی نیم پاگل شخص جو ایسی جگہ میں خوش تھا!

اسے اپنی پر ندامت سی ہوئی۔ دلاور خان کا تو زندگی کا بیش قیمت سرمایہ تھا وہاں!

''دلاور خان اپنی والدہ سے بہت Attached تھا''۔ بابا جان پھر کہنے لگے۔ ''اسکے بعد کثرت سے وہاں جانے لگا۔ قیام کرنے لگا۔ جب بھی پریشان ہوتا ہے۔ وہاں پہنچ جاتا ہے...''

دلآرام کی خوبصورت آنکھیں نم ہوگئیں۔ خود بھی تو بن ماں باپ کے تھی۔

''اوہ۔۔۔'' بابا جان کو جیسے احساس ہوا۔ ''ہم نے تمہیں بھی دکھی کردیا۔ دراصل تم وہاں تھیں تو بشیر نے سب کو منع کردیا تھا کہ تم چونکہ زخموں کی وجہ سے بہت کمزور تھیں، بہت دکھی تھیں۔ اسلئے ان دنوں تمہیں نہ بتایا جائے۔ یہ تو... دلاور خان وہاں گیا ہے تو...''

کتنا خیال رکھا تھا ان لوگوں نے اسکا۔ ممنونیت کا بوجھ اس سے اٹھایا نہیں جارہا تھا۔ اٹھتے ہوئے وہ بابا جان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''بابا جان۔ آپ اداس نہ ہوں''۔ انہیں تسلی دیتے دیتے وہ خود رو دی۔

انہوں نے شفقت سے اسکے سر پر ہاتھ رکھا۔

''روتے نہیں بیٹا۔ دکھ اور سکھ تو آتے رہتے ہیں...''

وہ دونوں دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

لنچ کی اطلاع ملی۔ تو دونوں ڈائننگ روم میں آگئے۔

کھانے کی میز یہاں سے وہاں تک انواع واقسام کے کھانوں سے سجی تھی۔ گو باباجان کے یہاں کھانا پہلے بھی ایسا ہی بے دریغ بنتا تھا۔ مگر آج سج دھج کچھ زیادہ ہی تھی۔

"باباجان یہ اتنا سب..."

"کوئی خاص تو نہیں اور پھر ہماری بیٹی بھی تو آنیوالی تھی"۔

دونوں دلچسپ باتوں کے دوران مزیدار کھانا کھانے لگے۔

آج باباجان نے اسے اپنے بزرگوں کے بارے میں بتایا۔ اپنے بچپن کے بارے میں بتایا اور—— ڈھیر ساری باتیں دلاور خان کے بارے میں بتائیں۔ جن سے وہ پہلے واقف نہیں تھی اور جو بہت دلچسپ تھیں۔

شام ڈھلے وہ اور ماما گھر لوٹ آئیں۔



دن دھیرے دھیرے سرک رہے تھے۔ سردی شدید سے شدید تر ہوتی جارہی تھی۔ دور پہاڑ کے پہاڑوں نے برف کا لبادہ اوڑھ لیا تھا اور —— کانپتی ٹھٹھرتی دھوپ سردی کے آگے بے بس نظر آرہی تھی۔

دلآرام کو فائینل ایگزامز کی تیاری کیلئے پریپ لیول گئی تھیں۔ ابھی سٹڈی شروع کرنیکا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ فلو نے آلیا۔ بری حالت تھی، ٹمپریچر بھی تھا۔ دوائیاں لے رہی تھی۔ فرق آرہا تھا۔

تبھی —— باباجان کا فون آگیا۔ آج ان کے ہاں ڈنر تھا۔ انہوں نے اسے بھی انوائیٹ کیا۔

اسکی طبیعت بھی ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ دلاور خان کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ——

باباجان کے اتنے پیار سے بلایا تھا۔ کہ وہ انکار نہ کرسکی۔

وہ ٹھیک وقت پر تیار ہوئی۔ ایمرلڈ گرین کپڑے پہنے۔ کانوں میں ایمرلڈز کی بڑی بڑی بالیاں، ہاتھ میں ایمرلڈز کی چوڑیاں اور انگلی میں ان کیساتھ کی رنگ پہنی۔ خوبصورت بالوں پر برش کیا۔ پرفیوم سپرے کیا اور ——

باباجان کی بھجوائی ہوئی گاڑی میں بمعہ ماما کے بیٹھ گئی۔

گاڑی دلدار خان کے یہاں پورچ میں رکی۔ تو ماما گھر کے اندر چلی گئیں۔ اور دلآرام کی ہمراہی میں ہال میں داخل ہوئی۔

وہ شاید آخری گیسٹ تھی۔ شاہد نے اسے فوراً پہچان لیا۔ نازیہ کی ہمشکل جو تھی۔

وہ عجلت سے پاس چلا آیا۔ ایک طرف سیٹ تک لاتے لاتے اپنا تعارف بھی کروادیا۔

تو یہ تھا شاہد۔ دلاور خان جسکا ذکر اکثر کیا کرتا تھا!

روشنیوں کی چکاچوند میں اس نے دیکھا۔ کئی توصیفی نظریں اس پر پڑ رہی تھیں۔

وہ کچھ ان ایزی سا محسوس کرنے لگی۔ Mixed Gathering میں وہ پہلی بار آئی تھی۔

مہمان محو تھے۔ اپنی اپنی عمر کے لحاظ سے کچھ سیٹس پر بیٹھے تھے۔ کچھ ٹولیوں کی شکل میں کھڑے تھے۔ اپیٹائزرز سے لطف اندوز ہوتے بڑے سیاست ڈسکس کر رہے تھے۔ نوجوان خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

اس نے یوں ہی ایک سرسری نظر ہال پر ڈالی۔ پرلے کونے میں دوستوں میں گھرا دلاور خان کھڑا تھا۔ چند سیٹس چھوڑ کر بابا جان اپنے دوستوں کیساتھ بیٹھے تھے۔

معاً۔۔۔ بابا جان اٹھے اور دلآرام کی طرف آنے لگے۔

وہ تو خود جاتی ان کے پاس مگر۔۔۔ اتنے سارے لوگ تھے انکے ساتھ۔ وہ جانہ پائی۔

"کیسی ہو بیٹی"۔ انہوں نے شفقت سے اسکے سر پر ہاتھ رکھا۔

"ٹھیک ہوں بابا جان"۔ وہ اٹھنے لگی۔

"بیٹھو بیٹھو۔ میں بس تمہیں دیکھنے آیا تھا۔ تمہاری ماما تو ساتھ آئی ہے نا؟" انہوں نے کنفرم کرنا ضروری سمجھا۔ کہیں اکیلی تو نہیں چلی آئی تھی ڈرائیور کیساتھ!

"جی بابا جان۔ اندر گئی ہیں"۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے"۔

اور۔۔۔ وہ واپس اپنے دوستوں کی طرف چل دیئے۔

دلاور خان نے بھی ایک نظر دلآرام پر ڈالی۔

تبھی۔۔۔ ایک مہمان لڑکا جانے کہاں سے بھٹکتا دلآرام کے پاس آپہنچا۔

"May I sit here Ma'am?" اس نے دلآرام کے دوسری طرف خالی سیٹس کی طرف اشارہ کیا"۔

"لیں"۔ قدرے حیرت سے کندھے اچکاتے ہوئے اس نے کہا۔

پھر بھی وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔ وہ یقیناً ایک سیٹ چھوڑ کر بیٹھتا کیونکہ اس طرف کئی کرسیاں خالی



تھیں مگر۔۔۔

وہ تو اسکے بالکل قریب والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"Hi, I'm Nomaan, and you are...?" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

دلاور خان کی نظریں شاید اسی طرف لگی تھیں۔

قبل اس کے کہ وہ بھی اس سے ہاتھ ملاتی۔ یا کچھ کہتی۔

غصہ سے تمتماتا چہرہ لئے وہ آپہنچا۔

"ہیلو"۔ اس نے دلآرام سے کہا۔

دلآرام کی خوبصورت آنکھیں حیرت سے پھیل سی گئیں۔

"ہیلو"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"کیسی ہو"۔

"ٹھیک ہوں"۔

وہ حیران تھی وہ کیسے اس سے بات کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر پہلے اسکی نظروں میں ناراضگی تھی۔ اسے Avoid بھی کر رہا تھا۔

"Excuse me." اس نے لڑکے کی طرف دیکھا۔ "This chair is taken, please take the next one." وہ بڑے ضبط سے بولا۔

لڑکا سمجھ گیا وہ میزبان کی کچھ نہ کچھ لگتی تھی۔ نادم سا فوراً دوسری طرف چلا گیا۔

دلاور خان خود اس کرسی پر بیٹھ گیا۔

تو۔۔۔ یہ ساری تردد اس لڑکے کو اسکے قریب سے ہٹانے کی تھی۔

اسے فلو تھا۔ خوبصورت ناک سرخ اور نشیلی آنکھیں نم سی تھیں۔ حسن بیمار حسین تر لگ رہا تھا۔

تبھی تیز تیز قدم اٹھاتا شاہد بھی آگیا۔

"صلح ہوگئی؟" وہ اسکے کان میں بولا۔

اور دلاور خان نے ہنسی بڑی مشکل سے روکی۔

''نہیں''۔

''پھر یہاں کیوں بیٹھے ہو''۔اب وہ کان میں نہیں بول رہا تھا۔

''بھئی میری مرضی جہاں بھی بیٹھوں''۔وہ مسکرا رہا تھا۔

''اور وہ مہمانوں کو جو یوں چھوڑ کر آئے ہو''۔اس نے اسے چھیڑنے کو کہا۔ورنہ وہ تو دل سے چاہتا تھا وہ یہیں بیٹھا رہے۔

''ہاں چلتا ہوں''۔اٹھتے ہوئے اس نے ایک نظر دلآرام پر ڈالی۔''میں ویسے بھی فلو سے الرجک ہوں۔کل دیکھنا مجھے فلو ہوگا''۔اسکے پرکشش ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔

فلو واقعی اسے دور سے آ پکڑتی تھی۔

''بیٹھو یار۔بعد میں میرے کان کھاؤ گے''۔

''نہیں۔فلو ہو جائیگا''۔وہ بچوں کی طرح خوفزدہ ہو رہا تھا۔

دلآرام خوش تھی۔انکی ناراضگی کو خاصا وقت ہو گیا تھا اسلئے اب شاید ناراضگی میں وہ شدت نہیں رہی تھی۔اس سے بات کرنے میں پہل بے شک کہ دلاور خان نے اس لڑکے کو وہاں سے ہٹانے کیلئے کی تھی مگر ــــ

دلآرام کو اپنے یہاں دیکھ کر وہ خوش بھی لگ رہا تھا!

کھانا ٹیبلز پر لگ چکا تھا۔سبھی ڈائننگ ہال کی طرف بڑھ رہے تھے۔لیڈیز آگے آگے اور جینٹس پیچھے جا رہے تھے۔

ٹیبلز یہاں سے وہاں تک بھرے تھے۔

لیمب بجی، روسٹڈ چکن، باربی کیو چکن، کباب، تکے، چائینیز کھانے، کئی قسم کے سلاد، کئی سویٹ ڈشز، کولڈ ڈرنکس اور ایک طرف لگے بہت سٹائلش سماوار میں گرم خوش ذائقہ کشمیری چائے!

سبھی ٹیبلز کے گرد سمٹ آئے۔

دلآرام راستہ نہ پا رہی تھی۔ایک طرف منتظر کھڑی تھی۔

''یہ پلیٹ لو۔اور آگے آؤ''۔



دلاور خان تھا۔سیاہ قیمتی سوٹ میں ملبوس اپنے تانبے کی طرح تپے رنگ، پرکشش نقوش اور سیاہ دلنشیں آنکھیں اس پر جمائے وہ کوئی گریک گوڈ لگ رہا تھا!

اس نے چپ چاپ پلیٹ لے لی۔ایک قدم آگے بھی بڑھی۔

اور دلاور خان سمجھ گیا۔یہ اسکے بس کا روگ نہیں تھا۔

اسکے ہاتھ سے پلیٹ لی۔میز پر گیا۔اور تھوڑی ہی دیر میں مختلف چیزیں پلیٹ میں لئے اسکی طرف آنے لگا۔

ایک بار پھر شاہد ہاتھ میں پلیٹ لئے آ دھمکا۔

''یہ پلیٹ ان محترمہ کو دے دو''۔دلاور خان بہت سیریس لہجے میں شاہد سے بولا۔

''مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔جیسے میں دیکھ ہی نہیں رہا تھا اتنی دیر سے''۔

اور نہ چاہتے ہوئے بھی دلاور خان کا جاندار قہقہہ بلند ہوا۔

''تو تم اتنی دیر سے اسی تکلیف میں لگے تھے''۔

''ہاں''۔وہ اپنی پلیٹ میں سے کھانے لگا۔

''یہ دے دو نا اسکو''۔

''خود دو نا''۔شاہد کچھ تیزی سے بولا۔''ہاتھ میں تکلیف ہوتی ہے کیا''۔

''وہ ــــ فلو''۔اس نے مسکین سی شکل بنائی۔

''ویسے کچھ نہیں ہوتا۔جب مجھے دیکھ لیتے ہو تو فلو یاد آ جاتا ہے''۔

''اگر مجھے فلو ہو گیا نا تو تمہیں چھوڑونگا نہیں''۔اس نے ذرا دور سے پلیٹ دلآرام کی طرف بڑھائی۔

وہ اپنی ہنسی بمشکل روک رہی تھی۔

''یہ تو بہت زیادہ ہے''۔وہ آہستہ سے بولی۔

''دونوں شیئر کر لو''۔شاہد نے دلاور خان کو مشورہ دیا۔

''مگر ــــ فلو''۔اسکا لب ولہجہ تک مسکین تھا۔

''تم جاؤ تمہیں فلو ہو جائیگا۔میں اپنا کھا کر باقی انکے ساتھ کھا لونگا''۔

''تم کیوں شیئر کروگے''۔وہ فوراً لائین پر آ گیا۔

''جل گئے''۔

''اس معاملے میں تو میں اپنے باپ سے بھی جلتا ہوں''۔اس نے چپکے سے شاہد کے کان میں کہا۔

''بائے داوے۔تمہاری تو دلآرام سے ناراضگی تھی''۔شاہد نے یاددلایا۔

''وہ تو اب بھی ہے''۔

''کیا کہنے ہیں۔بات میں آگے آگے،خدمت میں پیش پیش۔اور ناراضگی ہے''

''ناراضگی کئی قسم کی ہوتی ہے مثلاً...''

''بس بس...وہ دیکھو انکل اس طرف دیکھ رہے ہیں۔جاؤ اپنے مہمانوں کو اٹینڈ کرو''۔

دلاور خان میز کی طرف چل دیا۔جانے کیا بات تھی دلآرام کو کسی اور کیساتھ دیکھنے کے بعد بھی وہ اس وقت بے حد خوش لگ رہا تھا۔شاید وہ اسے اتنا چاہتا تھا کہ وہ بات بھی اپنی معنی کھونے لگی تھی۔

مہمان اپنا اپنا کھانا لیکر کچھ ایک طرف لگی کرسیوں پر بیٹھ گئے اور کچھ گروپس میں کھڑے کھانے کیساتھ کھانے کی تعریف بھی کرتے جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد دلاور خان پھر آ گیا۔

''تم پھر آ گئے''۔شاہد نے کہا۔

''کیوں پابندی ہے میرے آنے پر''۔

''فلو——ہو جائیگا''۔

''وہ تو ہر حال میں ہوگا''۔وہ اپنی پلیٹ میں سے کھاتے ہوئے بولا۔

''بلکہ ہو چکا ہوگا''۔شاہد نے لقمہ دیا۔

''سوں سوں''۔دلاور خان نے اپنی ناک چیک کی۔

''ہوگیا ہے اب کیا ہوگا''۔وہ خوفزدہ سی شکل بنا کر بولا۔

''چل ہٹ ہمیں باتیں کرنے دے''۔

''کیا؟''



''ہاں''۔جاؤ اپنے گیسٹس کے پاس''۔

''پھر نہیں آؤنگا''۔اس نے دھمکی دی۔

''مت آؤ''۔

''سچ کہتا ہوں''۔

''بالکل مت آؤ''۔

''پھر رونا نہیں''۔

اور شاہد زور سے ہنس پڑا۔

''مجھے کہہ رہے ہو یا دلآرام کو''۔

وہ کچھ نہیں بولا۔چپ ہو گیا۔شاید ابھی دلآرام سے دوبارہ اتنی بے تکلفی نہیں ہوئی تھی۔

چند لمحے خاموشی طاری رہی۔

''یہ کھاؤ پھر کہو گے کہاں تھا میں نے تو دیکھا ہی نہیں تھا''۔کانٹے میں باربی کیو چکن کا لذیذ پیس اٹھا کر اس نے شاہد کو آفر کیا۔

''نہیں میں کچھ نہیں کھونگا۔تمہارا جھوٹا میں نہیں کھاتا''۔

اور بالکل غیر ارادی طور پر اسکا ہاتھ دلآرام کی طرف گیا۔

اور—— دلآرام نے منہ کھولتے ہوئے باربی کیو پیس لے لیا۔

یہ سب کچھ اتنا اچانک اور اتنا بے ساختہ ہوا کہ شاہد آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کبھی ایک کو اور کبھی دوسرے کو دیکھنے لگا۔

دلاور خان خاموشی سے کھانے میں مصروف ہو گیا۔جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

''اب فلو نہیں ہوگا اسی کانٹے سے کھا رہے ہو''۔

وہ ہنس دیا۔خوبصورتی سے۔

''اب تو جو ہونا تھا ہو چکا''۔

''بڑے ڈھیٹ ہو''۔

''تم سے کم ہوں''۔

"میں نے کیا کیا ہے"۔

اتنی دیر سے کباب میں ہڈی بن کر کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا میں نے کیا کیا ہے۔

"بعد میں بتاؤں گا"۔

اور —— اچانک ہی مہمانوں میں سے کوئی زور سے چھینکا۔

"میں نہ کہتا تھا مجھے فلو ہو جائیگا"۔

اور دلاور خان کی بات پر شاہد کیساتھ ساتھ دلآرام بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی۔

تینوں اسی طرح چھیڑ چھاڑ کے دوران کھانا کھاتے رہے۔

بیرا آ گیا۔ اور ان سے خالی پلیٹس لے گیا۔

پھر —— گاجر کا حلوہ سرو ہوا، پھر فروٹ ٹرائفل پھر کیرامل پڈنگ"۔

دلآرام نے بھی تھوڑی سی پڈنگ لی۔

کھانا کھا کر مہمان آہستہ آہستہ ہال کی طرف کھسک رہے تھے۔

وہ تینوں بھی آ گئے۔

بابا جان سب چھوڑ چھاڑ دلآرام کی طرف آئے۔ انہیں اسکی فکر لگی ہوئی تھی کیونکہ خاصی دیر ہو گئی تھی۔

دلاور خان اور شاہد چپکے سے کھسک گئے۔

"بیٹی ہم نے ڈرائیور سے کہلوا دیا ہے۔ گاڑی تیار ہے تم اور ماما گھر چلو"۔

"جی بابا جان"۔

"بامانِ خدا"۔ بابا جان نے اسکے سر پر ہاتھ رکھا۔

"خدا حافظ"۔ وہ آہستہ سے بولی۔ اور ——

بابا جان کی ہمراہی میں پورچ تک آئی۔

ماما پہلے بیٹھ چکی تھیں وہ بھی بیٹھ گئی۔ گاڑی روانہ ہوئی تو ——

بابا جان اندر آ گئے۔



شام کے پانچ بج رہے تھے۔ دن قدرے پھیل گئے تھے۔ راتیں کچھ سکڑ گئی تھیں۔ سردی اب بھی بہت تھی۔ نرم روی سے جلتا ہیٹر کمرے کو کوزی بنا رہا تھا۔

دلآرام اپنے بیڈروم میں بیٹھی سٹڈی کر رہی تھی۔ دن تھے ابھی امتحان میں۔ مگر وہ سیریس تھی اس بار۔ کہ پچھلے سال کافی وقت ضائع ہونے کیساتھ اسکے مارکس پر بھی خاصا اثر پڑا تھا۔

بابا جان کے یہاں ڈنر کے بعد سے ایک بار بابا جان نے اسے بلوایا تھا۔ اور ایک ہی بار خود ملنے آئے تھے۔ اسکے بعد فون پر ہی حال احوال پوچھتے رہتے۔ کہ بقول ان کے وہ تو روز اسے دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ اسکی پڑھائی کا حرج ہو۔

رہی دلاور خان کی بات۔ تو اسکے بعد سے اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ بابا جان کے یہاں گئی تھی تو وہ شاہد کیساتھ شکار پر گیا ہوا تھا۔

دلآرام بھی بابا جان کو فون کر لیا کرتی تھی۔ اسے بھی بابا جان سے بہت Attachment ہو گئی تھی۔

اس نے کھڑکی سے باہر نظر ڈالی۔

بڑے بڑے درختوں میں ہوا سرسرا رہی تھی۔ پرندوں کے غول اپنے اپنے آشیانوں کی سمت چل پڑے تھے۔ اور سورج کی کرنیں اپنا آخری سیندور لٹا رہی تھیں!

وہ پھر سے پڑھنے لگی۔ رات ڈنر تک تو پڑھنا ہی تھا۔ پھر —— آج وہ بابا جان کو فون بھی کرنے والی تھی۔ کافی دنوں سے کال نہیں کی تھی۔

رات کھانے کے بعد وہ اطمینان سے آ کر اپنے بیڈ پر بیٹھی، ریسیور اٹھایا اور بابا جان کا نمبر ڈائیل کرنے لگی۔

"Yes, Dilawar Khan here."

ایک پل کو اسکا دل دھڑکا۔ دنوں بعد بلکہ عرصہ بعد اسکی آواز فون پر سنی تھی۔

''بابا جان ہیں؟'' وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔

''بابا جان... ہوں...'' وہ جیسے کچھ کھا رہا تھا، چوکلیٹ یا چیونگم!

''بابا جان ہیں تو انہیں دیں پلیز!'' اس نے پھر کہا۔

''بابا جان... وہ سو رہے ہیں''۔

وہ جھنجلا سی اٹھی۔ انہیں کے بیڈروم میں بیٹھا انہیں کے فون سے بات کر رہا تھا اور کہتا تھا وہ سو رہے ہیں۔ وہ سو رہے ہوتے تھے تو کمرے کے قریب سے بھی پنجوں کے بل گزرتا تھا وہ۔

''وہ کمرے میں نہیں ہیں پلیز بلا دیں''۔

''چوکلیٹ کھاؤ گی؟''

تو اسکا اندازہ صحیح نکلا وہ چوکلیٹ سے شغل فرما رہا تھا۔

''نہیں''۔

''غصہ کیوں ہو''۔

''غصہ نہیں ہوں بابا جان سے بات کرا دیں''۔ اسکا لہجہ واقعی نرمی نہیں لئے تھا بلکہ ــــ خفگی سی، ناراضگی سی لئے تھا!

''بابا جان۔ بابا جان۔ باقی لوگ بات کرنے کے قابل نہیں ہیں کیا''۔

''میں نے ایسا نہیں کہا''۔

''ہائے داوے مَیم تم بول کون رہی ہو؟'' وہ بڑے اطمینان سے بولا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی دلآرام کو ہنسی آ گئی۔

دلاور خان نے دنوں بعد اسکی ہنسی سنی تھی۔ وہ مسحور سا ہوا۔ دل چاہا سب ناراضگی بھول بھال اسے سینے سے لگا لے، دل میں سمو لے۔ پر ــــ

اسکے دل میں دلآرام کے خلاف اب بھی شکوک سر اٹھائے تھے۔ اسے بھی شکوے تھے، شکایتیں تھیں۔ اور ــــ

یہ شکوے دور کرنے اور شکایتیں رفع کرنے کا موقعہ اسے نازیہ دیتی ہی کب تھی۔ وہ تھی،



ڈرنکس تھے اور سگریٹس ــــ اور یہ تینوں چیزیں اسے بہکا رہی تھیں، جلا رہی تھیں، پھونک رہی تھیں!

''میں... بس... وہ میرے بابا جان ہیں''۔ وہ اور کیا کہتی۔

''اوہ''۔ اسے ہمیشہ اسکا بابا جان کو بابا جان کہنا اچھا لگتا تھا۔ ''مگر میری تو کوئی بہن نہیں ہے''۔

اب کیا کہے؟ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''بولو نا ــــ ہوں''۔

اچانک ہی اسکے لب و لہجے میں اسے عرصہ قبل کی اپنائیت یاد آ گئی۔

''بول تو رہی ہوں۔ مجھے بابا جان چاہئیں''۔

''ہوں''۔ چند ثانیے وہ چوکلیٹ کھاتا رہا۔ ''آ جائینگے تو پیکٹ بنا کر پارسل کر دونگا''

''کہیں گئے ہوئے ہیں؟''

اور وہ پچھتایا ــــ انکے باہر جانے کا سنکر وہ فون بند کر دیتی تو!

''نہیں نہیں۔ ادھر ہی ہیں''۔

''تو بلا دیں نا پلیز! کیوں تنگ کرتے ہیں''۔

''اچھا بابا''۔

''بابا جان ــــ بابا جان''۔ وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر انہیں آوازیں دینے لگا۔

دلآرام کو لگا وہ واقعی کہیں اور تھے۔ کم از کم بیڈروم یا آس پاس تو بالکل نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو دلاور خان کی ہمت نہیں تھی کہ اس طریقے سے انہیں آوازیں دیتا۔ پاس جا کر بتاتا۔

اور ــــ دلآرام کو اسکی اس حرکت پر ہنسی آ گئی۔

''اس میں ہنسنے کی کون سی بات ہے''۔ وہ خود بھی ہنستے ہوئے بولا۔

''آپکی ہمت ہے آپ بابا جان کو یوں آوازیں دیں''۔

''میں ــــ میں کوئی بابا جان سے ڈرتا ہوں''۔

''یہ تو انکے سامنے میں آپکو یاد دلاؤں اور آپ انہیں آوازیں دیں تب پتہ چلے گا'' وہ یوں ہی اپنی رو میں بولی۔

''تم کب یہاں آتی ہو''۔ لہجے میں گلہ تھا، شکوے تھے۔

’’آئی تو تھی‘‘۔

’’جب گھر پر نہیں تھا‘‘۔

’’آپکے گھر پر ہونے سے کیا فرق پڑتا‘‘۔ یہاں بھی لہجے میں شکوے عود کر آئے۔

’’شاید—پڑ جاتا‘‘۔

’’اچھا۔ آپ سنائیں کیا کرتے رہتے ہیں آجکل‘‘۔ وہ موضوع بدلنے کو بولی۔

’’میں‘‘۔ اس نے گہری سانس لی۔ ’’آفس جاتا ہوں، واپس آکر کھانا کھاتا ہوں پھر سوتا ہوں پھر اٹھتا ہوں... پھر... پھر... ‘جیسے اس سے بات نہ بن رہی تھی۔ ’’شاہد کی طرف چلا جاتا ہوں۔ دونوں سکوائش کھیلنے جاتے ہیں پھر گھر واپس آتا ہوں ڈنر لیتا ہوں اور سو جاتا ہوں‘‘۔

اسکا باتوں کے دوران اٹک جانا ایک بار پھر دلآرام کو اداس کر گیا۔ وہ ملتا جلتا تو ہوگا نازیہ سے مگر—اس کے منہ سے اشارہ پا کر وہ مزید اداس ہوگئی۔

’’اب بند کروں‘‘۔ اسکے لہجے میں بھی اداسی عود کر آئی تھی۔

’’بابا جان سے بات نہیں کروگی‘‘۔ وہ بھی اداس لگنے لگا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کے بغیر اداس بھی تھے مگر—انا تھی کہ دونوں کو قریب آنے سے روکے ہوئے تھی۔

’’پھر کبھی کرلونگی‘‘۔

’’ایک منٹ ہولڈ کرو۔ میں بلاتا ہوں انہیں۔ واک کر رہے ہیں باہر‘‘۔

’’پلیز انہیں ڈسٹرب مت کریں میں پھر کبھی بات کرلونگی‘‘۔

دلاور خان سمجھ گیا اسکی اداسی اب اسے مزید بات کرنے نہیں دے رہی تھی۔

اس نے گہری سانس لی۔

’’اوکے۔ جیسے تمہاری مرضی‘‘۔

اور—دلآرام نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

تھوڑی دیر ماما کیساتھ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھتی رہی۔ پھر— کمرے میں آئی۔ رات کے کپڑے بدلے اور بستر میں گھس گئی۔



اسکے محسوسات آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ وہ خوش بھی تھی۔ کہ دنوں بعد دلاور خان سے فون پر بات ہوئی تھی۔ اداس بھی— کہ اب بھی فاصلے تھے دونوں کے درمیان!

موسم معتدل ہوگیا تھا۔دن بتدریج لمبے اور راتیں گھٹتی جا رہی تھیں۔

ہر سو ہریالی ہی ہریالی تھی۔ پھول ہی پھول تھے۔خوشبو ہی خوشبو تھی۔

کل دلآرام کا پہلا پیپر تھا۔مغرب کی نماز کے بعد اس نے اپنی کامیابی کی دعا مانگی اور.....

پہلا کام بابا جان کو فون کیا۔وہ انکی بھی دعائیں سمیٹنا چاہتی تھی۔

"Dilawar Khan speaking."۔

وہ پھر Puzzled ہوگئی۔آج پھر وہ بابا جان کے کمرے میں براجمان تھا۔

"میں دلآرام بول رہی ہوں بابا جان سے بات کرنی ہے"۔

"بابا جان کے اس مسکین بیٹے نے کیا قصور کیا ہے"۔

"مجھے بابا جان چاہئیں"۔

"اچھا پارسل کردونگا"۔وہ پہلے کی طرح بولا۔

اور___ وہ مسکرا دی۔

"اور؟"

"پلیز! میری بابا جان سے بات کرادیں میرا ضروری کام ہے"۔

"کام کیلئے یہ خادم حاضر ہے"۔

"اُفوہ....."

"ایک تو تم غصے بہت جلد ہوتی ہو۔کیا نام بتایا تھا تم نے اپنا؟"

"میں کوئی بھی ہوں آپکو کیا"۔

"دیکھو ایسے گمنام ٹیلی فون کالز اچھی لڑکیاں نہیں کرتیں"۔

دلآرام کو جانے کیوں اسکی بات اچھی نہیں لگی۔



دلآرام کو جانے کیوں اسکی بات اچھی نہیں لگی۔

"میں نے شروع میں ہی اپنا نام بتا دیا تھا اور پھر میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں اچھی لڑکی ہوں"۔دلاور خان نے بھی تو کہا تھا کہ وہ کسی اور لڑکے سے ملتی تھی۔

دلاور خان اس کی چوٹ سمجھ گیا۔اپ سیٹ سا ہوگیا۔بات مذاق سے شروع ہوکر سیریس ہوتی جا رہی تھی۔

"سوری۔تم بری لڑکی نہیں ہو I am sure"۔اس کے لب و لہجے میں پچھتاوا تھا، ندامت تھی۔

ایک عرصے کا دلآرام کے ذہن پر کا گراں بار ہلکا ہوگیا۔

"تھینک یو ویری مچ سر۔اب تو بابا جان مل جائینگے نا"۔وہ اپنی رو میں بولی۔

"سر؟"وہ کچھ اداس سا مسکرایا۔"میرا خیال ہے میں اب 'سر' نہیں رہا"۔

وہ چپ رہی۔کہتی بھی کیا۔

"ہوں۔بولو نا"۔پھر وہی اپنائیت!

"بابا جان"۔اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔

"بابا جان، بابا جان۔ ان کے علاوہ دنیا میں اور کوئی Topic نہیں جس پر بات ہو سکے"۔وہ کچھ جھنجھلایا سا لگنے لگا۔

"میری تو چھوٹی سی دنیا ہے۔جس میں دو چار لوگ بستے ہیں اور بس"۔

"ان دو چار میں میرا بھی نام آتا ہے یا نہیں"لہجہ اب بھی جھنجھلایا یا تھا۔

اسکے جھنجھلانے میں اسے مزا آنے لگا۔

دو چار تو بہت کم ہوتے ہیں آپکا نام کیسے آسکتا ہے"۔

"Although it was at the top some time back."

اسکے لہجے میں دور کہیں طنز کا عنصر تھا۔

"وقت وقت کی بات ہے"۔وہ بھی بے حسی سے بولی۔

"تم بہت بے حس ہو۔تم نے میرے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں"۔اب وہ اپ سیٹ لگ

رہا تھا۔

دلآرام کو اس پر ترس آنے لگا۔ وہ تو اسے چاہتی تھی پھر کیوں اسے دکھی کر رہی تھی۔ اور وہ بھی ـــ

وہ بھی اسے پیار کرتا تھا۔ اسکی ہر بات سے صاف پتہ چل رہا تھا۔ پر ـــ

فاصلے اب بھی اپنی جگہ تھے۔ دوریاں اب بھی حائل تھیں بیچ میں۔

انا کا مسئلہ تھا۔ دوستی کی پہل ایک بھی نہیں کر رہا تھا!

"آپ بے حس ہیں۔ زیادتیاں آپ نے میرے ساتھ کی ہیں"۔ وہ روہانسی ہوگئی۔

دلاور خان کا بھی پارہ یکدم نیچے اترنے لگا۔

"میں بے حس نہیں ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی"۔ اسکا لہجہ نرمی لئے تھا۔ پھر مسکرایا دھیرے سے۔ "تم نے البتہ واقعی مجھے تنگ کیا ہے..."

"میں نے تنگ کیا ہے؟" وہ قدرے حیرت سے بولی۔

"ہاں"۔

"کب؟"

"وہ کچھ عرصہ پہلے ہمارے یہاں ڈنر پر"۔

"کیا کیا تھا میں نے؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"فلو دیا تھا مجھے۔ پورے تین دن بستر پر رہا"۔

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہنس دی۔

"لیکن اس میں قصور میرا بھی تھا۔ فلو ہمیشہ مجھے ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ اس بار تو میں خود اسکے پیچھے گیا تھا"۔

وہ مسکرا دی۔

"ویسے ـــ باباجان مجھ سے بات کر سکیں گے"۔ دلآرام نے یاددہانی ضروری سمجھی۔

"کہیں ڈنر پر گئے ہیں۔ واپس آئینگے تو بتادونگا۔ تمہیں رنگ کر دینگے"۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک عرض کروں... یہی بات آپ مجھے شروع میں ہی بتا دیتے تو..."



"شروع میں بتا دیتا تو مجھ سے بات کون کرتا..."

پھر یکدم ہی جیسے اسے احساس ہوا اس کا پلہ کیوں ہلکا ہو؟ "دراصل میں بیٹھے بیٹھے بور ہو رہا تھا۔ تم سے باتیں کر کے کم از کم میری بوریت تو دور ہوگئی"۔

دلآرام کو اسکی بات اچھی نہیں لگی لیکن ـــ خود دلآرام بھی تو کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتی تھی جس سے اسکا پلہ ہلکا ہو۔

"اچھا اب تو آپکی بوریت دور ہوگئی اب بند کروں"۔

دلاور خان تو چاہتا تھا وہ یوں بولتی رہے۔ اور وہ منتظر ہے مگر ـــ اسے ایسا کہہ بھی تو نہیں سکتا تھا۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟ سنا ہے کل سے ایگزامز شروع ہو رہے ہیں"۔

دلآرام دھیرے سے مسکرا دی۔ اسکی پوری خبر رکھتا تھا۔

"بس سو سو ہوگئی ہے۔ کل پیپرز شروع ہونگے تو پتہ چلے گا"۔

"سو سو کی بات نہیں ہے۔ مجھے نالائق لوگ اچھے نہیں لگتے"۔

اسے ہنسی آگئی۔ باتوں کے دوران دلاور خان کبھی بہت قریب آجاتا تھا مگر جوں ہی احساس ہوتا تھا کہ وہ نزدیک آرہا ہے فوراً پیچھے ہٹ جاتا تھا۔

"میں کوشش کرونگی کہ اچھے پیپرز کرلوں"۔

"That's like a good girl."

"اب بند کروں"۔

"جب بند ہی کرنا ہے تو پوچھنے کی کیا ضرورت ہے"۔ وہ پھر جھنجلا اٹھا۔

"تو کیا کروں"۔ وہ بے بسی سے بولی۔

دلاور خان کا دل چاہا کہہ دے۔ بس بہت ہوگیا آؤ اب صلح کر لیتے ہیں۔ مگر پھر وہی ـــ پہل کیسے کرے؟ وہ تو خفا تھا اس سے!

"اچھا سوری"۔ اس نے اپنے لہجے کی معافی مانگ لی۔ "بند کردو"۔

"خدا حافظ"۔ دلآرام آہستہ سے بولی۔

"Take care." دلاور خان نے کہا اور ـــ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

اگلے دن اسکا پہلا پیپر ہوا۔ کافی اچھا ہوا تھا۔ اسکے بعد دوسرا اور پھر تیسرا۔۔۔۔ دن تیزی سے گزرنے لگے اور ساتھ ہی اسکا امتحان بھی۔

اس دوران بابا جان اس سے روزانہ فون پر پیپرز کے متعلق دریافت کرتے، حوصلہ دلاتے اور دعائیں بھی۔

دلاور خان نے البتہ ایک بار بھی 'وش' تک نہیں کیا۔

دلآرام کو اور بھی غصہ آیا۔ وہ خود کبھی بابا جان کو فون کرتی اور وہ ریسیو کرلیتا تو ڈھیر ساری باتیں کرلیتا۔ مگر اسکے ایگزام پر دو بول 'گڈلک' کے بھی نہ کہہ سکا۔

آج اسکا آخری پیپر تھا۔ اچھا بھی ہوا تھا۔ وہ بے حد ہلکا محسوس کررہی تھی۔ خوش بھی کہ سارے پیپرز اچھے ہوئے تھے۔

دوپہر کا کھانا کھایا اور یوں سورہی جیسے برسوں کی جاگ رہی تھی۔

اٹھی تو۔۔۔۔ شام کے دھندلکے چھا گئے تھے۔ کمرے میں ملگجی روشنی ہورہی تھی۔

اٹھ کر وہ باتھ روم میں گئی، نہائی۔ ہلکا گلابی پھولدار ڈریس پہنا۔ گلابی ہی نازک سی چپل پہنی۔ بالوں پر برش کیا اور۔۔۔۔

باہر برآمدے میں بیٹھیں ماما کے پاس آ بیٹھی۔

وہیں چائے آئی۔ دونوں پینے لگیں۔

''ماما کچھ خبر بھی ہے پرسوں عید ہے''۔ وہ کچھ اداس سی بولی۔

''ہاں بیٹا قربانی کا بندوبست ہوچکا ہے۔ بکرے آچکے ہیں''۔

''ماما۔ ممی اور پاپا ہوتے تو عید پر کتنا مزا آتا''۔

ماما نے ٹھنڈی آہ بھری۔



''بیٹا جو ہے اس پر صبر کرو۔ شکر کرو''۔ ماما اسے تسلی دینے لگیں۔

''ہاں ماما۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں''۔

تبھی۔ اسے اپنے کمرے میں سے فون کی بیل سنائی دی۔

تیز تیز قدم چلتی وہ اندر گئی۔ ریسور اٹھایا۔

''دلآرام بول رہی ہوں''۔ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''بیٹے ہم تمہارے بابا جان بول رہے ہیں''۔

''جی بابا جان''۔ وہ خوش ہوکر بولی۔

''بیٹے پرسوں عید ہے۔۔۔''

''جی بابا جان۔ ماما نے قربانی کا بندوبست کرلیا ہے''۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر۔ عید کا دن تم نے اور ماما نے ہمارے یہاں گزارنا ہے۔ اپنے کک اور ڈرائیور سے کہو قربانی کرلیں۔ بانٹ دیں۔ تم سے بہتر سمجھتے ہیں وہ یہ سب''۔

''جی''۔

''اور تم دونوں پرسوں صبح ہماری گاڑی کے پہنچتے ہی آجاؤ''۔

''جی بابا جان''۔

''تمہاری تو اب لمبی چھٹیاں ہیں نا''۔

''جی''۔ وہ مسکرادی۔

''بس پھر آگے بھی پروگرام بنائینگے۔ کسی ٹھنڈے مقام پر چند دن گزار لئے جائیں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟''

''بابا جان جیسے آپ مناسب سمجھیں وہی ٹھیک ہے''۔

''بس تو پھر عید کے دن ہی پروگرام بنائینگے ٹھیک''۔

''ٹھیک ہے''۔

''اچھا بیٹے اب بند کرتے ہیں بہ امان خدا''۔

''خدا حافظ''۔ اور اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

خوش خوش برآمدے میں آئی۔

''کون تھا بیٹے؟'' ماما نے پوچھا۔

''بابا جان تھے''۔

''تمہیں بہت چاہتے ہیں دلدار خان''۔

''یہ تو ہے''۔

''کوئی خاص بات تو نہیں تھی''۔

''تھی کیوں نہیں۔ کہتے تھے عید میں اور آپ انکے یہاں گزاریں قربانی کا کام خانساماں اور رحمت کا کا سنبھال لیں گے''۔

''ارے ٹھیک تو کہتے ہیں''۔ ہم لوگ وہاں چلے جائینگے۔ گھر میں کام یہ دونوں سنبھال لینگے''۔ ماما کو وہاں جانا اچھا لگتا تھا۔

''یہ بھی کہتے تھے کہ عید کے دن پروگرام بنائینگے کچھ دنوں کیلئے کسی ہل سٹیشن پر جانے کا''۔

''ہاں یہ بھی بہت اچھا کہا ہے۔ گرمی بہت پڑنے لگی ہے''۔

''ماما کل پلیز میرا ایک کام کر دیں''۔

''کیا بیٹا؟''۔

''میرا کمرہ اچھی طرح صاف کر دیں۔ سب کتابیں وغیرہ ہٹا دیں۔ اور... سب کو ساتھ ملا کر باقی گھر کی بھی صفائی کر دیں۔ عید ہے نا...''

''ٹھیک ہے تم فکر مت کرو۔ سب ہو جائیگا''۔

''تھینک یو ماما''۔

''اس یہ 'تھنک یو' کہہ دیا کرو ماما تمہاری''۔ ماما کو اسکا 'تھینک یو' کہنا بہت اچھا لگتا تھا۔

رات وہ اور ماما دیر تک ٹی وی کے پاس بیٹھی رہیں ساتھ گاہے گاہے باتیں بھی کرتی رہیں۔

آج دلآرام بہت ہی ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ امتحان بھی ختم ہو گیا تھا۔ پیپرز بھی اچھے ہو گئے تھے۔ جو نیند ضائع ہوئی تھی اسے پورا کرنے کا سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی۔ اور ـــــ

واقعی رات جو سوئی صبح دس بجے ہی آنکھ کھلی۔



آج عید تھی۔ ماما پہلے ہی ملازموں کو سب سمجھا چکی تھیں۔ خود عید کا نیا گہرا سبز جوڑا پہنے لاؤنج میں بیٹھیں دلآرام کے تیار ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔

دلآرام تیار ہو گئی۔ ماما کے پاس آ گئی۔

سلور کپڑوں کیساتھ سلور ہی بہت خوبصورت جیولری پہنے وہ آسمان سے اتری کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔

تبھی بابا جان کی بھجوائی گاڑی آ پہنچی۔ دونوں بیٹھ کر ان کی طرف چل دیں۔

دلآرام آج بہت دن بعد دلاور خان کا سامنا کرنیوالی تھی۔ فون پر اس سے باتیں ہو چکی تھیں۔ مگر آمنا سامنا ہونے پر جانے کیا رد یہ ہوتا؟

گاڑی پورچ میں کھڑی ہوئی تو بابا جان اندر سے برآمد ہوئے۔

''آؤ بیٹا آؤ۔ اب آئیگا عید کا مزا''۔ بابا جان خوش ہوتے ہوئے بولے۔

''ماما تم کیسی ہو اچھا کیا آ گئیں اب گھر میں رونق ہو جائیگی''۔

''ٹھیک ہوں بڑے صاحب مہربانی ہے آپکی''۔

سب اندر لاؤنج میں جا کر بیٹھ گئے۔

ایک طرف میز پر کھانے کی انواع واقسام کی چیزیں سجی تھیں۔ عمدہ قسم کی مٹھائی، سویاں، کھیر، چکن تکہ، کولڈ ڈرنکس اور جانے کیا کیا۔

''تم لوگ کھاؤ پیو، ہاں تکوں وغیرہ کیلئے تھوڑا انتظار کرنا ہوگا''۔ بابا جان انکی حتی الامکان میزبانی کر رہے تھے۔

ماما اور دلآرام میز پر سے پلیٹوں میں کھانے کی چیزیں لینے لگیں۔

تبھی کھڑکی میں سے دلآرام نے دیکھا۔ کچن کی طرف دلاور خان کھڑا ملازموں کو عیدی

دے رہا تھا۔ اپنے روایتی لباس شلوار قمیض میں بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔

واپس آکر وہ دونوں صوفے پر بیٹھ گئیں۔

بابا جان نے دلآرام اور ماما کو عیدی دی۔

دلآرام کچھ جھجک رہی تھی۔

''بیٹا ہم نے کہہ دیا ہے نا ہم تمہارے بابا جان ہیں۔ پھر جھجک کیسی۔ دلاور خان تو ہم سے زبردستی لیتا ہے''۔

''تھینک یو بابا جان''۔

''ویلکم بیٹا''۔

تبھی ___ ملازموں نے آکر مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی۔

''بیٹی اب ہم عید ملنے آنیوالوں کیساتھ مصروف ہونگے۔ تم دونوں کھاؤ پیئو گھومو پھرو جو مرضی آئے کرو۔ گھر تمہارا اپنا ہے...''

''تھینکس بابا جان''۔ وہ پھر بولی۔

اور ___ دلدار خان باہر چلے گئے۔

ماما اپنے فیورٹ گلاب جامن کھا رہی تھیں۔ اور دلآرام پیپسی کا گلاس ہاتھ میں لئے تھی۔

''اچھا بیٹا۔ میں اب ذرا باہر کا چکر لگاؤں گی''۔ ماما خالی پلیٹ میز پر رکھتے ہوئے بولیں۔

''عید کی مبارکباد دوں، حال احوال پوچھ لوں سب کا''۔ وہ خاصی فیورٹ تھیں سب ملازموں کی۔

''ہاں ماما آپ جائیں''۔

ماما چلی گئیں۔

وہ تھوڑی دیر لاؤنج میں بیٹھی رہی مگر پھر اکیلی بور ہونے لگی۔ اٹھی۔ اور ___

یوں ہی ادھر ادھر گھومنے لگی۔ اندر گھر میں کوئی بھی نہیں تھا اس نے سوچا آج گھر ہی دیکھ لیا جائے۔ نچلا حصہ تو وہ دیکھ چکی تھی اوپر کا نہیں دیکھا تھا۔

وہ احتیاط سے قدم اٹھاتی چوڑی خوبصورت کارپٹڈ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

اوپر بھی بیڈ رومز تھے۔ وسیع لاؤنج تھا۔ ٹیریس کے رخ فل سائز شیشے کی دیوار کی لائبریری



تھی۔

کمروں پر سرسری نظر ڈالتی وہ آگے بڑھنے لگی۔ کارنر والا کمرہ دلاور خان کا تھا۔ غیر ارادی طور پر اسکے قدم اس طرف بڑھنے لگے۔

اسے معلوم تھا وہ نیچے تھا۔ پھر بھی جانے کیوں اندر داخل ہوتے ہوئے اسکا دل دھڑکنے لگا۔

کمرے میں وال ٹو وال بلو قیمتی دبیز قالین بچھا تھا۔ قالین پر اووَل شیپ میں بنی خوبصورت سفید بیل بہت بھلی لگ رہی تھی۔ سامنے ہی اسکا چوڑا آرام دہ بیڈ تھا۔ بیڈ سپریڈ، بھاری قیمتی پردے اور چوڑی سی پھولوں سے لدی بالکنی کے پاس رکھا جدید طرز کا صوفہ، سبھی بلو پرنٹڈ تھے۔ صوفے کے ساتھ لگی میز پر کرسٹل کے خوبصورت گلدان میں موسم کے تازہ پھول مہک رہے تھے۔ وہیں بالکنی کے پاس کونے میں ایک بہت خوبصورت لڑکی کا مجسمہ ایستادہ تھا۔

کمرے کے پرلے کونے میں رائیٹنگ ٹیبل لگی تھی جس پر چند فائیلز اور کچھ کتابیں وغیرہ تھیں۔

پرذوق آراستہ کمرے کو دلاور خان کی مخصوص پرفیوم کی اروما خواب آور بنا رہی تھی۔

وہ واپس باہر نکل آئی۔ دو ہی سیڑھیاں اتری تھی کہ سامنے سے دلاور خان اور شاہد آتے دکھائی دیئے۔

وہ نظریں جھکائے آگے بڑھنے لگی۔

''مس دلآرام آپ نیچے نہیں جاسکتیں''۔ شاہد نے اسے آلیا۔

''ک۔ کیوں؟'' وہ گھبرا سی گئی۔ کچھ ابھی ابھی دلاور خان کے کمرے سے نکلی تھی اچھا تھا ان لوگوں نے دیکھا نہیں تھا۔

''آپ ہمارے ساتھ دلاور خان کے میں کمرے میں جائینگی''۔

وہ رک گئی۔ نظریں اٹھا کر دیکھا۔ دلاور خان کی نظریں اس پر جمی تھیں۔

''میں... میں...''

''کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ سیدھی سیدھی چلیئے''۔

نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والی بات ہو رہی تھی۔

وہ بھی ان دونوں کیساتھ پھر سے دلاور خان کے کمرے میں آگئی۔

تینوں بالکنی کے قریب صوفوں پر بیٹھ گئے۔

''واہ کیا پرفیوم ہے''۔ دلاور خان دلآرام کی مخصوص خوشبو سونگھ گیا۔

''یعنی—— کوئی ہم سے پہلے یہاں آچکا ہے''۔ شاہد نے لقمہ دیا۔

دلآرام چپ سی رہ گئی۔

''کیا مطلب؟ کوئی چور وغیرہ؟'' دلاور خان بولا۔

''ہاں''۔

''میں آئی تھی''۔ دلآرام چوری بولی۔

اور اسکے لب و لہجے پر دو جاندار قہقہے ابھرے۔

''مگر میں تو باقی کمروں میں بھی گئی تھی''۔ وہ جیسے صفائی پیش کرنے لگی۔

اور—— قہقہے فلک شگاف ہو گئے۔

''ذرا دیکھو۔ کچھ چوری تو نہیں ہو گیا''۔ شاہد نے کہا۔

دلاور خان واقعی ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''بیوقوف کہیں کا''۔

''کیوں''۔

''دل کی خبر لے۔ ادھر ادھر دیکھتا ہے''۔

اور دلاور خان۔ دھیرے سے مسکرا دیا۔

ایک نظر دلآرام کو دیکھا۔ بے پناہ حسن پر بہت خوبصورت کپڑے اور میچنگ جیولری اسے قیامت بنا رہے تھے۔ پلکیں گراتی اٹھاتی وہ سحر جگا رہی تھی۔ چہرے پر آئے گھنے بال بار بار پیچھے ہٹاتے ہوئے وہ جیسے اسکے دل کے تاروں کو چھیڑ رہی تھی!

''اچھا—— آپ ٹھیک ٹھاک تو ہیں نا''۔ شاہد نے سنجیدہ ہوتے ہوئے دلآرام سے پوچھا۔

''جی۔ تھینک یو''۔

''آپ نے کچھ کھایا پیا بھی ہے یا نہیں؟'' اس نے اچھے میزبان کی طرح پوچھا۔

''کھایا ہے''۔



''کہاں؟''

''نیچے لاؤنج میں''۔

''اور پھر اوپر آ گئیں''۔

''جی''۔

''سیڑھیاں چڑھ کر؟''

اور—— دلآرام سمجھ گئی وہ اسے تنگ کر رہا تھا!

''میں جاتی ہوں''۔ وہ اٹھنے لگی۔

اور—— دلاور خان نے یہ لمبا بازو اسکے آگے تان لیا۔

''آپ مجھے تنگ کر رہے ہیں''۔ وہ شاہد سے بولی۔

''نہیں نہیں اسکی مجال ہے آپکو تنگ کرے مار کھانی ہے مجھ سے''۔ شاہد نے کہا۔

کیا خوب! تنگ خود کر رہا تھا الزام دلاور خان کو دے رہا تھا۔

''کیوں تنگ کر رہے ہو بھئی''۔ اب وہ براہ راست دلاور خان سے مخاطب ہوا۔

''میں؟ میں تنگ کر رہا ہوں''۔

''اور کیا۔ کبھی سر سے لے کر پاؤں تک دیکھتے ہو ندیدوں کی طرح۔ کبھی آنکھوں میں جھانکتے ہو...''

''بس بس اپنا دوسرا الزام واپس لو''۔

''یعنی پہلا الزام درست ہے''۔

''شاید''۔

''یعنی ندیدے ہو''۔

اور دلاور خان زور سے ہنس دیا۔

''پتہ نہیں کیا کیا بک رہے ہو''۔

''مجھ سے کہا؟''

''ہاں تم سے کہا''۔

اور شاہد نے اٹھتے ہوئے اسکے بیڈ سے تکیہ اٹھا کر اس پر دے مارا۔ دلاور خان نے تکیہ واپس بستر پر پھینک دیا۔

"موقعہ سے فائدہ اٹھا رہے ہو"۔

"یعنی دلآرام نہ ہوتیں تو میں تمہیں مار نہیں سکتا تھا"۔

"میں دیکھ لیتا تمہیں"۔

"دیکھیں کتنا خیال ہے اسے آپکا"۔ شاہد، دلآرام سے بولا۔

وہ آہستہ سے مسکرا دی۔

"ویسے دلآرام بہن آپ بھی اسکا خیال رکھا کریں اچھا آدمی ہے بچارا۔ بس ذرا بری صحبت میں پھنس گیا ہے۔ سگریٹ بہت پینے لگا ہے۔ مگر دل کا اچھا ہے بس ذرا..."

اور ــــ دلاور خان نے آگے بڑھتے ہوئے اسکے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ تو سب اگلنے لگا تھا۔

"آگے ایک لفظ بھی کہا تو ٹھیک نہیں ہوگا"۔

"اوں اوں"۔ شاہد بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وعدہ کرو کچھ نہیں بولو گے تب منہ کھولونگا"۔

"ہوں ہوں"۔ شاہد نے اثبات میں سر ہلایا۔

اور اس نے اسکے منہ سے ہاتھ ہٹا دیا۔

دلاور خان نے دیکھا۔ شاہد کی باتیں سن کر دلآرام کا رنگ بدل سا گیا تھا۔ اداس سی بھی لگنے لگی تھی۔ خفا سی بھی!

"میرا مطلب تھا دلآرام بہن کہ آپ اسکو سمجھائیں۔ پوچھ گچھ کریں..."

"میں سمجھاؤنگی۔ اتنے لمبے تو ہیں"۔ وہ بچوں کی سی معصومیت سے بولی۔ منہ پھولا پھولا تھا۔ حسین آنکھیں ناراض!

وہ یہ بھی بھول گئی کہ اسکی تو ویسے بھی دلاور خان سے بات چیت نہیں تھی وہ جو کرتا اسکی مرضی تھی۔

اور وہ دونوں بیک وقت زوردار قہقہہ لگا بیٹھے۔

"اتنے بڑے تو ہیں۔ میں پوچھ گچھ کرونگی"۔ وہ مزید ناراضگی سے بولی۔



"اتنے لمبے ہو اتنے بڑے ہو شرم نہیں آتی سگریٹ پیتے ہوئے؟" شاہد نے ڈرنکس اور نازیہ کا ذکر نہیں کیا۔

"جو مرضی چاہے کریں مجھے کیا"۔ دلآرام بہت خفا لگ رہی تھی۔

"میری بہن کو خفا کر دیا نا خلف کہیں کے"۔

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ دلآرام کے پاس آیا۔

"بہن پلیز اس بات سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ آپکا دل دکھے۔ میں تو ویسے ہی بات کر رہا تھا۔ ویسے بھی آپکو اس پر چیک رکھنا چاہیے آپکا حق بنتا ہے"۔

دلاور خان کی نظریں دلآرام پر جمی تھیں۔

شاہد کی بات پر وہ آہستہ آہستہ نارمل ہو رہی تھی۔

"چیک رکھنا تو انکا فرض ہے"۔ اس نے دلاور خان پر پرانی چوٹ کی۔ "میرا کیا حق بنتا ہے"۔ اسکی حسین آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

کوئی اور وقت ہوتا تو دلاور خان یقیناً اس سے معافی مانگ لیتا۔ اپنی انا بھول بھال کر!

"بھئی شاہد خدا گواہ ہے اس پورے واقعے میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ جو کچھ کیا ہے تم نے کیا ہے"۔

"کیا مطلب؟ کیا کیا ہے میں نے"۔

"خفا کیا ہے لوگوں کو"۔

"ہونے لگی نا تکلیف"۔

"ہاں"۔

"تو مناؤ آ کر"۔

"کمال ہے خفا تم کرو اور منانے کو مجھے کہتے ہو"۔

"زبان گھس جائیگی اگر کہہ دیا کہ آئندہ سگریٹ وغیرہ نہیں پیونگا"۔ شاہد نے پھر 'وغیرہ' پر زور دیا۔

"آئندہ سگریٹ نہیں پیونگا"۔ وہ فرمانبردار بچے کی طرح بولا۔

اور دلآرام اپنی مسکراہٹ چھپانے لگی۔

"وغیرہ بھی نہیں کرو گے"۔

"کچھ بھی نہیں کرونگا۔مگر پلیز اب چپ ہو جاؤ"۔

براہ راست نہ سہی ان ڈائریکٹ سہی اس نے مان تو لی اپنی غلطی اور غلطی سے دستبرداری کا بھی وعدہ کرلیا۔

دلآرام مطمئن نظر آنے لگی۔

تبھی بیرا عید کے نئے کپڑے پہنے، سیخوں میں پروئے گرم گرم تکے اور ڈھیر ساری آئسکریم لے آیا۔

سامنے کے صوفے پر پہلے شاہد اور پھر دلاور خان بیٹھے تھے۔دلاور خان کے قریب دائیں طرف والے صوفے پر دلآرام بیٹھی تھی۔بیرے میں ٹرالی شاہد اور دلاور خان کے آگے لگائی۔

دلاور خان نے ایک بول، چمچ اور نیپکن اپنے بائیں شاہد کو پکڑائے۔

شاہد نے اپنے سامنے رکھ لئے۔

"اپنے سامنے نہیں رکھو۔ادھر دیدو"۔اس نے دلآرام کی طرف اشارہ کیا۔

اور شاہد نے گہری سانس لی۔دلآرام کے نزدیک خود بیٹھا تھا اور بول اسکے ہاتھوں دلوا رہا تھا۔

دلآرام اپنی مسکراہٹ روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

"یہ آئسکریم بھی دو"۔اس نے ڈش شاہد کو پکڑائی۔

اور۔۔۔ پھر یوں ہی ہونے لگا۔

دلاور خان چیز شاہد کو دیتا اور شاہد اسے دلاور خان کے آگے سے گزار کر دلآرام کو پاس کرتا۔

"بائے دا وے مسٹر! تم خود کیوں نہیں دیتے"۔شاہد نے آخر پوچھ ہی لیا۔

"شرم آتی ہے"۔

نہ چاہتے ہوئے بھی دلآرام ہنس دی۔

"واہ۔تم جیسا بے شرم تو میں نے آج تک دیکھا نہیں تھا..."

"آج تک نہیں دیکھا تھا نا بس اب"۔اس نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔"ایک بجے سے



سمجھو میں شرم دار ہو گیا ہوں"۔

"شرم دار نہیں شرمیلا"۔

"او کے شرمیلا"۔

شاہد کا دھیان اچانک دلآرام کی طرف گیا۔وہ دونوں تو باتیں کر رہے تھے مگر اسے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔

"بہن آپ بھی کچھ بولیں نا ورنہ اگر آپ دلاور خان کا انتظار کرینگی کہ یہ خاموش ہوگا اور آپ بات کرینگی تو یہ دل سے نکال دیں۔یہ تو بولتا ہی جائیگا"۔

اور دلآرام مسکرا دی۔بولتا خود جا رہا تھا اور الزام دلاور خان کو دے رہا تھا۔

"میں۔۔۔ میں زیادہ بول رہا ہوں؟"

"اور کیا؟" شاہد ہنس دیا۔

"زبان تمہاری بے تکان چل رہی ہے اور نام میرا لے رہے ہو۔میں تو شرمیلا ہوں"۔

اور شاہد اور دلآرام ہنس دیئے۔

تینوں گپ شپ کے دوران آئس کریم اور پھر تکے کھانے لگے۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

ملازم تھا۔اندر آ گیا۔

"چھوٹے سرکار۔آپکو کچھ لوگ ملنے آئے ہیں"۔

دلاور خان اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو"۔وہ شاہد سے بولا۔

"تم جاؤ میں بہن سے باتیں کرونگا"۔

"نہیں۔۔۔ میرے سامنے اور مجھ سے پہلے جاؤ۔مجھے پتہ ہے بعد میں بیٹھ کر میری شکایتیں کرو گے"۔

"بالکل نہیں کرونگا"۔

"اٹھو"۔دلاور خان نے اسے ہاتھ سے پکڑا۔

اور دونوں چل دیئے۔

دلآرام بھی اٹھ آئی۔کیا کرتی اکیلی۔آہستہ آہستہ ان کے پیچھے آنے لگی۔

''یار میں کیا کرونگا وہاں''۔شاہداب بھی احتجاج کرر ہا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے میری طبیعت کا میں تمہیں پیچھے اسکے ساتھ اکیلا نہیں چھوڑونگا''۔

''کیوں؟''

''بس۔۔۔میری چیز صرف میری ہے''۔

''اوہ۔۔۔تو صاف صاف کہہ دیتے''۔

''میں اسکے سامنے کہتا''۔

''ہاں۔۔۔شرمیلے بھی تو ہو''۔

''اور مجھے خبردار جو شرمیلا کہا''۔

''کیوں؟''

''میں کوئی لڑکی ہوں''۔

''تم نے خود کہا تھا شرم دار ہوں''۔

''شرم دار کہا تھا نا شرمیلا تو نہیں کہا تھا''۔

''اچھا دونوں میں فرق ہے''۔

''ہاں''۔

''اوکے سر!''

''چلو اب۔''

وہ جلدی جلدی باقی کی سیڑھیاں اترنے لگے۔

اور دلآرام اب بھی سیڑھیوں کی لینڈنگ پر کھڑی ان کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔

''بس۔۔۔میری چیز صرف میری ہے''۔اسکے کانوں میں رس گھول رہا تھا۔

وہ سارا دن خوش خوش رہی۔

لنچ پر بھی جہاں دلاور خان بھی موجود تھا۔



اور۔۔۔اسکے بعد بھی ساری شام جب دلاور خان اپنے دوستوں سے عید ملنے گیا ہوا تھا۔

رات کھانے کے بعد بابا جان کا ڈرائیور اسے اور ماما کو گھر چھوڑ گیا۔

رات کے کپڑے بدل کر وہ بستر پر لیٹی تو کافی دیر تک سارے دن کے واقعات اور شاہد اور دلاور خان کی باتیں کانوں میں گونجتی رہیں۔

جانے کس پہر اسے نیند آ گئی۔

دن تیزی سے گزر رہے تھے۔ گرمی میں اب وہ دم خم نہیں رہا تھا۔ پتے شاخوں سے جھڑ جھڑ کر بکھر رہے تھے۔ قمریاں جانے کہاں چلی گئی تھیں!

دلاور خان اپنے شاندار آفس میں بیٹھا ضروری کام نمٹا رہا تھا۔ میز پر رکھے خوبصورت گلدان میں موسمی پھول مہک رہے تھے۔

معاً ـــ طوفان باد و باراں کی طرح شاہد آنازل ہوا۔

"خیریت؟" دلاور خان نے اپنے سامنے رکھی کھلی فائل بند کر دی۔

اب کیا فائل؟ اور کہاں کا کام؟ وہ کام کرنے تھوڑی دیتا تھا۔ اور آج اسکی آمد بھی ذرا زیادہ ہی زور و شور سے ہوئی تھی۔

"نہیں یار خیریت کہاں"۔ وہ واقعی پریشان تھا۔

"کیا مطلب؟"

"میری منگنی ہو رہی ہے"۔

اور دلاور خان نے گہری سانس لی۔

"اسلئے بدحواس ہو"۔

"ہاں"۔

"پر کیوں؟ لڑکی کسی چڑیل وغیرہ کے خاندان سے ہے"۔

"نہیں ایسا نہیں ہے"۔

"پھر؟"

"یار میں منگنی پر پریپئیر نہیں ہوں"۔

"تو ہو جاؤ۔ یہ تو ایک دن ہونی ہوتی ہے"۔



"بہت جلد ہو رہی ہے نا"۔

"تو ہونے دو"۔

"آنیوالی جمعرات کو ہو رہی ہے"۔

"اس سے بہتر دن اور کیا ہوگا"۔

"باجی کی دوست ڈاکٹر سائرہ کی چھوٹی بہن ہے"۔

'شاہد کی باجی بھی گائناکولوجسٹ تھیں'۔

"تو اچھی بات ہے نا ـــ باجی تمہارا بھلا ہی چاہتی ہونگی"۔

"تو ـــ کرلوں؟"

"ہاں"۔

"ضرور؟"

"کیوں نہیں"

شاہد نے گہری تھکی سانس لی۔

"اچھا اگر تم کہتے ہو تو یہی سہی۔ ذرا پانی دو"۔

دلاور خان نے پانی گلاس میں ڈال کر دیا۔

شاہد غٹاغٹ پی گیا۔

"دل میں خوب خوش ہے اوپر سے نخرے کرتا ہے"۔

"نہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں واقعی ڈرا ہوا ہوں"۔

"کس سے؟ اس لڑکی سے؟"

"ہاں"۔

"بس کرو نا۔ کسی اور کو بے وقوف بناؤ۔ میں تو ویسے بھی تمہاری باتوں میں آنیوالا نہیں"۔

"اچھا سنو۔ میری منگنی ہو رہی ہے۔ باجی کی کلاس فیلو ڈاکٹر سائرہ کی چھوٹی بہن نعیمہ سے۔ اور جمعرات کو ہو رہی ہے اور تم نے اور انکل نے آنا ہے۔ ٹھیک ہے"۔

"بالکل ٹھیک"۔ دلاور خان نے کہا۔

''اور دلآرام سے بھی کہہ دینا کہ بمعہ اپنی باڈی گارڈ ماما کے آجائے''۔

''بابا جان کہہ دینگے''۔

''تمہارے کیا منہ میں زبان نہیں''۔

''یار عرصہ ہوا ڈائریکٹ بات نہیں ہوئی۔اور تمہیں پتہ ہے میں شرم دار قسم کا آدمی ہوں''۔

''ہاں وہ تو مجھے سب معلوم ہے''۔

''ویسے تم نے لڑکی دیکھی بھی ہے''۔

''ہاں اپنی بہن کیساتھ باجی کے کلینک میں آئی تھی۔ میں باجی کو پک کرنے گیا تھا وہیں دیکھا تھا''۔

''کیسی ہے؟''

''اچھی ہے۔تمہاری دلآرام جیسی تو خیر نہیں ہوسکتی مگر Average ہے''۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ میری دلآرام ہے''۔

''تمہاری کون سی حرکت مجھ سے چھپی ہے۔ہاں نازیہ ملی تھی کل''۔

''ہوں''۔

''کچھ گلے شکوے کر رہی تھی۔ کہ اب تم اس سے اس گرمجوشی سے نہیں ملتے جیسے پہلے تھے بلکہ اب کئی کئی دن اسے صورت بھی نہیں دکھاتے۔مصروفیت کے بہانے کرتے ہو۔ بڑی باتیں کر رہی تھی۔ کہتی تھی وہ اپنی خالہ کے بلانے پر پاکستان آئی تھی۔ کچھ جائیداد وغیرہ کا مسئلہ تھا۔اسکے علاوہ اسکی ماں چاہتی تھی کہ اسکی شادی تم سے ہو جائے اور نازیہ پاکستان میں سیٹل ہو جائے۔اور اگر تم سے شادی نہ ہوسکی تو جائیداد کا مسئلہ طے ہوتے ہی وہ واپس انگلینڈ چلی جائے۔ وہ کچھ پریشان سی بھی لگ رہی تھی۔ دبی دبی سی۔ وہ طمطراق نہیں تھا جو ہمیشہ ہوتا تھا...''

''اچھا۔ مجھے اس نے یہ سب کبھی نہیں بتایا''۔

''تمہارے ساتھ پیار محبت سے فرصت نہیں ملتی ہوگی''۔

''شاید''۔

''اچھا تم سناؤ وہ جو عید کے بعد انکل چند دن کے لئے دلآرام کیلئے کہیں جانے کا پروگرام



بنا رہے تھے وہ کس مرحلے میں ہے؟''

کیونکہ گرمی تو ختم ہو چکی تھی۔خزاں بھی اختتام پر تھا۔

''دراصل انہیں دنوں تمہیں معلوم ہے بابا جان جاپان چلے گئے تھے۔ بزنس کونفرنس اٹینڈ کرنے۔ بعد میں آج اور کل کرتے رہے۔اصل میں انہیں اتنی فرصت نہیں ملتی اور...''

''تم سے کہہ نہیں سکتے کہ شیر اور بکری اکٹھے کیسے ہونگے''۔

''ہاں شاید یہی مسئلہ ہے''۔

''تو لے چلو کوئی بہانہ کر کے''۔

''وہی شرم والی بات بیچ میں آجاتی ہے''۔

''میرے ساتھ استادی مت کرونا''۔

''وہ میرے ساتھ جائیگی اکیلی''۔

''ہاں یہ کہونا''۔

تبھی چپڑاسی چائے لے آیا۔

''اوہ۔ میں تمہاری طوفانی آمد میں ایسا الجھا کہ چائے کہنے کا یاد ہی نہیں رہا''۔ دلاور خان بولا۔

''تھینک یو سجاد''۔اب کے اس نے چپڑاسی سے کہا۔

''یہ میں نے منگوائی تھی آتے آتے۔ تھینکس مجھے کہو''۔

چپڑاسی خالی ٹرے لئے واپس چلا گیا۔

دونوں چائے پینے لگے۔

''اچھا۔۔۔تو منگنی ہے تمہاری''۔

''ہاں''۔

''خوش ہو''۔

''ہاں یار''۔

''پھر یہ آتے ہی ناٹک کیوں کر رہے تھے''۔

"اب اتنا بھی نہ کرنا"۔

"میں تو بالکل نہیں کرونگا"۔

"تم تو تم ہو۔ دو دو کشتیوں میں پاؤں رکھے ہوئے ہو مزے سے"۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی نازیہ مجبور کرتی رہی ملنے پر۔ بعد میں میں نے خو کردیا ملنا اور عید کے بعد سے تو وہ بہت مجبور کرتی ہے تو مل لیتا ہوں۔ اب وہ بات بالکل نہیں رہی

"کیوں مجبور ہوتے ہو۔ وہ اچھی لڑکی بھی نہیں"۔

"تم سے زیادہ مجھے معلوم ہے کہ وہ کیسی لڑکی ہے۔ مگر بار بار ایک بندہ کہتا جائے بہا بہانے بلاتا جائے، پہلے کی میل جول بھی ہو تو جانا پڑتا ہے ورنہ یقین کرو دل بالکل نہیں کرتا۔ بس جیسے کوئی ڈیوٹی پر جاتا ہے۔ اب بھی کئی دنوں سے نہیں ملا۔ میں دلآرام کو چیٹ کرنا نہیں چاہتا میری سب کچھ وہی ہے..."

"گڈ۔ ویل سیڈ۔ اور وہ ڈرنکس اور سگریٹ—— وہ بھی تو دلآرام کو پسند نہیں..."

"ڈرنکس میں کب کرتا ہوں یار۔ وہ کچھ عرصہ قبل ذرا زیادہ پریشان تھا تو۔ وہ بھی نازیہ کر تھی تو کر لیتا تھا۔ اب نہیں پیوں گا۔ پرومس کیا ہے اپنے ساتھ۔ سگریٹ بھی کم کردیئے ہیں"۔

"کوئی اچھی بات بھی ہے تم میں؟" شاہد مسکراتے ہوئے بولا۔

"نہیں"۔

"پھر لڑکیاں کیوں تمہاری طرف اٹریکٹ ہوتی ہیں"۔

وہ مسکرادیا۔ دلآویزی سے۔

"کہاں اٹریکٹ ہوتی ہیں"۔

"گنوانا چاہتے ہو؟"

"نہیں"

"دلآرام آج کل کیا کررہی ہے؟"

"مکھیاں ماررہی ہے"

"یعنی فارغ بیٹھی ہے۔ آگے ایڈمشن نہیں لیا؟"



"بقول باباجان بس اتنا کافی ہے"۔

"اور وہ مان گئی؟"

"وہ تو His master's voice ہے۔ جو باباجان کے منہ سے نکلا۔ ہاں کہہ دی"۔

"واہ—— بہو ہو تو ایسی"۔

"بہو"۔ دلاور خان مسکرادیا۔ "عجیب سا لگتا ہے"۔

"آج عجیب لگ رہا ہے جب گھر لے آؤ گے پھر عجیب نہیں لگے گا"۔

اور دلاور خان خالی کپ میز پر رکھ کر دو پل کو جیسے سوچ میں پڑ گیا۔

"یار شاہد۔ دلآرام کو میں اپنی ان آنکھوں سے ایک غیر لڑکے کیساتھ دیکھ چکا ہوں۔ بہت دل کو تسلی دیتا ہوں مگر یہ بات دل سے نہیں نکلتی کیا کروں؟"

واقعی اسکا بھی قصور نہیں تھا۔ دلآرام کو تو وہ صرف اپنا سمجھتا تھا۔ کسی اور آدمی کا اسکے ساتھ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ پتہ نہیں یہ سب دیکھ کیسے لیا تھا۔ اس وقت بھی پاگل ہو رہا تھا بالکل۔ نازیہ نے ہی اسے سمجھایا بجھایا تھا۔ کول ڈاؤن کیا تھا۔

"میں خود بھی حیران ہوں۔ یقین نہیں آتا کہ دلآرام ایسا کرسکتی ہے۔ لگتی بھی نہیں ایسی۔ پہلی نظر میں ہی لڑکی کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ کہ وہ کس قسم کی ہے۔ دلآرام میں تو اتنے Guts ہیں ہی نہیں۔ لیکن تم کہتے ہو کہ تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کبھی سوچتا ہوں تمہیں دھوکہ تو نہیں ہوا؟"

بس صرف اسی بات سے دل کو تسلی دیتا ہوں کہ ہوسکتا ہے مجھے دھوکہ ہوا ہو۔ کیونکہ دلآرام نے بھی کہا تھا کہ وہ کسی سے نہیں ملی۔ یہی سب سوچ کر بات ذہن سے جھٹک دیتا ہوں ورنہ..."

"وہ ایسی نہیں ہے۔ سوچو ہی نہیں۔ وہ درحقیقت ایک شریف لڑکی ہے"۔

"اچھا تم تسلی دے دیتے ہو ورنہ ایسے تو میں سوچ سوچ کر ہی... "Because —— I

"really love her."

شاہد کو خوشی ہوئی۔ وہ اسے کچھ تو مطمئن کرسکا تھا۔

"بات تو بیچاری سے کرتے نہیں ہو"۔

''کچھ تو سزا ملنی چاہیے نا''۔

شاہد ہنس دیا۔

''ویسے یہ سزا ہے بہت دلچسپ۔ ان ڈائریکٹ باتیں کرنا۔ کبھی درمیان میں انٹر پر یٹر بٹھا دینا یعنی بچارا شاہد...''

دلاور خان ہنس دیا۔ خوبصورتی سے۔

''ویسے یہ سزا کب تک چلے گی؟'' شاہد پھر بولا۔

''جب تک چل سکتی ہے''۔

''ہو بہت ہوشیار۔ سمجھتے ہو کہ انکل کو وہ پسند ہے۔ ایک نہ ایک دن اسے لے ہی آئینگے گھر۔ اسی لئے مطمئن ہو کر بیٹھے ہو''۔

وہ ہنسنے لگا۔

''بالکل یہی بات ہے۔ میں واقعی مطمئن ہو کر بات کو ڈھیل دے رہا ہوں''۔

''لیکن اسکا تو دل چاہتا ہوگا نا کہ تم اس سے بات کرو''۔

''نہیں تھوڑی بہت سزا ملنی چاہیے اسے''۔

''بڑے پتھر دل ہو۔ اتنی معصوم لڑکی کو ایک عرصہ سے تنگ کر رہے ہو''۔

''تم اسکی سائیڈ مت لیا کرو''۔

''کیوں؟''

''میں جیلس ہونے لگتا ہوں''۔

اور شاہد نے گہری سانس لی۔ نظریں اوپر اٹھائیں۔

''یا اللہ اس آدمی کو نیک نصیحت فرما اور۔ اچھے برے کی پہچان عطا فرما آمین''۔

''یا اللہ اس آدمی کو جلدی میرے آفس سے نکال اور مجھے بھی ساتھ میں نکال''۔

اٹھتے ہوئے اس نے بریف کیس اٹھا لیا۔

''کہاں؟'' وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلتے ہیں۔ فیکٹری کا ایک چکر لگاتے ہیں پھر گھر چلتے ہیں''۔



''چلو''۔

دونوں نیچے آ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

گلابی جاڑوں کی گلابی شام تھی۔ دن چھوٹے راتیں لمبی ہوگئی تھیں۔ ادھر دن نکلا ادھر شام اتر آئی۔

پانچ بج رہے تھے۔ کیا ہریالے کھیت کیا سرمئی پہاڑ سبھی ڈھلتے سورج کا سیندور چرائے لئے جارہے تھے!

سردی گھر آئی تھی۔ ماما نے کمروں اور لاؤنج میں ہیٹر آن کردیئے تھے۔ گھر کا ماحول کوزی ہورہا تھا۔

دلآرام کوٹھی کے پیچھے دور تک جوگنگ کرتی ابھی ابھی گھر میں داخل ہوئی تھی۔

"آگئیں بیٹی"۔ ماماٹی وی دیکھتے ہوئے بولیں۔ "دوبار بڑے صاحب کا فون آچکا ہے۔ تمہیں پوچھ رہے تھے۔ کہتے تھے وہ آجائے تو کہہ دینا ہمیں فون کردے"۔

"ٹھیک ہے کرتی ہوں جاکے"۔

جوگرز وہیں اتار کر وہ اپنے کمرے میں گئی۔ نمبر ڈائیل کئے۔ اور ـــــ

باباجان سے باتیں کرنے لگی۔

"بیٹی کافی دنوں سے بلکہ کافی عرصہ سوچ رہے تھے کہ اس مصروفیت سے دو چار دن نکال کر کہیں جایا جائے۔ جہاں نہ بزنس ہو نہ بزنس کا ذکر۔ سکون ہو بس۔ تو کیا خیال ہے کب چلیں؟"

وہ سن سن کر خوش ہورہی تھی۔

"باباجان کل۔ کل ہی چلتے ہیں"۔ وہ بچوں کی طرح مسرور ہورہی تھی۔

باباجان اسکی ایکسائٹمنٹ پر دھیرے سے مسکرا دیئے۔

"بس جیسے تم کہو۔ تیاری کرو۔ ہم، تم اور دلاور خان کل صبح یہاں سے نو بجے روانہ ہونگے۔ ہمیں معلوم تھا تم کل ہی جانے کا کہو گی اسلئے ہم اور دلاور خان بھی پہلی پر چپیر ڈتے"



"So nice of you Baba Jan۔ تھینک یو باباجان"۔

"بس بیٹا۔ تم خوش ہو تو ہم بھی خوش ہیں۔ جاؤ اب تیاری کرو"۔

"خداحافظ باباجان"۔

"خداحافظ۔"

اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

دلآرام خوش خوش ماما کے پاس آئی۔

"ماما کل باباجان نے دو تین دن کیلئے کہیں باہر جانے کا پروگرام بنایا ہے مجھے بھی ساتھ لے جائینگے"۔

"اچھا ہے نا بیٹا تھوڑا گھوم پھر آؤ گی تو دھیان بھی بٹ جائیگا"۔

"ماما جاکے تیاری کرتی ہوں"۔

"درزی سے نیا جوڑا سل کر آگیا نا"۔

"ہاں۔ آج ہی آیا ہے"۔

"وہ ساتھ لیتی جانا"۔ گرم کپڑے تھے اور خوبصورت بھی۔

"اچھا ماما"۔

وہ اپنے کمرے میں چلدی۔

تین دن کیلئے سوٹ کیس میں کپڑے رکھے ساتھ ہی سویٹرز، جیکٹس، شوز اور باقی چھوٹی چھوٹی چیزیں رکھیں۔

ماما بھی وہیں آگئیں۔ اسے چھوٹی موٹی ضروری چیزیں یاد دلاتی رہیں۔ ساتھ میں ٹھنڈ سے بچنے اور اپنا خیال رکھنے کی تاکید کرتی رہیں۔

پھر دونوں نے لاؤنج میں ہی ٹی وی دیکھتے دیکھتے کھانا کھایا۔

"ماما آج میں جلدی سوؤنگی"۔

"ہاں بیٹا کل جانا بھی ہے"۔

کھانے کے بعد وہ کمرے میں آئی۔ رات کے کپڑے تبدیل کئے۔ اور سونے لگی۔

تبھی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''یس۔کون بول رہا ہے''۔دلآرام نے پوچھا۔

''جو بھی ہوں آپکا خیر خواہ ہوں''۔کسی مرد کی آواز تھی۔

دلآرام ایک پل کو چپ سی رہ گئی۔کچھ گھبرا سی بھی گئی۔

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ''۔

''یہی کہ کل ان لوگوں کیساتھ مت جائیں''۔

وہ خوفزدہ سی ہوگئی۔کون تھا جو دونوں گھروں کی پوری خبر رکھتا تھا۔پھر اپنے آپکو سنبھالا۔

''کیوں؟''

''ان میں سے کوئی بھی آپ کیساتھ Sincere نہیں''۔

کوئی بھی جواب دیئے بنا دلآرام نے فون بند کر دیا۔

لائیٹ آف کر کے وہ بستر پر لیٹ گئی۔سونے کی کوشش کی مگر۔۔۔

شاید اسے زیادہ خوشی راس نہیں آئی تھی۔

بار بار آدمی کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔

کون تھا؟ کون ہو سکتا تھا؟ اس نے زیادہ پوچھا بھی نہیں مبادا وہ اسکی گھبراہٹ سمجھ جائے۔

پہلے بھی ایک لڑکی اسے فون کیا کرتی تھی۔اسکے بعد نازیہ کرتی تھی۔اب یہ آدمی بول رہا تھا۔اور۔۔۔

سب کی باتوں کا ایک ہی متن تھا۔کہ دلاور خان اچھا آدمی نہیں اور اسے اس سے میل جول ترک کر دینا چاہیئے۔

کیا تینوں الگ الگ لوگ تھے؟

وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی۔

کیا بابا جان اور دلاور خان واقعی اس کیساتھ Sincere نہیں تھے؟

لیکن شروع سے لیکر اب تک پہلے دلاور خان نے اب بابا جان بلکہ ان ڈائریکٹلی دلاور خان نے بھی کوئی ایسی بات یا حرکت نہیں کی کہ ان دونوں پر شک کیا جائے۔بلکہ وہ تو۔۔۔اس پر اس قدر مہربان تھے کہ انکے خلوص پر شک کرتے ہوئے بھی اسے ندامت ہو رہی تھی۔



وہ دونوں تو اسکے محسن تھے۔آج تک اگر وہ زندہ تھی اور زندگی گزار رہی تھی صرف انہی کی وجہ سے۔

پھر۔۔۔کیسے وہ انکی سچائی پر شک کرے؟

یہی سب سوچتے جانے کس پل اسے نیند آ گئی۔

صبح اسکی آنکھ جلدی کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی اسے رات والا فون یاد آ گیا۔ طبیعت پھر مکدر ہو گئی مگر جلد ہی یہ کیفیت جاتی رہی۔ صبح کی روشنی میں جانے کیا تھا ہمیشہ اس کیلئے حوصلے اور ہمت کا پیغام لاتی تھی۔

وہ اپنے آپکو تسلی دیتے ہوئے اٹھی۔ گرم پانی سے نہائی۔ نماز پڑھی۔ اپنی پریشانیوں سے نجات کیلئے خدا کے حضور دعا مانگی۔ اور ــــ

اب وہ ہلکے ذہن کیساتھ تیار ہو رہی تھی۔

مسٹرڈ کلر پلین گرم کپڑے پہنے۔ ہمرنگ پرنٹڈ شال کندھے پر لی۔ شال سے ہی ملتے جلتے لیدر شوز پہنے۔ اپنے بہت خوبصورت بالوں میں برش کیا۔ اور ــــ

اپنے بیڈروم میں ہی ماما کا لگایا ناشتہ کرنے لگی۔

ٹھیک آٹھ بجے دلاور خان کی سیاہ مرسیڈیز اسے لینے آ گئی۔

وہ رات بابا جان نے جو جانے کی خبر سنائی تھی وہ خوشی تو واقعی کم پڑ گئی تھی مگر جانے کیا بات تھی دلاور خان کی گاڑی دیکھتے ہی اسکا معصوم دل مزید مرجھا گیا۔ اگر ــــ

وہ اچھا ہوتا۔ ثابت قدم ہوتا۔ تو آج کسی کی کیا مجال تھی کہ دونوں کے درمیان پھوٹ ڈالتا!

پھوٹ ڈالنے کیلئے راستہ تو دلاور خان نے دیا تھا نا!

بہر حال ڈرائیور نے اس کا سامان پیچھے بوٹ میں رکھا اور وہ اپنا ہینڈ بیگ کندھے سے لٹکاتی پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی۔

''بیٹی اپنا خیال رکھنا''۔ ماما اسکے قریب کھڑکی میں بولیں۔

''جی ماما''۔

''پیسے وغیرہ تو کافی رکھ لئے ہیں نا''۔ اب وہی تو اسکی بڑی تھیں، انہوں نے مزید پوچھا۔



''جی ماما''۔

''اچھا بیٹے''۔ ڈرائیور گاڑی سٹارٹ کرنیوالا تھا۔

''ماما کوئی خاص چیز تو نہیں چاہیئے''۔ دلآرام نے پوچھا۔

''بس بیٹا شال لیتی آنا''۔

''وہ تو میں لاؤنگی''۔ یہ تو رات کو بھی ماما نے کہا تھا۔

''اسکے علاوہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو''۔

''نا بیٹا خدا تمھیں زندگی دے۔ بس تم خیریت سے لوٹ آؤ یہی سب کچھ ہے میرے لئے''۔

''اچھا خدا حافظ''۔

''خدا حافظ۔ پہنچ کر فون کر دینا''۔

اور گاڑی روانہ ہو گئی۔

دلدار خان کے یہاں پہنچتے پہنچتے دلاور خان کیلئے ایک بار پھر اسکے دل میں گلے شکوے ابھر آئے۔

بس دل یہی کہتا۔ وہ ٹھیک ہوتا تو سب ٹھیک ہوتا۔

پھر کسی کی مجال تھی بیچ میں بولنے کی؟ اور۔

وہ بھی اچھا کرا جواب دیتی ایسے لوگوں کو مگر ــــ

کیا کرے دلاور خان کا کہ ...

گاڑی کار پورٹ میں آ کر رک گئی۔

ڈرائیور نے اس کیلئے دروازہ کھولا۔ اور وہ گاڑی سے نکل کر برآمدے میں آ گئی۔

بابا جان کے پی اے جبار نے اسے اندر پہنچایا۔

وہ لاؤنج میں بیٹھی ہی تھی کہ بابا جان آ گئے۔

''تم بیٹھو بیٹا ہم بس ابھی تیار ہو کر آتے ہیں۔ تم نے ناشتہ کیا ہے؟''

''جی بابا جان''۔

''اچھا ایک کپ چائے ہی پی لو ہم بس جلدی تیار ہوتے ہیں''۔

"آپ جائیں بابا جان میں پی لونگی چائے"۔

وہ چلدیئے۔

اس نے کھڑکی میں سے دیکھا۔ ڈرائیور سامان گاڑی میں رکھوا رہا تھا۔ دلاور خان کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید تیار ہو رہا تھا اپنے کمرے میں۔

تبھی بیرا چھوٹی سی ٹرے میں گرم گرم چوکلیٹ اور بسکٹ لے آیا۔

اور۔۔۔ وہ سمجھ گئی یہ دلاور خان نے بھجوایا تھا۔ اسکی یہ پسند یہاں صرف اسے معلوم تھی۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔ اس نے پسند بھی کیا تھا تو کس نرالی چیز کو!

وہ گھونٹ گھونٹ کر کے چوکلیٹ پینے لگی۔ بہت مزے کی بنی تھی۔

تبھی۔۔۔ ایک معمر ملازم اجازت لیکر لاؤنج میں آ گیا۔ کچھ ڈھونڈ رہا تھا ادھر ادھر۔ شاید بابا جان کی کوئی ضروری چیز یا پھر دلاور خان کی جو اس نے ساتھ لے جانی تھی۔

معاً بھاری قدموں کی چھاپ سنائی دی اور۔۔۔ دلاور خان لاؤنج میں آ گیا۔

"گڈ مورننگ بابا"۔ دلاور خان نے معمر ملازم کو اپنی طرف دیکھتے پا کر مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولا۔

بابا حیران سے ہوئے۔ چھوٹے سرکار اسے یہ کیا کہہ رہے تھے بہرحال۔

"گڈ مارننگ چھوٹے سرکار"۔ جبکہ وہ صبح چھوٹے سرکار سے مل چکا تھا سلام کر چکا تھا۔

بابا کو شاید مطلوبہ چیز نہ مل سکی تھی۔ خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔

دلآرام اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ اب تک اپنی بات پر قائم تھا۔ اس سے ان ڈائریکٹ باتیں کر رہا تھا!

"بابا۔ کیسے ہیں آپ؟" وہ کھڑکی کی طرف رخ کیے بولا۔

اور دلآرام کا دل چاہا اپنے سامنے رکھا مگ اٹھا کر اسے دے مارے۔

"بابا۔ چوکلیٹ پسند آئی۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی"۔ وہ اب بھی رخ باہر کی طرف کیے تھا۔

"بابا بولتے کیوں نہیں؟ بہت ناراض ہیں شاید"۔ وہ رخ دلآرام کی طرف کرتے ہوئے بولا۔



دلآرام کے خوبصورت ہونٹوں پر سحر انگیز مسکراہٹ تھی۔

"کسی کی جان جائے آپکی ادا ٹھہری"۔

وہ اسے سرتاپا دیکھ رہا تھا۔ اس سادہ اور ڈیسنٹ لباس میں وہ کس قدر چارمنگ لگ رہی تھی۔

اسے اپنی پسند پر رشک آنے لگا۔ یہ پسند صرف اسی کی ہو سکتی تھی!

دفعتاً ملازم آ گیا۔

"چھوٹے مالک۔ بڑے صاحب یاد فرما رہے ہیں"۔

"او کے"۔

اور وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا وہاں سے چلدیا۔

آسمان ابر آلود تھا دھوپ ٹھٹھرتی کانپتی۔ قد آور درخت ہوا میں جھوم رہے تھے اور۔۔۔ تاحد نگاہ پھیلی سرسوں نظروں کو بھلی لگ رہی تھی۔

وہ لوگ سیاہ مرسیڈیز میں بیٹھے کولتار کی سیاہ بل کھاتی سڑک پر اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ پورے پانچ گھنٹے کا راستہ تھا۔ سب اطمینان سے بیٹھے تھے۔

دلآرام اور بابا جان درمیانی سیٹ پر۔ دلاور خان آگے ڈرائیور کیساتھ اور بابا جان کا پی اے پچھلی سیٹ پر۔

راستے میں وہ لوگ روسٹڈ پی نٹس اور چوکلٹس وغیرہ کھاتے جا رہے تھے۔ ساتھ ہی میں دلچسپ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔

دلاور خان بیچارا پریشان تھا کیونکہ بابا جان کے سامنے ان ڈائریکٹ باتیں بھی نہیں ہو سکتی تھیں۔ کبھی کبھی البتہ بابا جان کی نظریں بچا کر وہ دلآرام کی آنکھوں میں غور سے جھانک لیتا۔ جس پر۔ سرخ ہوتے ہوئے وہ گھبرا کر باہر دیکھنے لگتی۔

اور۔۔۔ ایسے میں اسے رات والا ٹیلی فون یاد آ گیا۔ وہ پریشان، خفا اور پھر غصہ ہو گئی۔

اسے پھر خیال آیا اگر دلاور خان ٹھیک ہوتا، ثابت قدم ہوتا تو کیوں کوئی پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا؟

وہ خفا خفا سی سامنے دیکھ رہی تھی۔

دلاور خان نے ایک بار پھر نظروں کا سہارا لیا۔غور سے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

نظروں میں محبت،اپنائیت،شوخی،شرارت اور جانے کیا کیا تھا مگر ——

دلآرام کو پھولا پھولا منہ اور خفا خفا نظریں دیکھ کر چونکا۔

پھر کیا ہو گیا تھا اسے؟ وہ سوچے بنا نہ رہ سکا!

دوپہر کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔سامنے شہر کے آثار بھی نظر آ رہے تھے۔

''دلاور بیٹا۔لنچ کا ٹائم ہو رہا ہے۔کوئی اچھی سی جگہ دیکھکر گاڑی روک لو''۔

''جی بابا جان''۔

چند موڑ مڑنے کے بعد انہوں نے گاڑی ایک عمدہ ہوٹیل کے اندر لیجا کر پارک کر لی۔

تینوں نے اپنی اپنی پسند کا کھانا آرڈر کیا۔

کھانے کے دوران دلآرام نے محسوس کیا دلاور خان بھی چپ چپ سا تھا۔

وہ پھر پسیج گئی۔کیا کرتی اچھا بھی تو لگتا تھا!

اور —— اب کے جو دلاور خان کی نظریں اس کی طرف اٹھیں،دلآرام کی نظروں میں کوئی ناراضگی کوئی خفگی نہیں تھی۔اور ——

دلآرام نے صاف نوٹ کیا۔

دلاور خان ریلیکس لگنے لگا تھا۔خوش نظر آنے لگا تھا۔ذہن پر کا بوجھ جیسے چھٹ گیا تھا۔

وہ دوبارہ گاڑی میں بیٹھے تو وہ خوش خوش بابا جان سے باتیں کر رہا تھا۔

بابا جان نے نوٹ کیا وہ دلآرام سے بات نہیں کر رہا تھا۔ضروری بات بھی نہیں۔کرٹسی کیلئے بھی نہیں۔کوئی نوٹ کریگا اس خیال سے بھی نہیں۔

وہ دھیرے سے مسکرا دیئے۔اس عمر میں اور ایسے رشتے میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔خود ہی من جائینگے دونوں۔

شام نیالی ہو رہی تھی۔بازاروں میں روشنیاں جھلملا رہی تھیں،سڑکوں پر گاڑیوں کا سیلاب جگمگا رہا تھا،رونق ہی رونق زندگی ہی زندگی تھی!



وہ لوگ قدرے اور آگے بڑھے۔اور پھر ——

ڈرائیور نے گاڑی ہوٹیل میریٹ کی پارکنگ میں پارک کر دی۔

بابا جان نے سب کیلئے الگ الگ کمرہ بک کروایا تھا۔

وہ لوگ لفٹ سے تیسری منزل پر گئے۔

ایک طرف بابا جان دوسری طرف دلاور خان اور درمیان میں دلآرام کا کمرہ تھا۔

چاق وچوبند بیروں نے سب کے سامان لگا دیئے۔

دلآرام نے گرم پانی کا شاور لیا۔

اوشن گرین پلین شلوار کیساتھ پرنٹڈ شرٹ اور شال لی۔بال برش کئے اور کھڑکی کے قریب گی آرام دہ کشنڈ چیئر پر بیٹھ گئی۔

تبھی بیرا چائے لے آیا۔

دلآرام نے ایک کپ چائے پی۔اور یوں ہی اخبار اٹھا کر سرخیوں پر نظریں دوڑانے لگی۔

بیرا دوبارہ آیا خالی برتن لیکر چلا گیا۔

وہ بہت سویرے جاگی تھی۔اس کے بعد لمبا راستہ سفر کیا تھا۔آرام کرنیکا موقع بالکل نہیں ملا تھا۔سو ——

اخبار پڑھتے پڑھتے ہی غنودگی نے آلیا۔

رات کے نو بج چکے تھے۔دلاور خان بابا جان کے کمرے میں بیٹھا تھا۔دونوں ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔

''بیٹا اب ڈنر کر لینا چاہیئے۔تھکے ہوئے ہیں سونا چاہیئے۔دلآرام سے بھی کہو۔نیچے ڈائیننگ ہال میں چلیں گے''۔

''جی بابا جان''۔

اور دلاور خان نے باہر آ کر ایک بیرے کو بلایا اور دلآرام کو بابا جان کے کمرے میں آنے کا کہنے اسکے کمرے میں بھیج دیا۔

خود کوریڈور میں کھڑا انتظار کرتا رہا۔

"تھوڑی ہی دیر میں بیرا واپس آ گیا۔

"سر! وہاں سے کوئی جواب نہیں آ رہا"۔

دلاور خان شش و پنج میں پڑ گیا۔ آہستہ آہستہ خود چلا گیا۔

دستک دی دروازے پر۔ اب بھی کوئی جواب نہیں ملا۔

دروازہ کھلا تھا۔ اس نے تھوڑا سا کھول کر دیکھا۔

دلآرام کے حسین چہرے پر گھنے بال بکھر آئے تھے۔ اخبار نیچے گرا تھا اور وہ چیئر پر بے خبر پڑی——سو رہی تھی۔

چند پل وہ یوں ہی کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

قدرت نے بھی کیسے کیسے شاہکار تخلیق کئے تھے۔ دلآرام کو دیکھ کر اسے بارہا خیال آیا تھا!

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کرے؟ ڈائریکٹ بات کی پہل۔ نا بابا!

اور تبھی آہٹوں سے دلآرام کی آنکھیں کھل گئیں۔

نیند کے خمار سے بوجھل گرے بلو سرخ آنکھیں گھوم پھر کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔

باپ رے۔ انہی آنکھوں سے تو اس نے مار کھائی تھی!

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

اور——دلاور خان نے کوریڈور میں کھڑے بیرے کو اشارہ کیا۔

"جاگ گئی ہیں۔ اب Knock کرو"۔ خود دروازے سے ہٹ آیا۔

"سر"۔ بیرا کچھ نہ سمجھ سکا۔ پھر بھی——

دلاور خان کو جاتے دیکھتے دیکھتے دلآرام کے کھلے دروازے پر دستک دی۔

"یس"۔ دلآرام ابھی بھی نیند میں تھی کچھ نہیں سمجھی۔

"میڈم روم نمبر 42 میں آپکا انتظار ہو رہا ہے"۔

"او کے آتی ہوں"۔

وہ اٹھی۔ باتھ روم جا کر چہرے پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ کپڑے درست کئے اور بال برش کرتی بابا جان کے کمرے پر آ گئی۔



"ٹھک... ٹھک"۔ اس نے دستک دی۔

"یس"۔ بابا جان کی بھاری آواز تھی۔

وہ آہستہ قدم چلتی اندر آ گئی۔

"سوری بابا جان۔ مجھے پتہ ہی نہیں چلا اور میں سو گئی تھی۔"

"اچھا کیا نا۔ ہم بھی خوب تھکے ہوئے ہیں۔ کھانا کھاتے ہی سوئیں گے"۔ وہ شفقت سے بولے۔

دلاور خان وہیں تھا۔ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اسکی پلکیں گرنے اٹھنے لگیں۔

تینوں لفٹ سے نیچے آ گئے۔

خوبصورت ڈائننگ ہال، قیمتی شینڈلیئرز، نفاست سے سجی ٹیبلز، دیدہ زیب کراکری کٹلری اور یہاں سے وہاں سرو کرتے مؤدب اور مستعد ویٹرز!

وہ لوگ ایک کونے والی ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ تینوں نے چائنیز آرڈر کیا۔

"بیٹا ہم تو صبح دس بجے فرید احمد کے یہاں جائیں گے"۔ بابا جان اپنے دیرینہ دوست کا نام لیتے ہوئے گویا ہوئے۔ "سال پورا ہونے لگا ہے اسے ملے ہوئے۔ گپ شپ کرینگے ذرا۔ اتنا آئے ہیں تو پرانے دوستوں سے ملتے چلیں۔ ہاں تم فارغ ہو۔ تمہارا کام یہ ہوگا کہ دلآرام کو گھماؤ پھراؤ۔ ٹھیک ہے"۔

وہ جان بوجھ کر بھی دونوں کو موقعہ دے رہے تھے کہ ان دونوں کی ناراضگی کافی طول پکڑ گئی تھی۔ اور اب مزید وہ ایسا نہیں چاہتے تھے۔

"جی ٹھیک ہے"۔ وہ فوراً بولا۔ کہ بابا جان کے سامنے اسکی مجال تھی انکار کرنے کی۔

پھر اسکی نظر دلآرام پر پڑی۔ وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

خود کو ایسی نازک سچویشن میں پا کر دلاور خان کے پرکشش ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

کھانا آ چکا تھا۔ وہ تینوں کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

باتیں ہو رہی تھیں۔ زیادہ تر اس علاقے کے متعلق، اس کی قابل دید جگہوں کے بارے میں!

ڈنر کے بعد بابا جان اور دلاور خان نے کوفی پی اور دلآرام نے آئس کریم۔ گو گلہ پہلے سے خراب تھا مگر آئس کریم وہ کبھی Resist نہیں کر سکتی تھی۔

تینوں اوپر چلے آئے۔ اپنے اپنے کمروں میں جانے لگے۔

"دلآرام بیٹا۔ کمرہ اندر سے اچھی طرح بند کر دینا۔ سمجھیں"۔ بابا جان بولے۔

"جی بابا جان"۔

پتہ نہیں کیوں دونوں کی بات پر دلاور خان نے ہنسی بمشکل ضبط کی۔

اور ـــــ دلآرام نے کمرے میں آکر دروازہ لاک کر دیا۔

رات کے کپڑے بدلے۔ لائیٹ آف کی۔ اور نرم و گرم کمبل لیکر سو رہی۔



صبح کے دس گیارہ بج رہے تھے۔ دلدار خان ناشتے کے بعد اپنے دوست کے یہاں چل پڑے تھے۔

دلاور خان ناشتہ کر کے تیار ہو رہا تھا۔ بابا جان نے جو کہا تھا دلآرام کو گھمانے پھرانے۔

دلآرام کا ناشتہ آیا میز پر رکھا تھا۔

دلآرام نے اٹھ کر باتھ روم جانے کی کوشش کی مگر ـــــ

جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ سخت سردی لگ رہی تھی۔ اور مارے نقاہت کے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔

پھر بھی اس نے ہمت کی۔ واش روم گئی۔ ہاتھ منہ دھوئے اور واپس آ کر بستر میں لیٹ گئی۔

شاید اسے بخار ہو گیا تھا۔ کل وہ صبح صبح نہائی تھی اور کافی دیر تک کوئی گرم چیز نہیں پہنی تھی۔ ٹھنڈ لگی تھی کیونکہ گلہ بھی دکھ رہا تھا۔ اس پر رات ڈنر پر آئس کریم!

تبھی ـــــ دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجائیں"۔

اور ـــــ دلاور خان اندر داخل ہوا۔ قیمتی گرے سوٹ میں وہ بہت سٹننگ لگ رہا تھا۔

اس کے پر کشش ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔ اور جن حالات کے تحت آج اسے مجبوراً اپنی انا توڑنی پڑ رہی تھی اس پر کچھ گڑبڑایا سا بھی تھا!

"گڈ مورننگ میڈم"۔ وہ اسکی سرخ سرخ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہیلو"۔ اس نے دھیرے سے کہا۔

دلاور خان نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا۔ پھر چیئر اٹھا کر اسکے قریب لاتے ہوئے بیٹھ گیا۔

"How are you?"

"Fine, thank you."

تبھی دلاور خان کی نظر ناشتے کی ٹرے پر پڑی۔ ویسے کا ویسا پڑا تھا۔

"ناشتہ کیوں نہیں کیا؟"

"ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی"۔

"کیوں؟" وہ بالکل یوں بول رہا تھا جیسے دونوں کے درمیان کوئی ناراضگی تھی ہی نہیں۔

اور پھر اسکے سوا چارہ بھی نہ تھا۔

یہی حال دلآرام کا بھی تھا۔ بالکل نارمل ہو کر بول رہی تھی کہ اگر وہ سدھر گیا تھا تو وہ کیوں خوامخواہ طول دیتی بات کو۔

"پتہ نہیں۔ سارے جسم میں درد ہو رہا ہے۔ سخت سردی لگ رہی ہے..."

دلاور خان نے اسکی نبض پر ہاتھ رکھا۔ نبض تیز چل رہی تھی۔ ماتھا بھی تپ رہا تھا۔

"تمہیں تو بخار ہے"۔

وہ چپ چاپ اسے دیکھے جا رہی تھی۔

وہ مسکرادیا۔ دلآویزی سے۔

"آج تو تم گھومنے پھرنے نہیں جا سکتیں..."

"ہاں۔ میری طبیعت بہت خراب ہے"۔

دلاور خان اٹھا۔ فون پر ہوٹل کے مینیجر کے ذریعے ہوٹل کے ڈاکٹر کو بلوایا۔ اور ــــ

دوبارہ آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"بڑے دنوں بعد حضور بول رہی ہیں۔ یہ رحم کیسے آگیا؟"

وہ دھیرے سے مسکرادی۔ تھکی تھکی سی۔

"بڑے دنوں بعد سرکار بات کر رہے ہیں یہ ترس کیسے آگیا؟"

"بابا جان کا کرم ہے۔ ورنہ جانے کب تک ہم یوں ہی اپنے آپ سے لڑتے رہتے"۔

"آج بھی مت بولتے"۔ اسکے لہجے میں خفگی عود کر آئی۔



"کیسے نہ بولتا۔ میں خدا سے موقعہ مانگ رہا تھا۔ پھر ہاتھ آئے موقعے کو کیوں گنواتا"۔

وہ پھر مسکرادی۔

تبھی ــــ ڈاکٹر آگیا۔

ڈاکٹر نے اسکا چیک اپ کیا، ٹمپریچر لیا۔ وہی ٹھنڈ لگ گئی تھی۔ دوائیاں لکھ کر دیں۔ ساتھ آجکا دن آرام کرنے کو کہا اور چلتا بنا۔

"میں دوائی لیکر آتا ہوں۔ نیچے سٹور سے"۔ دلاور خان بولا۔

وہ اسے اپنائیت سے جاتے دیکھتی رہی۔

اور ــــ وہ تھوڑی دیر میں دوائیاں وغیرہ لئے واپس آگیا۔

دلآرام کیلئے فریش ناشتہ منگوایا۔

پھر ــــ بستر کی پشت سے تکیے لگا کر اسے ان کے سہارے بٹھایا۔

اسکے آگے نیپکن بچھایا۔ بچوں کی طرح اسے زبردستی ناشتہ کرایا۔ دوائیاں کھلائیں اور ــــ

دوبارہ بستر میں لٹاتے ہوئے کمبل اچھی طرح اوڑھا دیئے۔ خود اسکے پاس ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اب ــــ تھوڑی دیر ریسٹ کرو۔ پھر باتیں کرینگے"۔ وہ اپنائیت سے بولا۔

"میں آپ سے خفا ہوں"۔ اسکی طرف کروٹ لیتے ہوئے وہ ہولے سے بولی۔

وہ ہنس دیا۔ خوبصورتی سے۔

"مگر میں پھر بھی تم سے خفا نہیں ہوں"۔

"آپ کیوں خفا ہونگے۔ میں نے کیا کیا ہے"۔

"تم نے کچھ نہیں کیا۔ بس اچھے بچوں کی طرح آنکھیں بند کر کے لیٹ جاؤ۔ بخار اتر جائیگا تو پھر دیکھیں گے"۔

اس نے واقعی آنکھیں موند لیں۔

دلاور خان چند پل یوں ہی بیٹھا اسکے حسین چہرے کو تکتا رہا۔

پھر آہستہ سے دروازہ کھول کر اپنے کمرے میں گیا اور آج کا فریش اخبار اٹھا لایا۔ اپنی جگہ پر بیٹھ کر دھیرے دھیرے صفحات پر نظریں دوڑاتا رہا۔

کافی دیر بعد دلآرام نے آنکھیں کھول دیں۔

دلاور خان نے اخبار تہہ کر کے میز پر رکھ دیا۔

"کیسی طبیعت ہے اب"۔ اس نے اپنائیت سے پوچھا۔

اسے پسینہ آنے لگا تھا۔ بہتر محسوس کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہوں"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"اچھا اب بتاؤ کیوں خفا ہو مجھ سے"۔ وہ اسکے چہرے پر گھر آئے بال آہستہ سے ہٹاتے ہوئے بولا۔

"بس خفا ہوں"۔ کوئی ایک بات تھی جو وہ بتاتی؟

وہ مسکرا دیا۔ ہولے سے۔

"پھر بھی؟"

"بس چپ کریں آپ"۔

اور دلاور خان کا جاندار قہقہہ بلند ہوا۔

"ہنسنے کی بات نہیں ہے۔ ابھی پرسوں رات بھی کسی آدمی نے مجھے فون پر کہا تھا کہ ان لوگوں کیساتھ مت جاؤ۔ ان میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ Sincere نہیں ہے..."

دلاور خان حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"کسی آدمی کا فون تھا؟"

"ہاں"۔

"آدمی کون ہو سکتا ہے...؟"

"اس سے پہلے نازیہ فون کرتی رہی۔"

"کیا؟— وہ کیا کہتی تھی؟" اسے مزید حیرت ہوئی۔

"یہی کہ دلاور اب بھی مجھ سے پیار کرتا ہے۔ تمہاری طرف اگر وہ اٹریکٹ ہوا ہے تو صرف میری ہمشکل ہونے کی وجہ سے۔ اور یہ کہ تم اسکا خیال ذہن سے نکال دو وہ میرا ہے..."

دلاور خان کو غصہ آنے لگا تھا۔



"پھر— تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا جب تک میں خود اسے تمہارے ساتھ نہ دیکھ لوں میں یقین نہیں کرتی"۔

"پھر؟"

"وہ بولی تمہیں ثبوت چاہیے تو کل شام چھ بجے روزز گارڈن والی کیفے میں آ کر دیکھ لینا وہ میرے ساتھ کوفی پی رہا ہوگا"۔

"گوڈ!" دلاور خان اتنا ہی کہہ سکا۔

"پھر میں اگلی شام روزز گارڈن گئی۔ کیفے کی کھڑکی میں سے دیکھا آپ اور نازیہ بیٹھے کوفی پی رہے تھے..." دلآرام کی حسین آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

دلاور خان کو جہاں نازیہ پر غصہ آ رہا تھا وہاں دلآرام کے سامنے نادم بھی تھا اپ سیٹ بھی!

"کچھ دن بعد نازیہ کا پھر فون آیا۔ کہنے لگی۔

"تمہیں شاید پورا بھروسہ تھا دلاور پر کہ وہ صرف تمہارا ہے۔ کل شام کلب آ جانا ہم دونوں ٹینس کھیلنے جائینگے"۔

دلاور خان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

میں اگلے دن ٹینس کورٹ کے پچھلی سائیڈ پر گئی۔ آپ اور نازیہ ریکٹس پکڑے کورٹ میں آئے۔ کھیلنا شروع کیا تو میں واپس آ گئی"۔ دو آنسو لڑھک کر دلآرام کے خوبصورت گالوں پر آ رہے۔

"نہیں پلیز!" دلاور خان نے اسکے آنسو اپنی انگلیوں پر اٹھا لیے۔ "پلیز مجھے معاف کر دو۔ میں مانتا ہوں میں نے تمہارا بہت دل دکھایا ہے۔ میں بہت برا ہوں۔ مگر یقین کر دیہ دونوں بار وہ میرے بار بار انکار کے باوجود مجھ ساتھ لے گئی تھی۔ میں نے بہت منع کیا تھا۔ پلیز دلآرام"۔ اس نے اسکی آنکھوں پر باری باری پیار کیا۔ "میں واقعی برا ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ مجھے معاف کر دو!"

پشیمانی اور ندامت اسکے چہرے سے عیاں تھے۔

"ایکبار پھر نازیہ کا فون آیا"۔ وہ پھر بتانے لگی۔ ایک عرصے کا بوجھ تھا اسکے دل پر۔

"کہنے لگی۔شام چھ بجے دلاور خان اپنی برتھ ڈے میرے ساتھ ہالی ڈے اِن میں سیلیبریٹ کررہا ہے۔دیکھنے آؤ گی؟"

"اوہ لارڈ!" دلاور خان کے منہ سے نکلا۔

دلآرام نے اپنے امڈتے آنسو انگلیوں کی پوروں سے خشک کئے۔

میں نہ چاہتے ہوئے بھی چلی گئی۔ نچلی دکانوں میں شوپنگ کرنے لگی۔ کہ جب آپ لوگ نکلیں گے تو خود ہی نظر آجائینگے۔لیکن آپ دونوں خود اسی دکان میں ہی آگئے۔اس نے آپکے کندھے پر سر رکھا ہوا تھا۔میں ایک ریک کی آڑ میں ہوگئی۔میں نے آپ دونوں کی باتیں بھی سنیں۔اور پھر چپکے سے باہر نکل آئی..."

دلاور خان صوفے سے اٹھ کر اس کے سرہانے اسکے بیڈ پر بیٹھ گیا۔اسکا تھکا تھکا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔اسکے بے ترتیب بال سنوارنے لگا۔

"I'm sorry Dilaram. I'm awfully sorry." پلیز مجھے معاف کردو۔میں نے تمہارا دل بہت دکھایا ہے تم بھی مجھے کچھ کہو۔ڈانٹو،غصہ کرو..."

وہ روتے میں مسکرادی۔اپنی دونوں بانہیں اسکے گرد لپیٹ لیں۔

دلاور خان نے آہستہ سے اپنے ہونٹ اسکے ماتھے پر رکھ دیئے۔

"پتہ نہیں کون ہمیں لڑوانا چاہتا ہے؟ اسکا مقصد کیا ہے؟ ایک فون میرے پاس بھی آیا تھا۔ میں نے تمہیں بتایا بھی تھا کہ ایک لڑکی نے مجھے فون کیا تھا کہ آپ جسے بہت پارسا اور معصوم فرشتہ سمجھ رہے ہیں وہ ایک عام سی لڑکی ہے۔جس دن وہ اپنے بوائے فرینڈ کیساتھ باہر نکلی میں آپکو بتاؤنگی آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے..."

"میں آپکو لگتی ہوں بوائے فرینڈز بنانیوالی؟" اس کی معصوم نظریں دلاور خان پر جمی تھیں۔

وہ مسکرادیا۔خوبصورتی سے۔

"نہیں۔جبھی تو تمہیں آج تک دل سے نکال نہیں سکا—— لیکن کوئی ہے ضرور جو ہم دونوں کو ایک ہونے سے روکنے کی کوشش کررہا ہے... ایک بار پھر اسی لڑکی کا فون آیا تھا کہتی تھی فلاں پارک میں دلآرام اپنے بوائے فرینڈ کیساتھ موجود ہے۔میں اول تو پاگل سا ہونے لگا۔جانے لگا۔



پھر ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچا تو سب فضول لگا۔اور میں دیکھنے نہیں گیا مجھے سرے سے یہ بات ہی غلط لگ رہی تھی۔

پھر تمہیں یاد ہوگا ایک بار میں نے تمہیں فون پر کہا تھا پینٹنگز کی Exhibition ہے تم چلنا میرے ساتھ۔مگر تم نے کہا کہ پرسوں تمہارا ٹیسٹ ہے تیاری کروگی۔اسی دن مجھے پھر اس لڑکی کا فون آیا کہنے لگی پانچ بجے شام اسی پارک میں دیکھنا دلآرام اپنے اسی بوائے فرینڈ کیساتھ ہوگی"۔

اس بار میں خود کو نہ روک سکا۔چلا گیا اس پارک میں۔کچھ فاصلے پر ایک بنچ پر ایک لڑکا لڑکی بیٹھے تھے۔وہ لڑکی بالکل تمہاری طرح تھی۔کپڑوں کا بھی سٹائل، بالکل ایسے بال اور—— آنکھیں بھی لائیٹ تھیں۔

تم سمجھ سکتی ہو میرا کیا حال ہوا ہوگا۔میں تمہیں صرف پیار ہی نہیں کرتا اپنی عزت بھی سمجھتا ہوں۔میں اپنی عزت کو کسی غیر مرد کیساتھ دیکھ سکتا تھا؟

پھر میں تم سے فون پر بات نہیں کرسکتا تھا۔خفا تھا۔غصہ میں جل رہا تھا۔پلگ ہی اتار دیا تھا کہ تمہاری آواز نہ سن سکوں"۔

وہ رکا۔پریشان چہرہ دلی جذبات کا آئینہ دار تھا۔

"میں نے جب آپ دونوں کو کیفے میں کوفی پیتے دیکھا۔تو دل میں فیصلہ کرلیا کہ آئندہ اپنا دھیان پڑھائی میں لگادونگی اور آپکو بھول جانے کی کوشش کرونگی..."

"کیوں کیا ایسا فیصلہ کیا؟ تمہیں معلوم ہے مجھ پر کیا گزرتی رہی؟ میں تو زندگی کو جیسے گھسیٹ رہا تھا۔وقت کاٹ رہا تھا صرف..."

دلآرام نادم سی نظر آنے لگی۔

"میں سوچا کرتا تھا بھولے سے سہی کبھی تو تم میرا نمبر ڈائیل کرلیتیں۔کہہ دیتیں کہ سب جھوٹ تھا،تم تو مجھے ہی چاہتی ہو.... مگر.... تم بھی اپنی ضد کی پوری نکلیں"۔

"اور آپ... آپ کیا کم نکلے"۔

"میں شاید پہل کرہی لیتا مگر ایک بار گھر میں گھسا تو بابا جان تم سے فون پر باتیں کرتے ہوئے بے دریغ محبت لٹا رہے تھے"۔وہ مسکرایا۔آنکھوں میں چمک ابھری۔" میں سخت جیلس

ہو رہا تھا اس وقت..."

"بابا جان سے"۔ وہ مسکرا دی۔

"ہاں"۔

اور دلآرام نے گہری سانس لی۔

"اس فون کے بعد سے میں مطمئن ہو گیا کہ تم چاہے بات کرو نہ کرو بابا جان تمہیں میرے لئے پسند کر چکے ہیں..."

"اچھا اسلئے آرام سے بیٹھے رہے"۔

"ہاں"۔ وہ خوبصورتی سے ہنس دیا۔

دلآرام نے اپنا سر اسکے کندھے سے لگا دیا۔

"صاحب جی..." جانے کیا کہنے والی تھی وہ؟

دلاور خان کے کانوں نے 'صاحب جی' بڑے دنوں بعد سنا تھا وہ مسحور سا ہو گیا۔

"پھر کہو"۔

"کیا"۔

"صاحب جی"۔

"صاحب جی، چھوٹے سرکار، چھوٹے مالک، سر..."

اور دلاور خان اسے ہر نام کیلئے پیار کرتا رہا۔

"صاحب جی"۔ وہ پھر بولی۔

"جان"۔ وہ اڈورنگ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ہمارے پیچھے کون پڑا ہے ہاں"۔

"کبھی تو پتہ چل ہی جائیگا۔ بلکہ اب انشاءاللہ جلدی پتہ چل جائیگا"

"کیسے چھوٹے سرکار"۔ وہ اب بھی اسکے کندھے سے لگی نیم دراز تھی۔

دلاور خان مسکرا دیا۔ ہونٹوں سے اسکا ماتھا چھوا۔

"ایسے کہ اب ہم دونوں مل گئے ہیں۔ کسی تیسرے کو بیچ میں نہیں آنے دینگے۔ میں تو جاتے



ہی ان ٹیلی فون کالز کا پتہ کرونگا۔ اپنا فون نمبر انڈر ابزرویشن رکھ لونگا۔ دیکھتا ہوں کب تک یہ لوگ ہمیں مس گائیڈ کرتے ہیں۔ اور فور گوڈ سیک ذرا سی بھی بات ہو فوراً مجھے رنگ کر دیا کرنا۔ دل میں مت رکھنا"۔

"او کے سر"۔

"اور اب یور ہائی نس آپ مجھے اپنا نبض دکھائیں۔ آپکی باتوں سے لگتا ہے آپکا ٹمپریچر اتر گیا ہے"۔

دلآرام نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

واقعی اب اسے ٹمپریچر نہیں تھا۔

"جان میری۔ بابا جان نے صبح جاتے وقت مجھے کہا تھا کہ تمہیں گھما پھرا لاؤں۔ مگر ایک تو تم ویک ہو خاصی۔ دوسرا... تمہیں روز روز یوں ہی... بخار ہوتا رہے تو زیادہ اچھا نہیں؟" وہ شرارت سے کہہ رہا تھا۔

"یو..." دلآرام نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں نا۔ پھر میں یوں ہی بیٹھا رہونگا اور تم بھی اسی طرح میرے قریب لیٹی رہوگی۔ اچھا نہیں؟"

"ہاں.. شاید..."

"باہر گھومنے سے یہ اچھا نہیں کہ یوں مل کر بیٹھیں گپ شپ کریں، پیار کریں"۔

"یہ سب میرے بخار کے بغیر بھی ہو سکتا ہے"۔

"نہیں جناب۔ بابا جان پھر کہیں گے گھومنے لے چلو دلآرام کو"۔

وہ مسکرا دی۔ چند پل دونوں خاموش رہے۔

"میم صاحب! سنا ہے آپ نے پڑھائی کو خیر باد کہہ دیا ہے"۔ دلاور خان پھر بولا۔

"بابا جان نے کہا تھا"۔

"بہت فرمانبردار ہو بابا جان کی"۔

"کیوں نہ ہوں وہ میرے بابا جان ہیں"۔

"مجھے معلوم ہے تم نے مجھ سے میرے بابا جان کو لے لیا ہے"۔

"نہیں سر"۔اسے اس پر ترس آیا۔"وہ ہم دونوں کے بابا جان ہیں"۔

دلاور خان اسے اپنائیت سے دیکھنے لگا۔

"تم کتنی کیوٹ ہو۔کتنی سویٹ ہو"۔

"آپ بھی بہت اچھے ہیں چھوٹے مالک"۔

ناشتے کے برتن لینے بیرے نے دروازے پر دستک دی۔تو دلاور خان نے آہستہ سے اسکا سر اٹھا کر تکیوں پر رکھ دیا۔

"اب تم لیٹو۔میں ذرا باہر کا چکر لگاتا ہوں۔بابا جان آنے والے ہونگے"۔ملائمت سے کہتا وہ باہر نکل گیا۔

بابا جان کو دلآرام کے بخار کا پتہ چلا تو سیدھے اس کے کمرے میں آئے۔دوبارہ سے اسے دیکھا۔دوائیاں دیکھیں۔اس قدر پریشان ہو رہے تھے کہ بقول دلاور خان، دلاور خان کو پھر سے جلن ہونے لگی۔

لنچ کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں جانے لگے۔

"بیٹی ذرا سی بھی پرابلم ہو تو رنگ کر دینا۔بالکل مت جھجکنا سمجھیں"۔

"جی"۔وہ ممنونیت سے بولی۔

اور پھر بابا جان اور دلاور خان اپنے اپنے کمروں میں چل دیئے۔

شام کی چائے سب کیلئے الگ الگ گئی۔

بابا جان نے تو اپنے کمرے میں ہی پی لی مگر دلاور خان نے اپنی چائے کا بیرے کو دلآرام کے کمرے میں لانے کو کہا۔

دلآرام اب کے کمزور لگ رہی تھی۔بخار تو نہیں تھا مگر نقاہت خوبصورت چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔

دونوں چوڑی خوبصورت کھڑکی کے قریب آمنے سامنے لگی آرام دہ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔



دلاور خان نے چائے بنا کر پہلے دلآرام کو دی۔پھر اپنا کپ اٹھا لیا۔

"تمہیں دوبارہ بخار تو نہیں ہوا؟" چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے دلاور خان نے پوچھا۔

"ہوا تھا۔میں نے دوائی لے لی۔اب ٹھیک ہوں"۔

"کل کیا پروگرام ہے۔بستر میں یا باہر گھومنے کا"۔وہ مسکرایا۔

"میں تو آجکے لیٹنے سے بھی تنگ آئی ہوئی ہوں"۔

"نہیں نہیں۔یوں ہی لیٹا رہنا۔گپ شپ کرینگے"۔

"کل بھی؟"

"ہاں۔کیا فرق پڑتا ہے"۔

"فرق تو نہیں پڑتا مگر..."

"مگر کیا؟"

"تنگ آگئی ہوں بستر سے"۔

"او کے۔جیسے تمہاری مرضی۔لیکن اتنا پھراؤنگا اتنا پھراؤنگا۔اور اگر تم نے کہا کہ تھک گئی ہوں تو پھر دیکھ لونگا"۔

"واہ۔اچھی زبردستی ہے"۔وہ ہنس دی۔

"تو لیٹی رہو نا آرام سے۔کل کا دن ہے پرسوں تو ویسے بھی واپس جائینگے"۔

"اچھا صاحب جی جیسے آپ کہیں"۔

اور اسے اسکی فرمانبرداری پر ہنسی آگئی۔

میں مذاق کر رہا تھا۔خدا کرے کل تم ٹھیک ہو تو باہر گھومنے چلینگے۔یہاں بہت خوبصورت جگہیں ہیں دیکھنے کیلئے"۔

"سر پھر آپ تو مجھے کوس رہے ہونگے آجکا سارا دن آپکا ضائع کروایا میں نے"۔اسے واقعی احساس ہوا۔

وہ ہنس دیا۔خوبصورتی سے۔

"ضائع نہیں کروایا۔Infact, you have made it quite

memorable ہماری صلح ہوئی ہے۔ غلط فہمیاں دور ہوئی ہیں۔ عرصہ بعد مجھے تمہارے قریب بیٹھنے کا موقعہ ملا ہے...''

تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

''یس''۔ دلاور خان نے کہا۔

اور بابا جان اندر آ گئے۔

دلاور خان اٹھ کھڑا ہو گیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے ہماری بیٹی کی''۔

''ٹھیک ہوں بابا جان''۔

اپنا کپ اٹھاتے ہوئے وہ اٹھ کر اپنے بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ کرسی بابا جان کے لئے چھوڑ دی۔

بابا جان بیٹھ گئے تو دلاور خان بھی بیٹھ گیا۔

''تم نے دلآرام کا ٹمپریچر چیک کیا ہے؟'' بابا جان نے کہا۔

''جی نہیں۔ یہ کہتی تھی اب ٹھیک ہے''۔

''چیک کرنا چاہئے تھا''۔ وہ اب بھی اپ سیٹ لگ رہے تھے۔

دلاور خان کو دل ہی دل میں ہنسی آئی۔ کتنا چاہتے تھے وہ دلآرام کو۔ بیٹے کی نسبت سے ایک لڑکی ایسی ہی اچھی لگتی ہو گی شاید!

بابا جان کافی دیر تک بیٹھے رہے۔

ہم چلتے ہیں ذرا واک کرینگے''۔ وہ اٹھنے لگے۔

''میں بھی جاؤنگا بابا جان''۔

''بابا نے دلآرام کا ماتھا چھوا نبض دیکھی۔ سب نارمل لگ رہا تھا۔ وہ مطمئن سے نظر آنے لگے۔

''چلو''۔

ڈنر بابا جان اور دلاور خان نے ڈائننگ ہال میں کیا۔ دلآرام کیلئے کمرے میں بھیج دیا۔



دوائیاں وغیرہ لیکر وہ سونے کی تیاری کر ہی رہی تھی کہ بابا جان اور دلاور خان آ گئے۔ بابا جان سب تسلی کرتے ہوئے اسے 'شب بخیر' کہتے ہوئے اپنے کمرے میں جانے لگے۔

''گڈ نائیٹ میم''۔ دلاور خان نے آہستہ سے کہا۔ ''کوئی پرابلم ہو تو فون کر دینا ٹھیک''۔

''اچھا''۔ اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

''Take care.''۔ اس نے مزید کہا۔ اور ——

بابا جان کے پیچھے چلدیا۔

دلآرام نے دروازہ لاک کیا۔ کپڑے تبدیل کئے اور نرم و گرم بستر میں گھس گئی۔

رات دلاور خان کو دیر تک نیند نہیں آئی تھی۔ دلآرام سے کہی اور سنی باتیں کانوں میں گونجتی رہی تھیں۔ خوش بھی بہت تھا۔ عرصہ بعد دلآرام سے باتیں کی تھیں۔ تمام غلط فہمیاں جاتی رہی تھیں۔

رات کے کس پل جانے آنکھ لگی تھی۔ کہ صبح اٹھا تو گیارہ بج رہے تھے۔

جلدی جلدی گرم پانی کا شاور لیا۔ فریش ہوا۔

ڈارک گرے قیمتی سوٹ پہنا۔ بال برش کیے۔ اپنا مخصوص کولون سپرے کیا اور——

کمرہ لاک کرتے ہوئے بابا جان کی طرف آنے لگا۔

تبھی—— بیرا لپک کر پاس آیا۔ بابا جان کا لکھا ہوا میسیج تھمایا۔

بابا جان کے دوست فرید احمد انہیں لینے آئے تھے۔ اور آج وہ دونوں باقی دوستوں سے ملنے گئے تھے۔

تو بابا جان بھی آزادی اور چھٹی منا رہے تھے!

دلاور خان نے دلآرام کے دروازے پر دستک دی۔

''یس''۔ دلآرام کی آواز تھی۔

وہ اندر آ گیا۔

دلآرام ناشتہ وغیرہ کر کے فیروزی رنگ کے خوبصورت کپڑے ہم رنگ شوز اور سفید نرم وگرم سویٹر پہنے کھڑکی کے پاس کرسی پر بیٹھی تھی۔

دلاور خان پاس چلا آیا۔ چند ثانیے یوں ہی کھڑا اسکی بڑی بڑی حسین آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ چپ چاپ۔

پھر آنکھیں موندتے ہوئے خوبصورتی سے سر جھٹکا۔

نہ 'ہیلو' نہ 'ہائے'۔ سر چکرا گیا۔ ضرور کوئی نئی شرارت سوجھی تھی اسے!



''کیوں صاحب جی خیریت؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''لوگ بوتل سے پیتے ہیں میں آنکھوں سے پیتا ہوں۔ وہ بھی اتنی سٹرونگ کہ پہلے ہی گھونٹ میں سر چکرا جائے''۔

''ناشتہ کیا ہے؟'' وہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولی۔

''نو''۔

''منگواؤں''۔

''یس''۔ وہ اسکے مقابل والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اور دلآرام نے فون پر کچن سے دلاور خان کا ناشتہ اپنے کمرے میں منگوالیا۔

''چائے دو منگوانا۔ ایک تمہارے لئے''۔

''مگر میں تو پی چکی ہوں''۔

''نہیں۔ مجھے کمپنی دینے کو''۔

اسکا دل بالکل نہیں کر رہا تھا لیکن——

''اچھا سر''۔

اور چائے دو منگوالی۔

''آج طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک۔ بس ویکنس ہے تھوڑی سی''۔

''باہر چلیں گے؟''

''جیسا آپ کہیں''۔

''اگر میں کہوں کہ کہیں نہیں جاتے آجکا دن ادھر ہی گزارتے ہیں تو؟''

''میں نے کہا نا جیسا آپ کہیں''۔

وہ اسے اپنائیت سے دیکھتا رہا۔ بہت کمپرومائزنگ تھی وہ۔

''I love you.''۔ اس نے اسکے ہاتھ پر پیار کیا۔

دنوں بعد ایکبار پھر اسکی پلکیں گرنے اٹھنے لگیں۔

تھوڑی دیر میں بیرا ناشتہ لے آیا۔

دلاور خان ناشتہ کرنے لگا اور دلآرام اسکے ساتھ چائے میں شریک ہوئی۔

دلاور خان نے گھڑی دیکھی۔ پونے بارہ بج رہے تھے۔

''چلو چلیں''۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''چلیں''۔ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

دونوں لفٹ سے نیچے اترے۔ ہوٹل کی گاڑی میں بیٹھے اور چل پڑے۔

بہت خوبصورت شہر تھا۔ پررونق بازار، بڑے بڑے شوپنگ مالز، ایکڑوں پر پھیلے پارکس، جھیل، تھیٹرز، ہوٹلز اور بے شمار ریسٹورانٹس!

دلآرام کی ہی خواہش پر ان دونوں نے K.F.C میں لنچ کیا۔

سارا وقت گھومتے پھرتے رہے۔ مشہور جگہیں دیکھیں۔ فوٹوگرافی اور ڈھیر ساری شوپنگ کر لی۔

رات ڈیرے ڈالنے لگی تھی۔ شہر ست رنگی روشنیوں میں نہا رہا تھا۔ ہوا یخ بستہ تھی اور ___ سردی بے اندازہ!

وہ لوگ بھی لوٹ آئے کہ بابا جان ڈنر کیلئے یقیناً انکے منتظر ہوتے۔

دلآرام خوش بھی تھی۔ تھکی ہوئی بھی۔

بابا جان دونوں کو مسرور دیکھ کر مطمئن تھے۔ ٹرپ پر آنے کا ان کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

دونوں کی آپس میں تلخیاں دور کرنا ہی تو انہیں مطلوب تھا!

ڈائننگ ہال کے خوشگوار ماحول اور دلچسپ باتوں کے درمیان انہوں نے لذیذ ڈنر کھایا۔

اوپر آئے ..اور___

اپنے اپنے کمروں میں چلدیئے۔



شاہد کی منگنی کا شور شرابہ ختم ہوا۔ تو۔ بابا جان کو دلاور خان کی فکر لاحق ہوئی۔

''بیٹا دلآرام تمہیں کیسی لگتی ہے؟'' ایک شام سب جانتے ہوئے بھی بابا جان نے اس سے روبرو بات کرنا مناسب سمجھا۔

دلاور خان اس اچانک سوال پر بوکھلا سا گیا۔ کبھی بابا جان سے اس قسم کی باتیں کی نہیں تھیں۔

''جی___جی۔''

''بیٹا میں چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی دلآرام سے ہو۔ ہم نے اسے اچھی طرح پرکھا ہے۔ اور سچ پوچھو تو ہمیں ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی۔ صورت کے ساتھ خدا نے سیرت بھی دے رکھی ہے...''

''بابا جان جیسے آپ مناسب سمجھیں''۔ وہ نیچی آواز میں بولا۔

''نہیں ایسے نہیں۔ ہماری خوشی میں تمہاری بھی مرضی شامل ہونی چاہئیے''۔

''ٹھیک ہے آپکو پسند ہے تو میری انکار کی گنجائش نہیں رہتی''۔

بابا جان دھیرے سے مسکرا دیئے۔

''بیٹا ہم جانتے ہیں تم بھی اسے پسند کرتے ہو اور بہت پہلے سے پسند کرتے ہو پھر ___ چھپانے سے مطلب؟''

''وہ بابا جان ___ میں چھپا نہیں رہا___ بس ٹھیک ہے''۔

''یہ ہوئی نا بات''۔

اور رات دیر تک دلاور خان دلآرام کو فون پر تنگ کرتا رہا، چھیڑتا رہا۔ اور اسکی شرمیلی جھجکتی باتوں سے محظوظ ہوتا رہا۔

جب سے ٹرپ سے واپس آئے تھے یہ لوگ۔ دلاور خان اسے ہر رات بلا ناغہ فون کرتا۔ اکثر ملنے آتا۔ چند گھڑی بیٹھ کر اسے تنگ کرتا، خود مزے لیکر چلا جاتا۔

اسے لگا تھا۔زندگی تو اب شروع ہوئی تھی۔پہلے تو کورے کاغذ جیسی تھی جیسے!

ماما اور دلآرام دونوں لان میں دھوپ میں کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ڈرائے فروٹ کھاتے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہی تھیں۔

تبھی ـــ گیٹ کھلا۔اور دلدار خان کی گاڑی پورچ میں آکر رکی۔

دلآرام جلدی سے انہیں ریسیو کرنے گئی۔

بابا جان اس کیساتھ چلتے لان میں آنے لگے۔

ماما انہیں آتے دیکھ کر تعظیماً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''بیٹھو ماما''۔بابا جان کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

ماما بیٹھ گئیں۔

''بیٹا تم ذرا اندر جاؤ''۔بابا جان نے دلآرام سے کہا۔

وہ کچھ سمجھتے ہوئے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے اندر چل دی۔

''ماما ہم تم سے دلآرام کا ہاتھ دلاور خان کیلئے مانگنے آئے ہیں۔تم ہی دلآرام کی سب کچھ ہو۔اسلئے ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔انکار مت کرنا۔ہمارا دل ٹوٹ جائیگا''۔اسکے جاتے ہی دلدار خان گویا ہوئے۔

''صاحب! خدا آپکو عزت دے کہ آپ نے مجھ غریب کو اتنا بڑا درجہ دیا۔دلآرام کا واقعی اب میرے سوا کوئی نہیں۔مجھے دلاور خان صاحب دل سے پسند ہیں۔مگر...''

''مگر کیا؟''۔وہ بے تابی سے بولے۔

''بس دلآرام سے پوچھ لوں۔اسکی بھی مرضی شامل ہونی ضروری ہے''۔

''بے شک بے شک۔مگر ماما ابھی جا کر پوچھ لینا۔ہم بہت بے تاب ہو رہے ہیں زیادہ انتظار نہیں کر سکتے''۔

''اچھا صاحب''۔

وہ اٹھ کر اندر چل دیں۔



دلآرام اپنے کمرے میں کھڑکی کے پٹ سے سر ٹیکے باہر دیکھ رہی تھی۔

''دلآرام بیٹا''۔تیز چلنے کی وجہ سے ماما پھولی پھولی سانسوں کے درمیان بولیں۔

''جی ماما''۔

''بیٹا۔بڑے صاحب تمہارا رشتہ مانگنے آئے ہیں دلاور خان صاحب کیلئے۔کیا جواب دوں؟''

دلآرام شرما گئی۔پلکیں جھک گئیں۔

''بیٹا میں تمہاری مرضی پوچھنے آئی ہوں۔تمہیں پورا اختیار ہے۔ہاں کہو یا نا''۔

''ماما میں کیا کہوں''۔اسکی آنکھیں نم ہو گئیں۔کاش کہ اس وقت ممی اور پاپا ہوتے!

''نا بیٹا''۔انہوں نے اسے گلے لگا لیا۔''خوشی کے موقع پر ایسا بالکل مت کرنا۔اچھا شگون نہیں ہے''۔

''ماما اتنی جلدی بھی کیا ہے''۔

''بیٹا دلدار خان کو جلدی ہے۔بہت بے تاب ہو رہے ہیں۔بہت آس لیکر آئے ہیں۔بہت خوش ہیں۔کہتے ہیں ابھی جا کر دلآرام سے پوچھ لو''۔

وہ چند لمحے خاموش رہی۔

''جیسے آپ مناسب سمجھیں ماما''۔

''نہیں یہ خالص تمہاری مرضی پر ہوگا''۔

وہ پھر چپ کر گئی۔وہ تو دلاور خان کو دل سے چاہتی تھی۔مگر 'ہاں' کرنے کیلئے بھی ہمت چاہئے تھی۔

''بولو نا بیٹا۔کافی عرصہ ہو گیا ہے تمہیں اس خاندان سے ملتے ہوئے۔آخر کچھ تو اندازہ کیا ہوگا''۔

''ماما وہ تو ہے۔بہت اچھے لوگ ہیں''۔

''دلاور خان کیسے ہیں''۔

دلآرام کو ہنسی آ گئی۔ماما اس سے ہیر پھیر کر جواب مانگ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہیں"۔

"لو بیٹا۔ میں خدانخواستہ انکی طبیعت کا تو نہیں پوچھ رہی۔ میرا تو مطلب ہے تمہیں کیسے لگتے ہیں؟"

"ٹھیک لگتے ہیں"۔ اس سے زیادہ اور کیا کہتی وہ؟

"تو ہاں کہہ دوں جا کر بڑے صاحب کو"۔

وہ چند لمحے خاموش رہی۔

"کہہ دیں"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

اور ماما خوشی خوشی دلدار خان کے پاس آئیں۔

"مبارک ہو بڑے صاحب۔ دلآرام نے اپنی مرضی بتا دی"۔

"ہاں کہہ دی"۔

"ہاں صاحب"۔

"ماما۔ ڈرائیور سے کہو گاڑی سے مٹھائی کی ٹوکریاں اتار کر لے آئے"۔ بابا جان نے کہا۔

وہ مٹھائی ساتھ لائے تھے۔ کہ 'ہاں' ہو گئی تو منہ میٹھا کر کے ہی جائیں گے۔

لمحوں میں ہی مٹھائی کی یہ بڑی بڑی خوبصورتی سے سجی ٹوکریاں آ گئیں۔

بسم اللہ کہہ کر دلدار خان نے مٹھائی خود اپنے ہاتھوں سے کھولی۔

سب سے پہلے دلآرام کے پاس آئے۔ اسے لڈو منہ میں دیا۔ اس نے لے لیا تو باقی کا خود کھا لیا۔

واپس باہر آئے۔ ماما کا منہ میٹھا کیا۔ اپنے ڈرائیور کے پاس آئے۔

"لو منہ میٹھا کرو۔ اپنے دلاور خان کی بات پکی ہو گئی"۔ انہوں نے اسکے منہ میں مٹھائی دی۔

جو ٹوکری کھولی تھی وہ ڈرائیور کے حوالے کی۔

"یہ یہاں ملازموں کو دیدو"۔

باقی مٹھائی ماما کے پاس چھوڑ وہ جلدی جلدی گاڑی میں بیٹھے۔



"ماما باقی کی باتیں کل ہونگی انشاء اللہ۔ کوئی اچھا سا دن مقرر کر کے ہم اپنی بیٹی کو انگوٹھی پہنانے آئیں گے"۔

"جیسا حکم سرکار"۔

اور وہ چلے گئے۔

راستے میں ڈھیر ساری مٹھائی خریدی۔

گھر پہنچتے ہی سب سے پہلے دلاور خان کو مٹھائی کھلائی۔ بعد میں سب ملازموں میں بانٹ دی۔

انکی خوشی اور ایکسائیٹمنٹ دیدنی تھی۔ دلاور خان نے اس سے قبل انہیں کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا تھا!

سردی دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔ درختوں اور پودوں میں جان پڑنے لگی تھی۔
سرسوں اب بھی جوبن پر تھی۔ پھلدار درختوں کی ننگی چکیلی شاخوں پر سفید گلابی شگوفے کسی پینٹر کا شاہکار لگ رہے تھے!

دلاور خان بے تاب تھا کہ منگنی کب ہوگی۔ ادھر بابا جان تھے کہ اگلا سارا مہینہ بھی شاید ہی کوئی دن فارغ نکال پاتے اس رسم کیلئے۔

''دھوم دھام کی کیا ضرورت ہے۔ شادی پر دھوم دھام ہو جائیگی نا۔'' دلاور خان نے ادھر ادھر بہت کہا مگر ـــ

نہ شاہد کی ہمت تھی بابا جان سے کہنے اور نہ ہی بشیر بابا کی جو آجکل دریا کنارے چٹان والے بنگلے سے آئے تھے۔

وہ جھنجلایا جھنجلایا آفس جاتا اور جھنجلایا جھنجلایا ہی واپس آتا۔

اور آخر کار ـــ بابا جان خود سمجھ گئے۔

''میرا خیال ہے اب اس کام میں دیر نہیں ہونی چاہیئے''۔ ایک دن وہ پرانے ملازم بشیر بابا سے بولے۔

''ہاں صاحب نیک کام میں کبھی دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ اور پھر ایک بار بات کر لی ہے تو جلد ہی نمٹائی جانی چاہیئے۔ اس وقفے میں دوست دشمن سن گن لینے میں لگے رہتے ہیں''۔

''بالکل ٹھیک کہا تم نے بشیر۔ یہ تو ہمیں خیال ہی نہیں آیا تھا۔ کہ بات پکی کر چکے ہیں کوئی بیچ میں گڑبڑ نہ کر دے۔ پر ایک بات تھی کہ ہم چاہتے تھے دلاور خان کی منگنی خوب دھوم دھام سے کریں۔ دنیا جان جائے کہ ہم نے اپنے دلاور خان کی منگنی کر دی ہے''

''سرکار۔ برا نہ مانیے تو عرض کروں''۔



''بولو بولو۔ ہم نے کب تمہاری کسی بات کا برا منایا ہے۔ اور پھر یہ تو ہمارے دلاور خان کی منگنی کی بات ہے۔ ہم نے تمہیں بلایا ہی اسی لئے تھا۔ کہ کچھ بول سن سکیں ایک دوسرے کی۔ کوئی صلاح مشورہ کر سکیں اس بات پر۔ یہ باقی سب بیوقوف ہیں۔ نہ عقل ہے ان میں نہ سوجھ بوجھ''۔ انہوں نے باقی ملازموں کو کنڈم کر دیا۔ ''ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے؟''

''سرکار۔ منگنی سادگی سے کر لیں۔ شادی میں دل کے سارے ارمان پورے کر لیں۔ مگر منگنی میں دیر نہیں ہونی چاہیئے''۔

''بے شک بے شک۔ یہ تم نے ٹھیک کہا۔ منگنی سادگی سے کر لیں گے۔ اور شادی بھی جلد ہی کرینگے۔ ہمیں شادی سے زیادہ دلاور خان کے وارث کی جلدی ہے۔ وہ بھی دن ہوگا جب اس گھر میں دلاور خان کے بچے کلکاریاں مارتے دوڑیں گے۔ یا خدا ہمیں مہلت دے کہ ہم اپنے اکلوتے بچے کی خوشیاں دیکھ سکیں... ''

''آمین''۔ بشیر بابا بولے۔ ''انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا''۔

''تو پھر بات پکی ہے نا''۔ دلدار خان قدرے رازداری سے بشیر بابا سے بولے۔

''جی سرکار۔ کوئی بھی اچھا سا دن دیکھ کر شگون پورا کر لیں۔ تا کہ سب کی تسلی ہو جائے۔ چھوٹے سرکار کی بھی یہی خواہش ہے''۔

دلدار خان دھیرے مسکرائے۔

''ہم سب جانتے ہیں۔ ایک ایک بات جانتے ہیں۔ اب اسے مزید امتحان میں نہیں ڈالیں گے۔ بشیر یہ آنے والی جمعرات کیسی رہے گی؟''

''سرکار دن تو بہت اچھا ہے مگر دو تین ہی دن بعد ہے تیاری ہو سکے گی''۔

''بھئی تیاری کا کیا ہے؟ ابھی چلتے ہیں زیور دیکھتے ہیں۔ پھر کپڑے خریدتے ہیں۔ اور مٹھائی کا آرڈر دیتے ہیں۔ یہی ہوتا ہے نا''۔

''جی سرکار''۔ بشیر بابا خوش نظر آ رہے تھے۔

اور ـــ دلدار خان ہر پروگرام کینسل کر کے ـــ بشیر بابا کو ساتھ لیتے ہوئے دل آرام کو لینے گئے۔ ساتھ میں ماما کو بھی لے لیا۔

دلآرام سے جگنگ کرتی بڑے سے ڈائمنڈ کی انگوٹھی پسند کروائی۔ لاکھوں کا ڈائمنڈز کا جھلملاتا سیٹ اور ڈائمنڈز کے جڑاؤ کنگن۔ پھر وہ شہر کی نامی گرامی عروسی ملبوسات کی دکان پر گئے۔

ایک سیکشن میں یہاں سے وہاں تک ایک سے ایک بڑھ کر عمدہ چمکتے دمکتے عروسی ملبوسات لگے تھے۔ سب اتنے خوبصورت کہ آنکھیں چندھیا جائیں۔

سبھی بیٹھ گئے۔

باباجان نے سرخ سے سرخ ملبوس کی طرف اشارہ کیا۔

سیلز مین نے تین دیدہ زیب ڈریس سامنے رکھ دیئے۔

باباجان غور سے دیکھنے لگے۔

''بشیر تم بھی کچھ مدد کرو''۔ وہ جیسے کچھ فیصلہ نہ کر پا رہے تھے۔

دلآرام کو دل ہی دل میں ہنسی آئی۔ نہ ماما سے مشورہ نہ دلآرام کی پسند۔ سیدھا بشیر بابا سے کہا۔

وہ دیکھ رہی تھی۔ دلاور خان کی خوشی میں وہ کچھ اس قدر خوش تھے۔ کہ ارد گرد آس پاس جیسے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا!

اور پھر عورتوں کے ملبوسات سے تو اس حد تک ناواقف تھے کہ ان کی معصومیت پر ہی اسے پیار آ رہا تھا!

''سیٹھ صاحب۔ زیور کیساتھ دیکھ کر رنگ پسند کرلیں''۔ سیلز مین نے انکی مشکل حل کرنے کو کہا۔

سرخ رنگ واقعی جیولری کیساتھ میچ نہیں کر رہا تھا۔ بہرحال ـــ

''بھائی زیور تو سفید سفید ہے۔ اب ہم اپنی بہو کیلئے سفید ڈریس لیں گے''۔

''جی جیسے آپ مناسب سمجھیں''۔ سیلز مین مؤدب طریق سے بولا۔

''ایسا کرو۔ یہ بھی دیدو''۔ انہوں نے ایک خوبصورت سکارلٹ ریڈ ڈریس پر ہاتھ رکھا۔

''اور ـــ یہ بھی دیدو''۔ انہوں نے ایک اور سرخ ڈریس بھی پسند کیا۔

کہ ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت رہتے۔ دلآرام دونوں میں سے کوئی بھی سلیکٹ کر لیتی۔



تبھی سیلز مین نے ایک آف گولڈن ڈریس لاکر انکے آگے رکھ دیا۔

''سبحان اللہ۔ یہ بھی پیک کر دو''۔ باباجان بولے۔

ڈریس واقعی اس قدر خوبصورت تھا کہ نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔

اور ـــ دلآرام نے اپنی ہنسی بمشکل روکی۔ کہ فنکشن ایک اور ڈریس تین تین۔ پر ـــ ایک بات تھی۔ جیولری کیساتھ رنگ اور کام واقعی بہت اٹھ رہا تھا۔

یہاں سے فارغ ہو کر وہ ـــ آگے گئے۔ مٹھائی کا آرڈر دیا اور ـــ

دلآرام اور ماما کو گھر چھوڑتے ہوئے خوش خوش اپنے گھر آ گئے۔

دلاور خان بھی آ چکا تھا۔

''ہیلو بیٹا۔ تھکے تھکے لگ رہے ہو''۔ دل ہی دل میں اس پر ہنستے ہوئے وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھے۔

''جی آج کام ذرا زیادہ تھا''۔ وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔

''ہاں ـــ اس جمعرات کی شام ـــ اپنے دلاور خان کی منگنی ہے۔ چھ بجے تک یہاں پہنچ جانا ہے۔ شارپ''۔ وہ فون پر کسی سے کہہ رہے تھے۔ ''سب ادھر ہی اکٹھے ہونگے۔ یہیں سے سب مل کر جائینگے لڑکی کے گھر۔ بس چند ہی لوگوں کو بلایا ہے۔ منگنی سادگی سے کر رہے ہیں۔ تاکہ بات سب پر ظاہر ہو جائے۔ شادی پر البتہ دل کے سارے ارمان اتاریں گے انشاءاللہ''۔

دلاور خان ٹھٹھک کر سیڑھیوں میں رک گیا۔

باباجان نے ایک اور نمبر ملایا۔ وہاں بھی یہی پیغام دیا۔ اور پھر یہی ہوتا رہا۔

اور ـــ دلاور خان نے اوپر اپنے کمرے میں پہنچ کر سب سے پہلے دلآرام کو فون کیا۔

''آنیوالی جمعرات کو میری منگنی ہے۔ شام چھ بجے تیار رہنا۔ شارپ۔ منگنی سادگی سے ہو رہی ہے۔ شادی پر پھر سب دستور وغیرہ پورے ہونگے''۔

دلآرام آرام سے سب سنتی رہی۔

''میری بھی منگنی ہو رہی ہے۔ آنیوالی جمعرات شام چھ بجے شارپ۔ جناب آپکا کیا خیال ہے مجھے خبر نہیں۔

اب تک تو میں اور بابا جان شوپنگ میں لگے رہے"۔

"اوہ—— بڑی لکی ہیں سرکار۔ اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ تمہیں انگوٹھی بابا جان پہنا ئینگے۔ میرے حصے کے مزے بھی بابا جان لوٹ رہے ہیں۔ یہ بے انصافی نہیں تو کیا ہے"۔

وہ ہنس دی۔

"تم ہنس رہی ہو"۔

"ہاں"۔

"کیوں؟"

"اس بے انصافی پر"۔

"ویسے آج یہ اچانک بابا جان کو منگنی کی کیا سوجھی؟ وہ تو کہتے تھے دھوم دھام سے کرینگے۔ وقت نکالیں گے۔ جو اتنی آسانی سے نہیں نکلتا تھا..."

"میرا تو خیال ہے بشیر بابا نے کوئی چال چلی ہے۔ کیونکہ شوپنگ کے وقت بھی ساتھ تھے۔ دونوں کھسر پھسر بھی کرتے جاتے تھے"۔

"اوہ آئی سی۔ اور اس وقت بڑی خوشی خوشی اپنے دوستوں کو انوائیٹ کر رہے ہیں۔ ویسے مجھے بھی اب کچھ تیاری کرنی چاہیئے۔ شاہد کو بلاتا ہوں۔ اس سے مشورہ کرونگا۔ تم نے اپنی فرینڈز وغیرہ کو بتایا ہے؟"

"ابھی تک تو نہیں۔ اور پھر میرے کون سے اتنے لوگ ہیں۔ چھوٹی امی اور ماموں کو اطلاع کرونگی اور دو ایک فرینڈز ہیں انہیں انوائیٹ کرلونگی"۔

دلاور خان اسکے سٹیپ مدر اور ماموں کو بلانے کے خیال پر دل ہی دل میں اسکا معترف ہوا۔ تعلق اچھا نہ سہی اسے رشتے کی پہچان تو تھی!

"اچھا اب بند کرتا ہوں۔ رات کو باتیں ہونگی ہاں"۔

"او کے"۔

اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"شاہد میری منگنی ہو رہی ہے"۔ دلآرام سے فون بند کرتے ہی اس نے شاہد کا نمبر ڈائیل کیا۔



"مبارک۔ مبارک"۔

"خالی مبارک نہیں۔ ذرا آجانا"۔

"کس وقت؟"

"کسی بھی وقت۔ تم پر کوئی پابندی ہے کیا"۔

"ٹھیک ہے کھانا کھا کر آتا ہوں"۔

"اچھا دیر مت کرنا"۔

"لیکن مجھے پتہ ہے تم میرا دماغ کھاؤ گے"۔

"نہیں نہیں دماغ کھانے کے دن ختم ہوگئے ہیں۔ اب مسئلے مسائل ختم"۔

"That's like a good boy."

"اچھا جلدی آنا ہاں"۔

"او کے جناب"۔

اور دلاور خان نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

لنچ کیلئے نیچے آیا۔ بابا جان بھی میز پر آچکے تھے۔

"Good news for you my son. تمہاری منگنی کروا رہے ہیں"۔

دلاور خان نے سر جھکا لیا۔ اور بابا جان کو ہنسی آگئی۔

یہاں تو سر جھکا رہا تھا۔ اور باہر شور مچا رہا تھا۔

"آنیوالی جمعرات کی شام مقرر کردی ہے۔ منگنی سادگی سے ہو جائیگی۔ شادی انشاء اللہ دھوم دھام سے کرینگے"۔

دلاور خان چپ چاپ کھانا کھا رہا تھا۔

"آج ہم دلآرام کو لیکر منگنی کی شوپنگ کرنے گئے تھے۔ ڈائمنڈز کی جیولری تو ہم نے اسکی پسند کی لی۔ کیونکہ یہ خالص عورتوں کی چیز ہے۔ مگر—— ڈریس ہم نے اپنی پسند سے خوب سرخ خریدا۔ سیلز مین کا کہنا تھا کہ زیور سے میچ کرتا رنگ لیا جائے۔ ہم نے کہا زیور تو سفید ہے۔ ہم اپنی بہو کیلئے سفید ڈریس لیں گے۔ دو خوب سرخ سرخ اور ایک سنہری ڈریس خرید لیئے..."

دلاور خان بمشکل اپنی ہنسی روکے تھا۔ واقعی ڈائمنڈز کیساتھ سرخ کپڑے ذرا زیادتی تھی۔

بیچاری دلآرام!

''ہم نے دلآرام سے پوچھا کیسے ہیں؟ بولی بابا جان جو آپکو پسند ہیں وہی ٹھیک ہیں۔ ہمیں اسکی یہی باتیں پسند ہیں۔ بہت فرمانبردار بچی ہے۔ بہت سعادتمند ہے...''

اور دلاور خان کو اپنی دلآرام پر پیار آتا رہا۔

کھانے کے بعد شاہد پہنچ گیا۔

دونوں دلاور خان کے کمرے میں بیٹھے تھے۔

''یار تیری منگنی ہو کس سے رہی ہے؟'' شاہد انجان بنتے ہوئے بولا۔

''اسکا مطلب ہے تمہیں ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم کہ میری منگنی کس سے ہو رہی ہے''۔

''ہاں''۔

اور دلاور خان نے قریبی میز سے پانی بھرا گلاس اس کے سر پر انڈیل دیا۔

''یار کیا فضول حرکت ہے''۔ وہ جلدی سے دلاور خان کے ڈریسنگ روم میں گیا۔ ''قمیض بھی گیلی کر دی''۔

''الماری میں سے میری لیکر پہن لو۔ اور باہر آؤ''۔

''باہر آؤ''۔ وہ بڑبڑایا۔ ''ایسا مذاق گرمی میں ٹھیک رہتا ہے''۔

''بس کرو یار۔ گرمی بھی آنے والی ہے۔ تھوڑا سا بھیگ گئے تو کیا ہوا۔ آخر اتنا بڑا جھوٹ بھی تو بولا تھا''۔

اسکی قمیض پہن کر وہ کمرے میں آ گیا۔

''اب پتہ چلا میری منگنی کس سے ہو رہی ہے''۔ دلاور خان نے دوبارہ گلاس بھرا تھا۔

''ہاں ہاں بس کر اب''۔

دلاور خان نے گلاس واپس رکھ دیا۔

''کس سے ہو رہی ہے؟''

''دلآرام سے''۔



''یہ ڈریسنگ روم میں کسی نے بتا دیا''۔

''زیادہ باتیں نہ کر سیدھی طرح بتا کس لئے بلایا تھا؟''۔

''یہی بتانے کہ آنیوالی جمعرات کو میری منگنی ہو رہی ہے۔ ڈسکس کرنا تھا تم سے سب...''

''اوہ۔۔۔ اچھا پروگرام کیا ہے؟''

''شام چھ بجے تک ہمارے یہاں اکٹھا ہونا ہے سب گیسٹس نے۔ پھر یہاں سے ٹھیک چھ بجے روانہ ہونگے...''

''کہاں کیلئے؟''

''گلاس بھرا ہے''۔

''یعنی دلآرام کے گھر''۔

''ہاں۔ بس سادگی سے رسم ادا ہوگی''۔

''کیوں تمہارا ناچنے گانے کا پروگرام تھا''۔

''تمہیں تو نچوا سکتا تھا نا۔ مگر اب یہ سارے پروگرام شادی پر ہونگے''۔

تبھی بیرا ٹرے میں کوفی لئے اندر آیا۔

دونوں کوفی پینے لگے۔

''یار بڑے خوش دکھائی دیتے ہو۔ منگنی تو ہماری بھی ہوئی تھی پر یہ چمک دمک نہ تھی چہرے پر''۔

''چھوڑو نا۔ بات بات پر دانت میں نکال رہا تھا''۔

''کب؟''

''منگنی والے دن۔ بات بے بات ہنسے جا رہے تھے۔ مجھے تو ڈر تھا لڑکی والے یہ نہ سمجھ لیں کہ آج مصنوعی دانت لگوا کر آیا ہے اسلئے بار بار دکھا رہا ہے''۔

شاہد کا زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

''نازیہ کو انوائیٹ کرو گے؟'' شاہد نے اسے چھیڑا۔

''وہ آ گئی تو دونوں صورتوں میں دلآرام ماری جائیگی''۔

''کیا مطلب؟''

"مطلب یہ کہ نازیہ دلآرام کو مار ڈالے گی۔ اور اسکے مارنے سے پہلے ہی شاید دلآرام خود کو مار ڈالے۔ کیونکہ مجھے دلآرام نے ایک بار کہا تھا کہ اگر میں نازیہ سے ملا وہ مر جائیگی۔ اللہ نہ کرے"۔

اس نے آخری جملے پر زور دیا۔

"واہ۔۔۔ دولہا ہو تو ایسا جس پر لڑکیاں مرنے مارنے کو تیار ہوں"۔

"دولہا نہیں۔ لڑکا ہو تو ایسا"۔

"اور یہ اللہ نہ کرے دلآرام کی ماما سے سیکھا ہے؟"

دلاور خان زور سے ہنس دیا۔

"ہاں"۔ ماما واقعی ہر دوسری بات میں ایسا کہا کرتی تھیں۔ "پھر میں بھی مسلمان ہوں"۔

"یار آج پتہ نہیں کیوں بار بار تیری تعریف کرنے کو دل چاہتا ہے"۔

"تو کردو نا"۔

"مجھے دلآرام سمجھا ہے کہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر تمہاری تعریفیں کرتی رہتی ہے"۔

دلاور خان کا زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

"یعنی کھلی آنکھوں سے دیکھے تو میں کچھ نہیں"۔

"کیا سمجھداری کی باتیں کر رہے ہو آج"۔

"اچھا تم نے نازیہ کو کیوں نہیں بلوایا تھا؟"

"واہ۔۔۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ سب مردوں کے درمیان آکر چٹا چٹ تمہاری بلائیں لینے لگتی تو میں کہاں چھپتا جاکر"۔

"چٹا چٹ اور بلائیں سے کیا مطلب؟"

"یار وہ جو تمہیں Kiss کرتی ہے نا اسکو چٹا چٹ بلائیں کہتے ہیں"۔

"اچھا چھوڑ"۔ مسکراتے ہوئے اس نے بات کا رخ بدل لیا۔ اسے ڈر تھا وہ کہیں تفصیل سے بیان کرنا شروع نہ کر دیتا۔

"اور تم نے میری منگنی پر دلآرام کو کیوں نہیں آنے دیا؟"

"نازیہ کی وجہ سے اور کیا۔ میرا خیال تھا ہوسکتا ہے نازیہ بھی آئی ہو۔ اور میری دلآرام



بچاری کو نظروں ہی نظروں میں ہڑپ کر جائے"۔

"تو یہ بات تھی"۔

"بالکل یہی بات تھی۔ میں خوشی کے موقعے پر کوئی ناخوشگواری نہیں چاہتا تھا"۔

"ویسے اس نے آجکل ایک نئی آسامی ڈھونڈ لی ہے"۔

"خدا کرے اسے یہ نئی آسامی راس آئے شادی کر لے اور راہ راست پر آجائے"

"پرانے خیر خواہ لگتے ہو"۔

"کبھی تھا کسی زمانے میں..."

"وہ یاد ہے ایک دفعہ پارک میں جب وہ اپنے ایک بوائے فرینڈ کیساتھ تھی اور تم جارہے تھے اسے مارنے اور میں لگا ہوا تھا تمہیں پکڑنے میں..." واقعہ یاد آتے ہی شاہد بے اختیار ہنس دیا۔

لنڈن میں ایکبار دلاور خان اور شاہد ایک پارک میں سے گزر رہے تھے۔ کہ دلاور خان نے نازیہ کو ایک درخت کے آڑ میں ایک لڑکے کیساتھ لپٹے لپٹائے دیکھا۔ بس پھر کیا تھا۔ وہ نازیہ کو مارنے دوڑ رہا تھا اور شاہد لگا ہوا تھا اسے پکڑنے میں۔

"وہ تو تھی ہی مارنے کے قابل تم خواہ مخواہ بیچ میں پڑ گئے۔ دنگا فساد مت کرو۔ یہ ہو جائیگا وہ ہو جائیگا..."

"دل تو میرا بھی چاہتا تھا مار دوں اسے لیکن پرایا ملک اور نازیہ جیسی لڑکی۔ پولیس کو تو بلانا ہی تھا اس نے۔ ویسے۔۔۔ میں نے غلط کیا۔ باقی تو سب دیکھ چکے تھے حوالات کیس پر بھی کر آتے تو اچھا تھا..."

اور۔۔۔ دلاور خان نے پانی بھرے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں۔ بائے گوڈ۔ غیر ملک کی بات نہ ہوتی نا۔ تو میرا تو دل چاہتا تھا مار ڈالوا سے۔ دھول جھونک رہی تھی تمہاری آنکھوں میں"۔

اور۔۔۔ دلاور خان نے مسکراتے ہوئے اپنا کپ اسکے کپ سے ٹکرایا۔

"دوست ہو تو تمہارے جیسا"۔

شاہد ہنس دیا۔

"واقعی ان دنوں وہ مجھے زہر لگتی تھی"۔

"اب کیا امرت لگنے لگی ہے"۔

"نہیں۔ یقین مانو مجھے اب بھی اس سے نفرت ہے۔ اس شام نئے آدمی کیساتھ گھومتے دیکھا تو مجھے کراہت آنے لگی۔ وہی بانہوں میں بانہیں وہی آنکھوں آنکھوں میں باتیں وہی یورپ کی طرح پارک میں نیم دراز۔ یار چھوڑو کوئی اور بات کرتے ہیں"۔

وہ دونوں دیر تک گپ شپ کرتے رہے۔

پھر۔ شاہد اپنے گھر چلدیا۔



رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ باہر بیل ہوئی۔ اور تھوڑی ہی دیر میں شاہد دلاور خان کے بیڈروم میں تھا۔

دلاور خان رات کے کپڑے پہن کر بستر میں گھسا ویتنام وار سے متعلق ایک دلچسپ کتاب پڑھ رہا تھا۔

ایسے بے وقت شاہد کو دیکھ کر حیران سا ہوا۔ شام چار بجے تو ہو کر گیا تھا۔

"آؤ۔ خیریت؟ اس وقت؟" کتاب بند کرتے ہوئے اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھدی۔

وہ قریب کے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہاں ہاں بالکل خیریت ہے۔ کیا میں گیارہ بجے تمہارے گھر نہیں آ سکتا؟ دراصل یہاں سے گیا تو تھوڑی دیر میں باجی کلینک چل دیں ڈیلیوری کیس تھا ایک۔ وہ فارغ ہوئیں تو مجھے فون کیا کہ میں انہیں گھر لے جاؤں۔ سو انہیں گھر ڈراپ کر کے سیدھا یہاں آ رہا ہوں"۔

"اچھا پہلے ذرا کچن سے کوفی تو منگواؤ"۔ دلاور خان نے شاہد کے نزدیک رکھے انٹرکوم کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں کوفی کے بغیر کام نہیں چلے گا"۔ شاہد کچن میں بات کرنے لگا۔

پھر — چند لمحے جیسے کچھ سوچتا رہا۔

"دلاور ایک بات ہے"۔ شاہد نے ابتدا کی۔ "نہ تم نے شور مچانا ہے نہ کوئی اثر لینا ہے۔ کیونکہ میں خود بھی ابھی Sure نہیں ہوں۔ جب پوری طرح پتہ لگا لونگا۔ تب دیکھا جائیگا"۔

دلاور خان کا رنگ بدل سا گیا۔

تکیے بستر کی پشت سے لگا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"کیا بات ہے؟ ایسی کیا بات ہے کہ تمہیں میرے شور مچانے کا ڈر ہے"۔

''ہوا یوں کہ میں جب باجی کو لینے گیا تو شام ہو چکی تھی۔

مریض ختم ہو چکے تھے۔ اور وہ لیبر روم میں تھیں۔ کبھی بیچ میں باہر بھی آ جاتیں۔

میں کلینک میں بیٹھا تھا کہ باجی اندر آ گئیں۔

'چلیں باجی'۔ میں نے کہا۔

'نہیں ابھی کچھ دیر انتظار کرنا پڑیگا'۔

'ٹھیک'۔ میں نے ٹانگیں سیدھی کیں اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ تھکا ہوا تھا۔ ستانے لگا۔

'شاہد۔ یہ دلآرام کیسی لڑکی ہے'۔ اچانک باجی نے پوچھا۔

'جی۔ کیا مطلب؟'

'مجھے کہنا تو نہیں چاہیئے مگر چونکہ تم اور دلاور خان گہرے دوست ہو تو سوچا بتا دوں۔ کچھ دیر پہلے بلکہ وہ آخری مریضہ تھی میرے پاس آئی تھی۔ اپنا نام مسز دلآرام دلاور لکھوایا اور کہا کہ اسے شک ہے کہ وہ پریگننٹ ہے اور وہ اور اسکا میاں ابھی اتنی جلدی بچہ نہیں چاہتے تھے۔ سو وہ اباڑشن کروانا چاہتی تھی۔ میں نے کہا میں تمہارے ٹسٹ وغیرہ تو کر سکتی ہوں مگر اباڑشن میں نہیں کیا کرتی۔ وہ بولی آپ ٹسٹ تو کر لیں۔ اس وقت ٹیکنیشن جا چکا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ وہ کل دوبارہ آ جائے اور ذرا پہلے آئے دیر سے نہیں پھر سٹاف آہستہ آہستہ جانے لگتا ہے۔

وہ تو چلی گئی مگر اسکے جانے کے بعد —— مجھے اچانک سٹرائیک ہوا کہ یہ نام تو بہت جانے پہچانے سے ہیں۔ دلآرام تمہاری منگنی میں آئی نہیں تھی کہ میں اسے دیکھ پاتی۔ بہرحال بہت خوبصورت لڑکی تھی'۔

'کیسی شکل و صورت تھی؟' میں بمشکل بولا۔

'بے حد خوبصورت۔ بیضوی چہرہ، گرے بلو بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں، ڈارک براؤن بال...'

اس وقت تو میں جیسے سکتے میں آ گیا۔

'باجی اگر واقعی ایسا ہے تو میرا دوست بہت بدقسمت ہے۔ اس نے صرف ٹھوکریں ہی کھائی ہیں'۔



'کل تم آنا۔ وہ بھی آئے گی۔ دیکھ لینا ہو سکتا ہے وہ کوئی اور ہو۔ ایک جیسے ناموں کا اتفاق تو کبھی کبھی ہو ہی جاتا ہے۔ شکل و صورت بھی ہو سکتا ہے۔ ڈارک براؤن بالوں اور گرے بلو آنکھوں میں کوئی اور لڑکی ہو۔ خوبصورتی صرف دلآرام کی میراث تو نہیں'۔ وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

'باجی میں ضرور آؤنگا۔ بلکہ چار بجے آپ آتی ہیں۔ آپکو میں خود لیکر آؤنگا اور یہیں رہونگا جب تک وہ نہیں جاتی اور میں دیکھ نہیں لیتا۔ کب تک یہ کھیل چلتا رہیگا۔ تین دن بعد دلاور کی منگنی ہے اس سے آپکو پتہ ہے'۔

یہ ہے جناب ساری بات۔ ففٹی ففٹی چانس ہو سکتا ہے بلکہ میرا دل نہیں مانتا۔ یہ کوئی اور دلآرام ہوگی''۔

اور دلاور خان کے کاٹو تو لہو نہیں تھا بدن میں۔

شاہد دیر تک اسکے پاس بیٹھا رہا۔ اسے تسلیاں دیتا رہا مگر —— بے سود۔

''میرا دل چاہتا ہے ابھی جا کر دلآرام کا گلہ دبا دوں نہ رہے گی وہ اور نہ رہیں گی میری مصیبتیں''۔

''دلاور پلیز! میں نے اگر تمہیں بات بتائی تو اس لئے نہیں کہ تم کوئی غلط قدم اٹھاؤ۔ بلکہ اب وقت ہے کہ صحیح فیصلہ کیا جا سکے''۔

''کل میں بھی تمہارے ساتھ جاؤنگا''۔

''ضرور۔ بلکہ تمہیں چلنا چاہیئے تاکہ وہیں اسے پکڑ لو۔ اور اسے مکرنے کی ضرورت نہ پڑے''۔

''ٹھیک ہے۔ لیکن یہ باقی کی رات میں گزارونگا کیسے۔ میرا تو دم گھٹتا جا رہا ہے''۔ اسے وحشت سی ہو رہی تھی۔

کوفی کبھی کی آئی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ ایک نے پی نہ دوسرے نے۔

''حوصلہ کرو دلاور۔ تم تو بہت مضبوط انسان ہو۔ یوں ڈھیر ہو جاؤ گے یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں پھر تمہیں بات ہی نہ بتاتا...''

''اور میں ایک ایسی لڑکی سے شادی کر لیتا جو پہلے سے...''

"بس اسی ایک وجہ سے میں نے تمہیں بات بتائی ہے۔اب حوصلے سے برداشت کرو۔ چند گھنٹے میں خود ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔اگر وہ نہ ہوئی تو تمہاری خوش قسمتی جیسے کہ میرا دل کہتا ہے وہ نہیں ہوگی اور اگر ہوئی تو بھی تمہاری خوش نصیبی کہ ایسی لڑکی سے بچ جاؤ گے"۔

اور دلاور خان نے گہری سانس لی۔

"Let's see."۔دلاور خان سیدھا لیٹ گیا۔

شاہد نے دوبارہ کوفی منگوائی۔دلاور خان کو بھی پلائی خود بھی پی۔

ساتھ میں دلاور خان نے آرام کی ایک گولی بھی لے لی کہ اب باقی کی رات اذیت میں کاٹنا اسکے بس میں نہیں تھا۔

شاہد چلا گیا۔تمام راستہ یہی سوچتا کہ اس نے دلاور خان کو بات بتا کر اچھا کیا یا برا؟



صبح دلاور خان کی آنکھ کھلی تو سب سے پہلے یہی خیال آیا۔

وہ پاگل سا ہونے لگا۔

نہادھو کر آفس کیلئے تیار ہوا۔ناشتہ کیا اور حسب معمول بابا جان سے ملتا آفس چلدیا۔

سارا وقت آفس میں بھی بات بے بات سٹاف پر بگڑتا رہا۔فائیلوں سے جھگڑتا رہا۔اپنے آپ سے لڑتا رہا۔

پتہ نہیں اسے کن ناکردہ گناہوں کی سزا مل رہی تھی۔ملک سے باہر پڑھنے گیا ہی تھا کہ اچانک امی کی ڈیتھ کی اطلاع ملی۔اسکی ہمدم وہمراز ایک مشفق ہستی ہمیشہ کیلئے اسے چھوڑ کر چلدیں۔پھر اسے نازیہ ملی جس نے جھوٹ اور فریب کے سوا کچھ نہیں دیا۔

واپس آیا تو دلآرام ملی۔اور اسے لگا اسکے زخموں پر مرہم رکھنے خدا نے ایک معصوم فرشتہ بھیج دیا تھا لیکن ــــ کاش وہ واقعی ایسی ہوتی جیسے اس نے سوچا تھا!

دن جوں توں کر کے کٹ گیا۔مگر ــــ جانے کیوں چار بجے سے اسے خوف سا آرہا تھا۔

اگر وہ دلآرام ہوئی تو؟

ایک تو اسکے اعتماد کی کرچیاں ہو جائیں گی۔دوسرے وہ اسکے بغیر جیئے گا کیسے؟

وہ تیار ہونے لگا۔مگر اعضاء جیسے ساتھ نہ دے رہے تھے۔

بہرحال شاہد اسے لینے آگیا۔دونوں کلینک کی طرف چلدیئے۔تمام راستہ دلاور خان کی کنپٹیاں سلگتی رہیں۔آج اسکی زندگی کا عجیب امتحان تھا۔جس میں اس نے خود کو سنبھالنا تھا۔اور پورا بھی اترنا تھا!

کلینک پہنچ کر شاہد نے گاڑی پچھلی طرف پارک کردی۔جہاں سے ہر آتا جاتا مریض صاف دکھائی دیتا تھا۔

مریضائیں آتی اور جاتی رہیں۔

معاً ایک ٹیکسی آکر رکی اور اسکی پچھلی سیٹ سے دلآرام برآمد ہوئی۔ ٹیکسی وہیں کھڑی رہی۔ اور وہ اندر کی طرف بڑھی۔

''ہونہہ ـــــ تم کہتے تھے ففٹی ففٹی چانس ہے۔ یہ دلآرام نہیں تو اور کون ہے؟'' دلاور خان تلخی سے بولا۔

''ریلیکس دلاور۔ اسکو اندر جانے دو۔ ٹسٹ وغیرہ کروانے دو۔ پازیٹیو نکلا تو کہاں چھپائے گی۔ پکڑنا ہے تو پورے ثبوت کیساتھ پکڑو''۔

وہ آج بھی دیر سے آئی تھی۔ شاید زیادہ لوگوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر اتنی بھی دیر نہیں تھی۔ شام کے سائے ابھی پھیلے نہیں تھے۔ وہ صاف نظر آرہی تھی۔

وہ اندر چلی گئی اور ـــــ

شاہد کے ذہن میں کوندا سا لپکا۔

''دلاور۔ اسے میں پکڑونگا۔ تم سامنے مت آنا''۔

''کیوں؟''

''بس کہہ دیا نا۔ میں اسے بہت آسانی سے جالونگا''۔

''جیسا کرتے ہو کرو۔ میرا ذہن ویسے بھی کام نہیں کررہا''۔

وہ خاصی دیر تک اندر رہی۔

شام گہری ہو چلی تھی۔ کلینک اور آس پاس کی بتیاں جل اٹھی تھیں۔

دلاور خان کلینک کے پیچھے ایک بینچ پر بیٹھا تھا۔ ذہن ماؤف تھا۔ نظریں خالی خالی!

تبھی ـــــ شاہد نے دیکھا۔ پریشان سی دلآرام ہاتھ میں ڈاکٹر کی پرچی لئے باہر نکل آئی۔

پھر ٹیکسی کی طرف ـــــ بڑھنے لگی۔

اتنی ہی دیر میں شاہد نے اپنی گاڑی اسکی ٹیکسی کے برابر لیجا کر کھڑی کردی۔ جیسے بالکل ابھی ابھی پہنچا تھا۔

آر یا پار ـــــ اس نے ایک پل کو سوچا اور ـــــ



''نازیہ''۔ گاڑی سے اترتے ہوئے شاہد نے پراعتماد آواز میں کہا۔

وہ ٹھٹھک کر رہ گئی۔ مگر آواز کی سمت دیکھا نہیں۔ سمجھ گئی جو بھی تھا جاننے والا تھا۔ بڑی ہوشیاری سے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

یقیناً وہ اپنی لینزز اتار رہی تھی!

''ہیلو نازیہ''۔ وہ پاس چلا آیا۔

''ہائے شاہد''۔ اپنی سیاہ آنکھوں کیساتھ اب وہ سنبھل کر شاہد کے سامنے کھڑی تھی۔

''کیسی ہو؟'' شاہد نے پوچھا۔ دلاور خان کے ناطے وہ اسکی بھی تو دوست تھی۔

''فرسٹ کلاس۔ تم سناؤ۔ شادی کب کررہے ہو...''

وہ مسکرا مسکرا کر باتیں کررہی تھی۔ کچھ دیر قبل کی پریشانی پر صاف قابو پالیا تھا۔

''بس جلدی ہی۔ ویسے تم یہاں کیا کررہی تھیں؟''

''کچھ پرابلم تھی۔ ڈاکٹر کے پاس آئی تھی''۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ گائناکولوجسٹ شاہد کی بہن تھی۔

''پرابلم دیکھ سکتا ہوں''۔ دلاور خان نے پاس آتے ہوئے یکدم ہی نازیہ کے ہاتھ سے پرچی اچک لی۔

نازیہ کا رنگ فق ہوگیا۔ اسے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شاہد کیساتھ دلاور خان بھی ہوگا۔

اسکی پریگنینسی پوزیٹیو تھی۔ اور اوپر نام دلآرام کا لکھا تھا۔

دلاور خان نے اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

''لینزز اتار لیئے؟''

وہ گڑبڑائی۔

''اب یہ کپڑے بھی بدل لو۔ ایسے کورڈ اور لوز کپڑوں میں تمہیں گھٹن ہو رہی ہوگی''۔ اسکے لہجے میں بلا کا طنز تھا۔

''تم کون ہوتے ہو یہ سب کہنے والے''۔ وہ سنبھل گئی تھی۔ غصے سے بولی۔

"میں؟ میں شادی کرنے والا ہوں دلآرام سے۔اور تم اسکا بھیس بدل بدل کر اسے طرح طرح سے بدنام کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہو۔ پہلے اسکے بوائے فرینڈز بناتی رہیں۔اور آج ـــ آج تم نے حد کردی"۔جانے کس کا گناہ اٹھا کر اس معصوم کے کندھوں پر ڈالنا چاہتی تھیں...."

"شٹ اپ۔میری مرضی میں کچھ بھی کروں"۔وہ ٹیکسی کی طرف بڑھنے لگی۔

"نہیں"۔اس نے اسے بازو سے پکڑا۔"تمہاری مرضی نہیں۔اس رپورٹ پر تم نے دلآرام کا نام لکھوایا ہے۔اور اس طرح سے یہ پولیس کیس بنتا ہے...."

وہ یکدم گھبرا گئی۔مگر چالاک بھی بہت تھی۔فوراً سنبھل بھی گئی۔یہ رپورٹ اسکے پاس رہ جاتی تو اسے نقصان پہنچ سکتا تھا۔

Dilawar, now we should part as good friends."

میں آئندہ کبھی تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی"۔وہ سنجیدگی سے بولی۔

دلاور خان خاموش تھا۔

"اب یہ رپورٹ مجھے دیدو پلیز!"وہ مزید بولی۔

اس نے چپ چاپ رپورٹ اسے تھما دی۔

"بائے"۔اس نے دلاور خان اور شاہد سے کہا۔ٹیکسی میں بیٹھی۔اور ڈرائیور سے چلنے کو کہا۔

شاہد نے آگے بڑھتے ہوئے دلاور خان کو گلے لگایا۔

"مبارک ہو یار۔میں تو تم سے کہہ نہیں رہا تھا۔ساری رات اور یہ سارا دن جس کرب میں میں نے گزارا ہے۔بتا نہیں سکتا۔کبھی دل کہتا کہ دلآرام ایسی نہیں ہوسکتی۔مگر کبھی اسکے الٹ سوچنے لگتا تھا۔نازیہ نے بھی تو کوئی کسر چھوڑی نہیں تھی"۔

"شاہد تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔تم نہ بتاتے تو مجھے ساری زندگی دلآرام کے بوائے فرینڈز کے متعلق بھی خلش رہتی۔یقین کرتا نہ کرتا پر آنکھوں نے تو دیکھا تھا...."

"یار مجھے تو اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا کسی کا پول کھولتے ہوئے لیکن تمہاری شکل سامنے آئی تو باقی سب بھول گیا۔سیدھا تمہارے پاس آگیا"۔



"تھینک یو ویری مچ شاہد۔تم نے واقعی مجھے ایک عذاب مسلسل سے بچالیا ہے...."

"بس جو ہوا سو ہوا۔اب بھول جاؤ پچھلی سب باتیں۔ایک عرصہ سے تم پریشانیوں سے دوچار ہو۔خدا کرے تمہاری منگنی تمہارے لئے بے شمار خوشیاں لائے"۔

باجی کو پک کر کے تینوں چلدیئے۔

راستے میں کسی نے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا۔اپنی باتیں کرتے رہے۔

باجی کو گھر ڈراپ کر کے شاہد دلاور خان کو گھر لے جانے لگا۔

"ویسے شاہد۔تمہیں اچانک کیسے خیال آیا۔کہ تم ہی نازیہ کو پکڑو گے۔مجھے بھی آنے سے منع کردیا۔کوئی شک ہوا تھا تمہیں اس پر؟"

"شک آج نہیں ہوا تھا۔بہت پہلے جب تم نے بتایا تھا کہ دلآرام کو تم نے اپنی آنکھوں سے ایک لڑکے کیساتھ دیکھا تھا۔اس وقت سے ایک موہوم سا شک دل میں آتا تھا کہ اگر یہ دلآرام نہیں تھی تو پھر اتنی زبردست Resemblance سوائے نازیہ کے اس سے اور کس کی ہوسکتی تھی؟ اور تمہیں یاد ہے نازیہ انگلینڈ میں بھی اکثر رنگ برنگے لینز پہنتی رہتی تھی۔

بس جب وہ کلینک سے نکل کر ٹیکسی کی طرف جانے لگی۔اسی پل ایک سیکنڈ کو خیال آیا کیوں نہ آج اپنا شک دور کرلوں۔آر یا پار ـــ کوئی تو ہوگی؟ دلآرام یا نازیہ!

میں نے پاس جا کر گاڑی بالکل یوں روکی جیسے میں بھی ابھی ابھی پہنچا تھا۔فوراً کہا"نازیہ"!

چونکہ تمہارے سوا اسے کسی اور سے تو خوف تھا نہیں۔سو میری طرف دیکھے بغیر ہی لینز اتار کر اپنی اصلی شکل میں آگئی۔اور جب میں پاس چلا گیا۔تو مجھ سے حال احوال پوچھنے لگی۔

"گڈ گوڈ!"وہ اتنا ہی کہہ سکا۔

شاہد اسے گھر چھوڑ کر واپس چلدیا۔

اپنے بیڈروم میں آکر بستر پر اوندھا ڈھیر ہوا۔تو اسے لگا جیسے لق ودق صحرا میں میلوں چل چل کر نڈھال ہونے کے بعد آخرکار وہ ٹھنڈے میٹھے پانی کے جھرنے تک پہنچ گیا تھا!

آج وہ عرصہ بعد سکون کی نیند سویا۔

موسم بہت سہانا ہو رہا تھا۔ دن خوشگوار راتیں خنک تھیں، آسمان ابر آلود ہوائیں نمی سے بوجھل تھیں اور ــــ پھولوں کی خوبصورت کلیاں بس اب چٹکیں کہ اب!

صبح کے دس بج رہے تھے۔ دلآرام خوش خوش بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔ رات دلاور خان نے کل کی ساری بات اسے فون پر بتا دی تھی۔ وہ بہت ہلکا محسوس کر رہی تھی چائے کا کپ۔ ہونٹوں سے لگائے خوش آئیند سوچوں میں گم تھی۔

تبھی ماما اندر آ گئیں۔

''بیٹا فون ہے تمہارا''۔ وہ بولیں۔

''اچھا ماما''۔

اس نے کپ سے چائے کا آخری گھونٹ لیا اور ــــ اپنے بیڈروم میں چلی آئی۔

''جی۔ کون بول رہا ہے؟'' وہ ماؤتھ پیس میں بولی۔

''میں نازیہ ہوں۔ میں اور میری آنٹی تم سے ضروری بات کرنے آ رہے ہیں''۔ ایکبار پھر اسکی آواز میں غصہ اور تیزی تھی۔

دلآرام کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ نازیہ سے ہمیشہ خوف کھا رہی تھی۔

''اچھا ــــ آیئے''۔ وہ ہمت کر کے بولی۔

فون کا سلسلہ منقطع ہوا۔ تو دلآرام نے دلاور خان کو آفس فون کیا۔ اس وقت وہ اپنے آفس میں ہی ہوتا تھا۔

''ہیلو ــــ صاحب جی دلآرام بول رہی ہوں''۔ اسکی آواز گھبرائی سی تھی۔

''خیریت؟''

''وہ... وہ نازیہ کا فون آیا تھا کہتی تھی وہ اور اسکی آنٹی مجھ سے ضروری بات کرنے آ رہے



ہیں۔ صاحب جی آپ آ جائیں میں اکیلے میں Face نہیں کر سکوں گی''۔

''میں آتا ہوں۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں''۔

''جلدی آ جائیں''۔

''او کے''۔

اور دلاور خان آفس سے چل پڑا۔

دلآرام دعائیں مانگ رہی تھی۔ کہ دلاور خان نازیہ لوگوں سے پہلے پہنچ جائے ورنہ اس میں تو نازیہ کی ایک بات بھی سننے کی ہمت نہیں تھی۔ اور پھر ضروری بات جانے کیا تھی؟

اسکا دل بار بار دھڑک اٹھتا۔

تبھی دلاور خان کی کار گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔ پورچ میں گاڑی روکتے ہی وہ اندر کی طرف بڑھا۔

''کیا بات ہے اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟'' دلآرام اسے لاؤنج میں ملی۔

''سر آپکو پتہ ہے مجھے نازیہ سے بہت ڈر لگتا ہے۔ کڑوی اور طنزیہ باتیں کرتی ہے۔ اور پھر جانے ضروری بات کیا ہے؟ کہیں آپ... آپ کو تو نہیں مانگے گی۔ میرا مطلب ہے کہ وہ شاید کہے کہ آپکی منگنی مجھ سے نہیں بلکہ اس سے ہو''۔

دلاور خان مسکرا دیا۔

''دلاور خان تمہارا ہے۔ تو منگنی کسی اور سے کیوں ہوگی۔ گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ دیکھتے ہیں کیا کہتی ہے''۔

اور گیٹ پر بیل سے دونوں چونک اٹھے۔

''آپ مجھے چھوڑ کر کہیں اور نہ جائیں''۔

''نہیں جاتا بابا۔ ادھر ہی ہوں۔ تمہارے پاس ہی بیٹھا رہونگا''۔

اور ماما کی ہمراہی میں نازیہ اور اسکی آنٹی اندر لاؤنج میں آ گئیں۔ اسکی آنٹی کوئی اور نہیں دلآرام کی سوتیلی ماں تھیں۔

''چھوٹی امی آپ''۔ دلآرام جلدی سے ان کی طرف بڑھی۔

''ہاں میں''۔ وہ بھی کھا جانیوالے انداز میں تھیں۔

دلاور خان حیران سا کھڑا تھا۔ دلآرام کی سوتیلی ماں نازیہ کی آنٹی کیسے ہوئیں۔

''تو تم بھی یہاں ہو''۔ نازیہ دلاور خان کو دیکھ کر بڑے طنز سے بولی۔

''ہاں— میں بھی یہاں ہوں''۔ وہ ماحول کو خوشگوار بنانے کی خاطر مسکرا کر بولا۔

''ہونہہ۔ کوئی اتنی بڑی بات تو نہ تھی کہ تمہیں بلا لیا گیا''۔

دلاور خان چپ رہا۔ اسکی آنٹی کے سامنے بولنا مناسب نہ لگا۔

''آپ لوگ بیٹھئے نا''۔ دلآرام نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''ماما آپ چائے کا کہہ آئیں''۔ وہ ماما سے مزید بولی۔

سبھی بیٹھ گئے۔ ماما جلدی ہی واپس آگئیں۔ وہ بھی دلآرام کو اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ ان دونوں کے تیور اچھے نہیں تھے۔

''ہم دونوں تم سے ضروری بات کرنے آئے ہیں''۔ نازیہ نے ابتدا کی۔

''جی۔ بولیئے''۔ دلآرام قدرے سنبھل گئی تھی۔ دلاور خان کی وجہ سے اسے خاصی ڈھارس تھی۔

''میں چھوٹی سی بات کرونگی۔ کیونکہ ہم یہاں زیادہ ٹھہرنا نہیں چاہتے''۔

''آپ کہیے''۔ دلآرام نے کہا۔

''جس طرح تم آصف خان کی بیٹی ہو اسی طرح میں بھی ان کی بیٹی ہوں۔ ہم دونوں میرا مطلب ہے تم اور میں جڑواں ہیں''۔ وہ مارے غصے کے اسے بہن بھی نہیں کہہ رہی تھی۔

''کیا؟'' دلآرام تمام تلخیاں بھول بھال گئی۔ ''آپ میری بہن ہیں؟'' وہ غیر ارادی طور پر اٹھتے ہوئے نازیہ کی طرف بڑھنے لگی۔

''وہیں بیٹھی رہو۔ تم مجھے بہن سمجھو بھی تو میں تمہیں اپنی بہن سمجھنے سے انکار کرتی ہوں۔ کیونکہ مجھے تم سے ذرا بھی ہمدردی نہیں''۔

دلآرام شرمندہ سی ہو کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ خوبصورت آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اپنے ماں باپ کی اولاد سامنے بیٹھی تھی مگر اسے اپنانے سے انکار کر رہی تھی۔



''آنٹی کا خط میری مما کو انگلینڈ میں ملا تھا۔ کہ آصف خان انکی بیگم اور تم ایکسیڈنٹ میں ختم ہو چکے ہو''۔ وہ اپنے ماں باپ کا ذکر یوں ہی کر رہی تھی جیسے وہ کوئی غیر ہوں۔ اور یہ بھی [illegible] انکی موت کا ذکر کرتے ہوئے ذرا برابر بھی ملال نہیں تھا۔ ''اور اسطرح سے آنٹی کا حصہ نکال کر باقی کی تمام جائیداد مجھے ملنی چاہیے تھی۔ میں اسی سلسلے میں پاکستان آئی ہوں۔ یہاں آنے کے چند دن بعد معلوم ہوا کہ تم زندہ ہو۔ آنٹی اتنا عرصہ ادھیڑ بن میں رہیں کہ مجھے تمہاری جڑواں کیسے ظاہر کریں۔ لیکن مجھے کوئی خوف نہیں تھا۔ سو اب تم آدھی جائیداد میرے نام کرو ورنہ میں کورٹ بھی جاسکتی ہوں''۔

''آپ کورٹ کیوں جائیں۔ جب ہم بہنیں ہیں تو جائیداد ضرور آدھی آدھی ہوگی۔''

دلآرام بہت اپنائیت سے بولی۔

''تم مجھے بہن سمجھو تو سمجھو میں ہرگز ایسا نہیں سمجھتی۔ مجھے تم سے نفرت ہے''۔

دلاور خان دونوں بہنوں کو دیکھ رہا تھا، سن رہا تھا، موازنہ کر رہا تھا!

دلآرام بہت چھوٹی لگتی تھی اس سے۔ وہ تو سالوں بڑی لگتی تھی اس سے۔ وہ تو سالوں بڑی لگتی تھی اس سے۔ شاید دونوں کی عادتوں میں، طور طریقوں میں فرق تھا۔ تربیتوں میں فرق تھا!

''جائیداد کی فکر مت کرو۔ وہ آج ہی تمہارے نام ہو جائیگی۔ پر یہ تو بتاؤ اس گھر میں پیدا ہو کر تم اپنی سوتیلی ماں جن کو تم آنٹی کہہ رہی ہو۔ انکی بہن کے پاس انگلینڈ کیسے پہنچ گئیں؟''

صرف دلآرام ہوتی تو نازیہ ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کرا دیتی اسی طرح چھوٹی امی بھی، اور ماما بیچاری کی کیا حیثیت تھی ان لوگوں کے سامنے بولنے کی۔ لیکن دلاور خان کے سامنے نازیہ اور اسکی سوتیلی ماں دونوں ساکت ہو گئیں۔

مگر پھر بھی— وہ پہلے سے سوچ کر آئی تھیں۔

''دراصل آپا یعنی نازیہ کی ماں دو بچیوں کو بیک وقت سنبھال نہ پا رہی تھیں۔ اسلئے نازیہ کو میں نے لے لیا۔ وہ دلآرام کو سنبھالنے لگیں۔ پھر میری بہن جو انگلینڈ میں تھی اسکے کوئی اولاد نہ تھی۔ میں نے آپا کی مرضی سے نازیہ کو اسے دے دیا...'' انہوں نے خوب من گھڑت [illegible]۔ کیونکہ ان کے خیال میں آنکھوں دیکھا حال بتانیوالا تو کوئی تھا نہیں۔

ماما بہت ضبط سے سب سن رہی تھیں۔ آج سے انیس بیس سال قبل جو بے انصافی اور ظلم دلآرام کی والدہ پر ہوا تھا۔ اسکی واحد چشم دید گواہ ماما تھیں۔ جنہیں چھوٹی بیگم نے دھمکی دی تھی۔ کہ اگر انہوں نے اس سلسلے میں زبان کھولی تو وہ انہیں اپنے آدمیوں سے اٹھوا کر کسی ایسی جگہ لے جا کر ختم کروائیں گی جہاں سے انکی خاک کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔ ماما بچاری غریب عورت جن کا نہ کوئی آگے نہ پیچھے سوائے ان لوگوں کے۔ انہوں نے ڈر کے مارے منہ پر تالا لگا لیا۔ اور آج تک اس بات کو یوں دبا دیا جیسے انہوں نے نہ کچھ دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ مگر ــــ

آج انکے سفید جھوٹ پر مزید چپ نہ رہ سکیں۔ اور دوسرے یہ بھی کہ دلآرام کیلئے انکے سوا سچ بولنے والا کوئی دوسرا تھا بھی نہیں۔ اور ــــ

تیسرے اسلئے کہ آج اس گھر کے داماد دلاور خان کی موجودگی میں محفوظ اور مضبوط محسوس کر رہی تھیں۔

''میں بتاتی ہوں سرکار''۔ ماما نے رخ دلاور خان کی طرف کیا۔'' آصف خان صاحب نے پہلی شادی کے سال بھر بعد ہی دوسری شادی ان سے یعنی چھوٹی بیگم سے کر لی تھی۔ یہ انکے ہسپتال میں نرس تھیں۔ بڑی بیگم صاحب کو ڈاکٹر بتا چکی تھیں کہ انکے دو بچے ہیں۔ جوں جوں دن قریب آنے لگے۔ چھوٹی بیگم، صاحب کے کان میں ڈالنے لگیں کہ ہسپتال جانے یا ڈاکٹر کو گھر بلانے کی کوئی ضرورت نہیں وہ نرس ہیں سب خود سنبھال لیں گی۔

ادھر انہوں نے اپنی بڑی بہن کو ولایت سے بلوا لیا۔ انکے کوئی اولاد نہ تھی اور ایک نوزائیدہ بچے کی تلاش میں تھیں۔ انکا آنا بھی راز رکھا گیا تھا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ انکے سسرال کو پتہ چلے۔ وہ بچے کو لیکر ولایت جا کر مشہور کرنا چاہتی تھیں کہ انکے یہاں اولاد ہوئی ہے۔ اسلئے وہ یہاں آ کر ایک ہوٹل میں ٹھہر گئیں۔ چھوٹی بیگم نے انہیں عین پیدائش کے وقت بلا لیا۔ پہلے دلآرام پیدا ہوئی میں اسے سنبھالنے لگی اور کچھ دیر بعد دوسری بچی پیدا ہوئی جسے چھوٹی بیگم صاحب نے تولیے میں لپیٹ کر دوسرے کمرے میں بیٹھی اپنی بہن کے حوالے کیا۔ بڑی بیگم صاحب کو بتایا کہ دوسری بچی مری ہوئی پیدا ہوئی ہے۔ چھوٹی بیگم کی بہن فوراً وہاں سے غائب ہوگئیں اور اگلے ہی دن ولایت پرواز کر گئیں۔ دلآرام ہمارے پاس رہ گئی۔ یہ سب اتنی راز داری میں ہوا تھا کہ میرے سوا کسی اور کو



کانوں کان خبر نہ ہوسکی۔ میرے بغیر تو اکیلے چھوٹی بیگم کیلئے کام مشکل تھا ورنہ شاید [illegible] باہر نکلوا دیتیں جیسا کہ سب نوکروں کو گھر سے باہر نکال دیا تھا کہ بے پردگی نہ ہو۔ اور مجھے منہ [illegible] پر مار ڈالنے کی دھمکی دے دی۔

میرا کوئی نہیں تھا خدا کے اور بڑی بیگم صاحب کے سوا۔ آصف خان صاحب بھی ان دنوں بڑی بیگم صاحب یا دلآرام سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ اسلئے چھوٹی بیگم صاحب کے جو دل میں آیا کر لیا...''۔

''اوہ مائی گوڈ''۔ دلاور خان اتنا ہی کہہ سکا۔

سبھی چپ تھے۔ کہ کچھ بولنے کی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔

دلاور خان کو یاد آیا شاہد نے اسے بتایا تھا نازیہ کہتی تھی کہ وہ دو مقاصد سے پاکستان آئی تھی۔ ایک دلاور خان کو رام کر کے شادی کرنے اور دوسرے اپنی جائیداد کے سلسلے میں۔

ایک مقصد تو حل نہ ہوسکا۔ اب وہ دوسرا حل کر کے واپس جانے کی تیاری میں تھی۔

''مس نازیہ۔ تم اتنے عرصے سے ادھر ہو تمہیں معلوم ہے کہ دلآرام تمہاری بہن ہے پھر بھی تم اس پر اس قدر گھناؤنے الزام لگاتی رہیں۔ کیچڑ اچھالتی رہیں ایسا تو کوئی دشمن بھی کرتے ہوئے جھجکتا۔ ضمیر نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے''۔

''دیکھو مسٹر۔ یہ سب ہمارا معاملہ ہے تمہیں اس میں بولنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔''

''اور تم کہہ رہی تھیں کہ جائیداد نہ ملی تو کورٹ چلی جاؤ گی۔'' وہ اسکی ان [illegible] لگا۔''تو محترمہ اس سے پہلے تمہاری آنٹی یا سوتیلی ماں بمعہ اپنے بھائی نواز کے تمہیں جیل کے سلاخوں کے پیچھے نظر آئینگے۔ انہوں نے ایک ماں سے بچی چوری کی ہے کڈنیپ کی ہے۔ اسے مردہ قرار دیا ہے...

نازیہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔

وہ تو آئی تھی دلآرام کو ڈرانے دھمکانے۔ اسے کیا خبر تھی کہ دلاور خان بھی موجود ہوگا۔ اور آنٹی نے تو کہا تھا کہ ماما ایک بے ضرر سی بڈھی ہے۔ اسے انہوں نے موت کی ایسی دھمکی دی ہے کہ وہ قیامت تک زبان نہیں کھول سکتی۔

یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہوگیا۔ لینے کے دینے پڑ گئے۔

''ہفتہ دس دن میں جائیداد کے تمام کاغذات تیار کر لئے جائینگے اور دلآرام کے سائین کرا کے میں تمہارے حوالے کر دونگا۔ گو دلآرام کی سٹیپ مدر والی کوٹھی نکال کر باقی کی تمام جائیداد مرحوم آصف خان نے باہوش وحواس دلآرام کے نام لکھی ہوئی ہے۔ تم دلآرام کی جڑواں بہن ہو ثابت کرنا ناممکن حد تک مشکل ہے۔ مگر خدا کا شکر کرو اس نے تمہیں اتنی بے ضرر اور اچھی بہن دی ہے۔ کہ وہ تمہیں کسی مصیبت میں پڑنے نہیں دیگی۔ ورنہ یہ جائیداد تمہیں واقعی کورٹ کچہریوں کے چکر دلوا دلوا کر ادھ موا کر دیتے۔ اور یہ بھی کہ وہ اور ماما آئندہ بھی کسی کے سامنے تمہارے کڈنیپ ہو جانے کی بات نہیں کریں گی''۔

''تم کیوں اتنا بڑھ بڑھ کر بول رہے ہو''۔ نازیہ جل کر بولی۔

''اسلئے کہ میں اس گھر کا ہونیوالا داماد ہوں اور مرحوم آصف خان اور انکی بیگم میرے لئے ماں باپ کا درجہ رکھتے ہیں''۔

''اوہ''۔ وہ طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یہ... چائے تو پیتی جایئے''۔ دلآرام نے کہا۔

''شٹ اپ''۔ اصلی دشمن تو اسکی دلآرام تھی جیسے۔

چھوٹی امی بھی اٹھ کھڑی ہوئیں

''چلیئے آنٹی''۔

''چلو''۔

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھیں۔

دلآرام بھی اٹھتے ہوئے ان کی طرف بڑھنے لگی لیکن ——

نازیہ نے رخ پھیر کر اسکی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

دلاور خان نے دیکھا دلآرام کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''اپنی بہن سے نہیں ملوگی؟'' اس نے نازیہ سے کہا۔

اس نے واپس رخ موڑا۔ حقارت سے دلآرام کو دیکھا۔



''ہونہہ۔ کون بہن؟ کیسی بہن؟'' اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

وہ دونوں پورچ میں جا کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

واپس اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے دلآرام سر گھٹنوں پر رکھ کر بے اختیار رو دی۔

دلاور خان اسکے پاس چلا آیا۔

''روؤ نہیں۔ روتے اپنے خیر خواہوں کیلئے ہیں۔ اور نازیہ سو سال گزرنے پر بھی بدلی نہیں جا سکتی۔

اور دلآرام پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اسے اپنے ماں باپ یاد آ گئے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ —— عرصہ بعد اپنے خون سے ملاقات ہوئی تھی۔ کیا بگڑ جاتا اسکا اگر وہ یہیں اسکے پاس رہ لیتی۔ پھر وہ اکیلی نہ ہوتی۔ ایک کی بجائے دو بہنیں ہوتیں۔ کتنی رونق ہوتی کتنی خوشیاں ہوتیں مگر ——

وہ سرے سے اسے بہن مانتی ہی نہ تھی!

''ماما آپ ہم دونوں کیلئے کوفی لے آئیں۔ میں دلآرام کو اسکے کمرے میں لے جاتا ہوں''۔

''اچھا بیٹا۔ خدا آپکی عمر دراز کرے۔ اس وقت آپ نہ ہوتے تو نہ جانے یہ دونوں ہم لوگوں کا کیا حشر کرتیں''۔

''ماما آپ بے فکر ہو کر رہیں۔ کوئی آپکا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا''۔

''خدا جوانی نصیب کرے۔ عمر دراز سرفراز کرے''۔ وہ دعائیں دیتیں کچن کی طرف چلدیں۔

اور دلاور خان دلآرام کو سہارا دیئے اسکے کمرے میں لے آیا۔

''جاؤ منہ دھولو۔ اور بھول جاؤ کہ آج کچھ ہوا بھی تھا''۔

وہ باتھ روم گئی۔ منہ دھویا۔ تولیے سے خشک کیا۔ اور کمرے میں آ گئی۔

دلاور خان اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

دلآرام اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

''یوں ہی مسکرایا کرو۔ ہنسا کرو''۔

دلآرام اسکے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔

''صاحب جی''۔ پھر چپ ہوگئی۔

''کیا ہے جان''۔ اسکے دونوں ہاتھ ہاتھوں میں لے کر اس نے ان پر پیار کیا۔

''مجھے بہت ڈر لگتا ہے''۔

وہ سمجھ گیا وہ نازیہ اور اپنی سوتیلی ماں سے خوفزدہ تھی۔

''بالکل نہیں ڈرو۔ میں ہوں نا۔ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں''۔

''ابھی جب آپ چلے جائینگے تو نازیہ کا اگر فون وغیرہ آیا تو کیا کرونگی''۔ وہ بے طرح سہمی ہوئی تھی۔

''میں یہاں سے جاتے ہی گارڈز بھجوا دیتا ہوں۔ اب رات کیساتھ ساتھ دن کو بھی یہاں رہا کرینگے۔ اگر نازیہ آنے کی کوشش کرے گی۔ تو وہ لوگ گھسنے نہیں دینگے۔

اور ــــ فون سے بالکل مت گھبرانا۔ کسی مرد ملازم کو کہہ دو وہ اٹھائے۔ فون کمرے سے باہر نکال کر لاؤنج میں رکھ دو۔ خود بالکل مت اٹینڈ کرو۔ اور باقی ذرا سی بھی بات ہو تو فوراً مجھے رنگ کرو''۔

کوفی پی کر دلاور خان اسے مزید تسلیاں دیتا چلدیا۔



دلاور خان نے دوپہر لنچ کے بعد موقعہ پا کر آج صبح دلآرام کے یہاں ہونیوالا تمام واقعہ باباجان کے گوش گزار کر دیا۔ انکے گھریلو حالات و واقعات تفصیل سے بتائے۔ ایک بات بھی بچا نہ رکھی۔ کہ ــــ

جس گھر میں اسکا رشتہ ہونیوالا تھا وہاں کی کوئی بات وہ ان سے چھپانا نہیں چاہتا تھا۔

باباجان بھی سنکر سکتے میں آگئے۔

دلاور خان نے انہیں یہ بھی بتا دیا کہ کس طرح وقتاً فوقتاً نازیہ دلآرام کا روپ بھر کر اسے بدنام کرنے اور دلاور خان کا دھیان اپنی طرف کرنے کی کوشش کرتی رہی۔

باباجان اس قدر حیران ہوئے اتنا صدمہ پہنچا۔ کہ

دلاور خان کو فکر لاحق ہوگئی کہیں وہ دلآرام سے ہی انکار نہ کر دیں۔

سوچ میں پڑ گیا کہ باباجان کو سب بتا کر اس نے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی تو نہیں مار دی تھی!

مگر وہ اپنے فائدے کیلئے باباجان کو کسی تاریکی میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

باباجان کافی دیر گہری سوچ میں ڈوبے رہے۔

''تو ــــ اس لڑکی نے بھی دلآرام کو بہن کا پیار دینے سے انکار کر دیا'' آخر کار باباجان گویا ہوئے۔

اور دلاور خان کی جان میں جان آئی۔

''ہاں باباجان''۔

''دلآرام اتنی نیک بچی ہے۔ مگر جب سے پیدا ہوئی ہے پریشانیاں اٹھا رہی ہے۔ اللہ کے راز اللہ ہی جانے۔ مگر ہم اسے اتنی توجہ اتنا پیار دینگے کہ وہ اپنے پچھلے تمام دکھ بھول جائیگی۔ اور بیٹا ہم تم سے توقع کرتے ہیں کہ تم بھول کر بھی اسے پریشان نہیں کرو گے۔ پھول کی مانند رکھو گے۔

تمہیں پتہ ہے پھول کتنی جلدی مرجھا جاتا ہے؟"

"جی بابا جان"۔

"تو بس سمجھ لو دلآرام ہمارے لئے ایک مہکتے پھول کی طرح ہے۔ تم نے اسے ذرا بھی دکھ دیا تو ہم تم سے ناراض ہو جائینگے۔ ہمیں اسکے چہرے پر پریشانی کا سایہ بھی نظر آیا تو ہم خفا ہو جائینگے۔ اور ہمیں امید ہے تم اپنے بابا جان کو ناراض اور خفا نہیں کرو گے"۔

دلاور خان سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔

"سن رہے ہو نا ہماری بات"۔

"جی بابا جان ۔۔۔ میں اسے خوش رکھنے کی پوری کوشش کرونگا۔ میں آپکو کبھی ناراض اور خفا نہیں کر سکتا"۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔

"وہ بہت دکھی ہے۔ پیدائش سے لیکر آج تک دکھ ہی دکھ اٹھائے ہیں۔ اپنا خون آج اس سے مکر گیا۔ اس سے بڑا عذاب اور کیا ہو سکتا ہے۔ تم نے اسکے سب دکھوں کا ازالہ کرنا ہے"۔

"جی بابا جان"۔

"اور پرسوں تمہاری منگنی نہیں نکاح ہوگا۔ اور اس سے اگلی جمعرات کو رخصتی۔ جمعہ کو ولیمہ دینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور سب دھوم دھام سے ہوگا۔ دھوم دھام کیلئے وقت نکالنے کی ضرورت ہے۔ وقت خود نکل آتا ہے۔۔۔"

یہ بابا جان کہہ رہے تھے۔ جن کا کبھی کسی کام کیلئے وقت نکلتا ہی نہ تھا!

"ادھر آؤ بیٹا"۔ انہوں نے دلاور خان کو پاس بلایا، بٹھایا۔ اور ماتھے پر بوسہ دیا۔

"جاؤ یہ خبر دلآرام کو تم ہی سنا دو۔ شاہد کے حوالے کارڈز بنوانے اور تقسیم کرنے کا کام سونپ دو۔ اسکی بھابی سے کہو دلآرام کو ساتھ لیکر کپڑے اور زیورات خریدے۔ مٹھائیوں کا آرڈر دو۔ جبار سے کہو میوزک کا بندوبست کرے۔ جلدی کرو۔ مہمانوں کی لسٹ بناؤ۔ کوئی کام نہ رہ جائے۔ جاؤ بابا جان کی جان"۔ انہوں نے ایک بار پھر اسے ماتھے پر پیار کیا۔

"ہم اپنی بہو کو اس قدر دھوم دھام سے لائینگے کہ لوگ عرصہ تک یاد رکھیں گے۔ اتنا پیار دینگے کہ وہ اپنی پچھلی زندگی بھول جائیگی"۔ بابا جان نے مزید کہا۔

اور دلاور خان بابا جان کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

وہ بہت ۔۔۔ بہت خوش تھا!

اوپر اپنے بیڈروم میں آیا۔ شاہد کو فون کیا۔ بابا جان کا پروگرام سنایا۔ [illegible] باتیں کرتا رہا۔ پھر ۔۔۔

آرام کرنے بستر میں لیٹ گیا۔

دھوپ ڈھل رہی تھی۔ نرم خرام ہوا درختوں میں اٹھکیلیاں کھیل رہی تھی اور ڈھلتے سورج کا سیندور چراتا تمام ماحول سیندوری ہو رہا تھا۔

دلآرام کوٹھی کے پچھواڑے خوبانیوں کے درختوں کے بیچ کرسی ڈالے بیٹھی ایک میگزین کے اوراق الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ یہ جگہ اسے بہت پسند تھی۔ مکمل پرائیویسی ہوتی تھی یہاں۔ کوئی آتا جاتا نہیں تھا اس طرف۔ اور پھر ان دنوں خوبانیوں کے درختوں کی ننگی شاخوں پر کھلی گلابی کلیاں بہت پرکشش لگتی تھیں۔ لگتا تھا اب کھل جائیں گی!

تبھی پیچھے سے وہاں دلاور خان آ گیا۔

"آپ؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ قدرے حیرت بھی ہوئی۔ اس طرف وہ پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔

"ہاں"۔ وہ پاس چلا آیا۔ آہستہ سے بازوؤں میں بھر لیا۔

پتہ نہیں کیا بات تھی؟ دلآرام اس وقت اسکے سامنے بولنا ہی بھول گئی۔

اسکی نظروں میں، اسکی مسکراہٹوں میں، اسکی گرم گرم سانسوں میں [illegible] تھی کوئی ایسی بات کہ وہ گنگ سی رہ گئی۔

"پرسوں ہمارا نکاح ہوگا"۔ وہ اسکے سرخ سرخ چہرے بند بند آنکھوں پہ پیار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس سے اگلی جمعرات کو رخصتی۔ خوب دھوم دھام سے۔ بابا جان نے چند گھنٹے پہلے فیصلہ کیا ہے"۔

"لیکن ۔۔۔ سر ۔۔۔ یہ اچانک ۔۔۔" وہ بمشکل اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہہ سکی۔

"ہاں۔ اسلئے کہ آئندہ تمہیں کوئی پریشان نہ کر سکے۔ نقصان نہ پہنچا سکے۔۔۔"

''سر... ''اسکی نظریں جھکی جھکی تھیں۔ ہونٹ بھیگے بھیگے۔

''ہوں۔'' اسکے معطر بالوں میں چہرہ دیئے وہ ہولے سے بولا۔

''مجھے ... شرم آئے گی۔'' اس نے چہرہ دلاور خان کے سینے میں چھپالیا۔

اور ـــ قریبی شاخ کی خوبصورت کلی نے چٹکتے ہوئے آنکھ کھول لی۔

''کس سے؟''

''آپ سے ...'' وہ اسکے سینے میں مزید سمٹ گئی۔

اور ـــ دلاور خان کو لگا۔ سبھی کلیاں کھل اٹھی تھیں۔ ہر سو بہار مسکرا اٹھی تھی۔